تاریخ المسعودی

مروج الذہب و معادن الجواہر

حصّہ دوم

تیسری اور چوتھی صدی ہجری کی بزرگ شخصیت اور نامور مورخ

امام المورخین ابوالحسن علی بن حسین بن علی المسعودی

کی شہرۂ آفاق تالیف

کا اردو ترجمہ

مترجم

پروفیسر کوکب شادانی

(بی اے آنرز (علیگ)، ایم اے ایم او ایل (پنجاب))

ناشر

نفیس اکیڈمی

اسٹریچن روڈ۔ کراچی ۱

فہرست موضوعات

حصہ دوم

ارسال کر دیے تھے جس کا حسب اُمید خوشگوار اثر ہوا کہ موصوف نے مکمل طور پر صحت یاب نہ ہونے کے باوصف یہ ترجمہ مکمل کر کے ہمیں بھجوا دیا اور ہم نے بھی کاغذ کی موجودہ ہوشربا گرانی اور دیگر بھاری اخراجات سے صرفِ نظر کرتے ہوئے اپنی دیرینہ روایات کا بھرم رکھنے کے لیے اس ترجمے کو ممکنہ عجلت سے شائع کر دیا ہے۔ تیسری اور چوتھی جلد کے تراجم بھی انشاء اللہ جلد شائع کیے جائیں گے۔

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللّٰه

اُمید ہے ہماری اس ناچیز علمی و قومی خدمت کو بھی حسبِ سابق بنگاہِ استحسان دیکھا جائے گا۔

طارق اقبال گاھندری

المسعودی

پیش لفظ

(ترجمہ جلد دوم)

آئندہ صفحات میں تیسری، چوتھی صدی ہجری کے نامور مسلم مؤرخ "امام المؤرخین" المسعودی کی عالمی تاریخ و جغرافیہ پر گراں قدر شہرہ آفاق تالیف "مُروّج الذہب" و معادن الجواہر" جلد دوم کا اُردو ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔ جیسا کہ اہل علم واقف ہیں اور المسعودی کی اس نادر تالیف کے ترجمہ جلد اول کے پیش لفظ میں عرض کیا جا چکا ہے۔ ہمارے اس نامور عربی مسلم مؤرخ اور جغرافیہ داں نے ابو المؤرخین ابن خلدون کی طرح مغرب کے بڑے بڑے سربرآوردہ محققین کو تاریخ نویسی کا نہ صرف پہلی بار ڈھنگ سکھایا بلکہ ایک طویل عرصے کی دشوار ترین عالمی سیاحت اور جانکاہ علمی و تحقیقی کاوش کے بعد تخلیق کائنات سے لے کر چوتھی صدی ہجری کے تقریباً نصف اول تک علم تاریخ و جغرافیہ پہ اپنی مذکورہ بالا تالیف کی چار جلدوں میں اس قدر فکر انگیز مواد فراہم کر دیا کہ کم و بیش سارے یورپ میں علم تاریخ کے فنی ماہرین بھی عش عش کر اُٹھے اور وہاں کے انصاف پسند اہل علم آج تک اس عظیم مسلم مؤرخ کو خراج تحسین ادا کرتے رہتے ہیں کیونکہ عصر حاضر کے ترقی یافتہ سائنسی دور میں بھی علوم کائنات پر ایسا نادر و نایاب مستند تحقیقی ذخیرہ کہیں مشکل ہی سے دستیاب ہو سکتا ہے۔ "مُروّج الذہب" کے انگریزی نسخے، فرانسیسی نسخے اور بیروت (لبنان) میں اس کے تازہ ترین عربی نسخے پہ تحقیقی کام کا ذکر جلد اول کے پیش لفظ میں کیا جا چکا ہے۔

علوم کائنات اور عالمی تاریخ و جغرافیہ پر اپنے زمانے کی حد تک المسعودی کو جس قدر عبور حاصل تھا اور اسے پیش کرنے میں مؤلف موصوف نے جس قدر جگر کاری اور محنت شاقہ سے کام لیا ہے اس کا اندازہ اہل فکر و نظر کو "مُروّج الذہب و معادن الجواہر" کی چاروں جلدوں کے بالاستیعاب

مطالعے سے بخوبی ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ مؤلف موصوف کو عربی زبان و ادب میں جو کمال حاصل تھا اس کا اندازہ بھی عربی زبان و ادب کے وسیع و تمام تر مطالعے ہی سے لگایا جا سکتا ہے۔ "مُرُوجُ الذہب" کے عظیم و نامور مؤلف نے شاہانِ عالم کے پُر رونق دربادوں کی آراستگی و پیراستگی کی جس منفرد اسلوب میں عکاسی کی ہے اس کا جواب ادبیاتِ عالم میں کہیں مشکل ہی سے مل سکے گا۔ ایسے ادبی اسلوب کی طرحگی اور نادر کاری کو کسی دوسری زبان میں موبمو و ہو بہو منتقل کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے خصوصاً عربی زبان کی ایسی عبارتوں کا ترجمہ کرنا جن کا ایک ایک لفظ بلحاظ بلاغت آج بھی دُنیا کی ترقی یافتہ زبانوں کے متعدد تحریری صفحات پر بھاری ہوتا ہے اور وہ بھی قریب قریب اسی ادبی شگفتگی کے ساتھ جس قدر دشوار ہے یہاں اس کا ذکر اہلِ نظر کے آفتابِ فراست کو چراغ دکھانے کا معداق ہوگا، البتہ یہ عرض کرنا غالباً بے محل نہ ہوگا کہ ناچیز راقم الحروف نے حتی الامکان کوشش کی ہے کہ قارئین کرام کو "مُرُوجُ الذہب" جلد اوّل کے اُردو ترجمے کی طرح جس کے سلسلے میں اُنھوں نے راقم الحروف کو محترم چوہدری اقبال سلیم گاھندڑی صاحب مرحوم کے لائق فرزند عزیز القدر چوہدری طارق اقبال گاھندڑی صاحب مالک و مدیر منتظم نفیس اکیڈیمی کراچی کے توسط سے بے شمار توصیفی خطوط ارسال فرمائے ہیں (جن کے لیے میں ان کا تہ دل سے شکر گزار ہوں) مذکورہ بالا گراں قدر تالیفؔ جلد دوم کے زیرِ نظر اُردو ترجمے کے بارے میں بھی یہ شکایت نہ رہے کہ "گیسوئے اُردو ابھی منت پذیرِ شانہ ہے ؛ شمع یہ سودائی دلسوزیٔ پروانہ ہے"

"مُرُوجُ الذہب" کے لائق مؤلف المسعودی نے اپنی گراں قدر تالیف کی اس دوسری جلد کے چند مخصوص آخری الواب (خلافت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ" سے خلافت حضرت حسن رضی اللہ عنہ تک) جس انتہائی احتیاط اور دیانتِ تاریخ نگاری کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے قلمبند کیے ہیں ان کے ترجمے میں بھی اُسی قدر احتیاط اور دیانت ترجمہ کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے اگرچہ مؤلف موصوف کے قلمبند کردہ ان ابواب میں کچھ تلخ و افسوسناک مگر مستند اور ٹھوس تاریخی حقائق کا ترجمہ کرتے وقت ناچیز راقم الحروف کو جگہ جگہ دانتوں پسینہ آگیا ہے۔

اُمید ہے کہ "مُرُوجُ الذہب" جلد اوّل کے اُردو ترجمے کی طرح اس جلد دوم کے ترجمے کو بھی علمی و ادبی حلقوں میں پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جائے گا، وما توفیقی الا باللہ۔

احقر العباد

کوکب شادانی عفی عنہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

باب (۱)

نسل صقالبہ، ان کے مساکن و حکمران اور مختلف قبائل

صقالبہ صقالبہ مار[1] بن یافث بن نوح کی نسل سے ہیں اور ان کے جملہ قبائل کا تعلق اسی نسل سے ہے جملہ اہل علم اور مؤرخین اس پر متفق ہیں۔ ان کے قدیم مساکن جدی[2] میں تھے جہاں سے وہ مغرب کی طرف منتقل ہوئے۔ ان کے مختلف قبیلے تھے جن میں باہمی لڑائیاں بھی ہوتی رہتی تھیں۔ ان کے حکمران بھی تھے۔ ان میں سے کچھ دین مسیحی پر تھے اور کچھ ایسے بھی تھے جن کا کسی مذہب سے تعلق نہ تھا۔ وہ زمانہ جاہلیت کے لوگوں کی طرح کسی مذہب یا شریعت سے واقف تک نہ تھے۔ انہیں قبائل میں حکمران بھی تھے جن کا تعلق از منۂ وسطیٰ سے تھا۔ ان کا ایک حکمران ماجک[3] کے نام سے مشہور تھا۔ اس کے قبیلے کا نام "ولینانا" تھا۔ صقالبہ کی جملہ نسلوں کا شیرازہ اسی قبیلے سے متعلق تھا۔ اور دوسرے تمام قبائل کے حکمران اسی کے مطیع تھے۔ پھر اس قبیلے سے ایک دوسرا قبیلہ نکلا جس کا نام اصطبرانہ پڑا۔ اس قبیلے کا موجودہ حکمران صقلابج ہے اور اس کا قبیلہ دلاونہ کہلاتا ہے۔ ان کا ایک علاقہ دانیج علاف ہے جہاں قبیلہ نامجین رہتا ہے، ان کا حکمران عزانہ ہے۔ یہ قبیلہ اس نسل کے جملہ قبیلوں میں شجاعت اور شہسواری کے لحاظ سے سب پر فوقیت رکھتا ہے۔ ان کا ایک قبیلہ منابن[4] ہے جس کا حکمران زنبیر ہے۔ ان کا ایک قبیلہ سرتین بھی ہے۔ صقالبہ کا یہ قبیلہ مہیب

---

[1] بعض نسخوں میں مار کی جگہ بار لکھا ہے (مرتب)

[2] بعض نسخوں میں جدی کی جگہ جرا لکھا ہے (مرتب)

[3] " " " ماجک کی جگہ ماجل لکھا ہے (")

[4] " " " منابن " " ماین " " (")

ترین ہونے کی وجہ سے اکثر مؤرخین نے اس کا ذکر بڑی تفصیل سے کیا ہے اور دُوسرے بہت سے قبائل اس کی اطاعت پر مجبور ہیں - مذکورہ بالا قبائل کے علاوہ ان کا ایک قبیلہ صاصین ، ایک جروانیق ایک خشاہین اور ایک براتجابین بھی ہے - ان سب قبائل کے الگ الگ حکمران ہیں - قبیلہ سرتین کے لوگ اپنے حکمرانوں کی میتوں کو جلاتے ہیں بلکہ ان کے جانوروں اور جملہ املاک کو بھی نذرِ آتش کر دیتے ہیں - اس قبیلے کے دوسرے مُردے بھی جلائے جاتے ہیں - اس سلسلے میں یہ قبیلہ ہندوستان کے ہندوؤں کی اسی رسم کی تقلید کرتا ہے جیسا کہ ہم جبل قبخ و خزر کے ذکر میں جہاں صقالبہ کے علاوہ روسی بھی آباد ہیں بیان کر چکے ہیں - یہ لوگ مغرب کی سرحدیں عبور کر کے مشرقی علاقوں میں آگئے ہیں - اسی لیے مشرقی علاقوں کی متعدد روایات ان میں رواج پا گئی ہیں -

ملوک صقالبہ

صقالبہ کا پہلا حکمران "ملک الدیر" کہلاتا ہے - اس کے بہت سے گنجان شہر اور بلند و بالا عمارتیں ہیں - اس کے پاس ایک بڑا لشکر بھی ہے جس کے سپاہیوں کی تعداد بے شمار ہے - یہ لوگ اکثر روم ، افرنگ ، نوکبرد اور دوسری قوموں سے محاربات میں مصروف رہتے ہیں - ان میں جو لوگ ترکی سے آکر آباد ہوئے ہیں وہ شکل و صورت اور شجاعت میں ان سب سے ممتاز ہیں -

قبائل صقالبہ

جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں صقالبہ کے بہت سے قبیلے ہیں - ان کا ذکر ہم نے جبل قبخ و خزر کے ساتھ جلد اوّل میں بھی کیا ہے - ان کا قدیم ترین قبیلہ ماجک ہے جس کا تعلق علاقۂ ولینانا سے ہے - یہی سب سے بڑا قبیلہ ہے جس کی قدامت پر سب کو اتفاق ہے -

جب قبائل صقالبہ میں اختلافات پیدا ہوئے تو ان کا نظام بھی درہم برہم ہوگیا - ان سب کا تفصیلی ذکر ہم اپنی کتاب اخبار الزمان میں کر چکے ہیں جو قدیم اقوام کے حالات پر مشتمل ہے -

باب (۲)

افرنگ وجلالقہ، ان کے حکمرانوں اور ہمسایہ اقوام کا ذکر

افرنگ وصقالبہ اور لوکبرد، اشبان، یاجوج و ماجوج، ترک، خزر و برجان اور للان وجلالقہ کا جو ذکر ہم علاقۂ جدی کے تحت کر چکے ہیں اس سے مؤرخین کے کسی گروہ کو کوئی اختلاف نہیں ہے علاقۂ جدی شمال میں ہے اور سب کا اس پر اتفاق ہے کہ یہاں کے قدیم قبائل یافث بن نوح کی نسل سے ہیں جو حضرت نوح (علیہ السلام) کا چھوٹا بیٹا تھا۔ ان قبائل میں فرنگی سب سے زیادہ تند خو اور سخت گیر واقع ہوئے ہیں اور بڑے باہیبت لوگ ہیں اور ان میں سے اکثر جنگجو ہیں۔ ان کے ملک کا وسیع علاقہ متمدن، منظم، قوانین کا پابند اور اپنے حکمرانوں کا متبع ہے۔ جلالقہ فرنگیوں میں سے بھی زیادہ شہ زور اور جنگ جو ہیں وہ افرنگ سے ہمیشہ متحارب رہتے ہیں۔ افرنگ کی زبان ایک ہے۔ ان کے ملک میں حزب اختلاف جیسی کوئی چیز نہیں ہے۔ ان کا موجودہ دار الحکومت بویرہ ہے۔ ویسے ان کے شہروں کی تعداد ان قصور و محلات اور قلعوں کے علاوہ جو ان سے الگ مقامات پر تعمیر کیے گئے ہیں پچاس ہے۔

مساکن افرنگ ظہور اسلام سے قبل فرنگیوں کے مساکن سمندری جزیرے روڈس میں تھے اور جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں یہ جزیرہ اسکندریہ کے سامنے تھا۔ یہ جزیرہ اب یعنی ہمارے زمانے میں روم کی جہاز سازی کی صنعت گاہ ہے۔ اس کے آگے جزیرۂ اقریطش آتا ہے جسے ظہور اسلام کے بعد مسلمانوں نے فتح کر لیا تھا۔ اسی طرح افریقی ممالک اور جزیرہ صقلیہ بھی پہلے فرنگیوں ہی کا تھا۔ ہم اس جزیرے اور جزیرۂ برکان کا پہلے ذکر کر چکے ہیں اور بتا چکے ہیں کہ کبھی اس جزیرے میں بے سر کے اجسام شعلوں کی طرح سطح آتشی سے

بلند ہوکر آسمان کی طرف پرواز کر جاتے تھے اور رات کے وقت ہوا میں تیرتے پھرتے تھے پھر دن میں سمندر میں آ پڑتے تھے اور مچھلیوں کی طرح اہل صقلیہ کے لیے خوراک کا کام دیتے تھے۔ اسی جزیرے میں فرفوریس حکیم کی قبر ہے جو یونان کا پہلا منطق داں تھا۔ پہلی جلد میں ہم نے زمین سے برآمد ہونے والی دوسری اغذیا کا ذکر کیا ہے جو اس جزیرے کے باشندوں کی خوراک ہے جیسا کہ ہم وادی برہوت کے بارے میں ذکر کر چکے ہیں جو بلاد حضرموت اور شحیر میں ہے۔ اس کے علاوہ ہم بحر چین کے بلاد زابج اور بلاد اسک کے باشندوں کی اشیائے خوردنی کا بھی ذکر کر چکے ہیں (یہ مقامات بلاد فارس اور اہواز کے درمیان بلاد فارس کے شہر ارجان کے قریب ہیں۔ جس جزیرے کی آگ کا ہم یہاں ذکر کر رہے ہیں وہ دس میل دور سے نظر آ جاتی ہے۔ اب یہ جزیرہ اسلامی جزیرہ ہے جہاں لوگ زمین سے اُگی ہوئی چیزیں بطور خوراک استعمال کرتے ہیں۔ یہاں زمین سے گندھک اور دوسرے جمادات نکلتے ہیں ان کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ ان گرم چشموں کا ذکر بھی ہم بلاد ماسبدان کے تحت کر چکے ہیں جو ارض اریوجان اور شیروان میں ہیں اور عجائبات عالم میں شمار ہوتے ہیں۔

ہم اس سے قبل یہ بھی بتا چکے ہیں کہ یہاں کے سمندروں سے خوراک کے علاوہ یہاں کی مخلوق اور کیا کیا فوائد حاصل کرتی ہے۔

ملوک افرنگ

۳۳۶ہجری میں مصر کے شہر فسطاط میں ہم نے وہ کتاب دیکھی جو نصرانی اسقف عرماز نے ۳۲۸ہجری میں حکم بن عبدالرحمٰن بن محمد بن عبداللہ بن محمد بن عبدالرحمٰن ابن حکم بن ہشام بن عبدالرحمٰن بن معاویہ بن ہشام بن عبدالملک بن مروان بن حکم جو اپنے باپ عبدالرحمٰن صاحب اندلس کا ولی عہد تھا تحفتہً بھیجی تھی اور اسے لکھا تھا کہ "فرنگیوں کا پہلا حکمران قلودیہ تھا جو خود تو مجوسی تھا لیکن اس کی بیوی جس کا نام غرطلہ تھا نصرانی تھی۔ قلودیہ کے بعد اس کا بیٹا لذریق اس کا جانشین ہوا۔ لذریق کے بعد اس کا بیٹا دقشرت فرنگیوں کا حکمران ہوا۔ اس کے بعد سلسلہ بسلسلہ یکے بعد دیگرے دقشرت کا بیٹا لذریق، پھر قرطال ابن دقشرت اور اس کے بعد اس کا بیٹا قارلہ، پھر اس کا بیٹا بتین، پھر اس کے بعد قارلہ بن بتین حکمران ہوئے۔ قارلہ بن بتین حکم صاحب اندلس کے زمانے میں فرنگیوں کا حکمران تھا۔ اس کی حکومت چھ سال تک رہی، پھر اس کی اولاد میں اختلافات پیدا ہو گئے جس کی وجہ سے فرنگیوں کی حکومت کمزور ہوتی چلی گئی۔ بہرحال لذریق بن صارقہ کی حکومت دس سال چھ ماہ رہی۔ لذریق بن صارقہ وہی تھا جس نے طرطوشہ کی طرف بڑھ کر اس کا محاصرہ کر لیا تھا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا قارلہ بن لذریق حکمران

ہوا تھا جس نے محمد بن عبدالرحمٰن بن حکم بن ہشام بن عبدالرحمٰن بن معاویہ بن ہشام بن عبدالرحمٰن بن معاویہ بن ہشام بن عبدالملک بن مروان کے ساتھ صلح کا معاہدہ کر لیا تھا۔ محمد کو اس زمانے میں "امام" کہا جاتا تھا۔ فارلہ بن لزریق کی حکومت ۹ سال ۶ ماہ رہی، اس کے بعد اس کا بیٹا لزریق فرنگیوں کا حکمران ہوا، اس کی حکومت چھ سال رہی لیکن اس کے بعد فرنگیوں کا ایک مذہبی قائد نوسہ نے اس پر چڑھائی کی اور فرنگیوں کا حکمران بن گیا اور اس نے آٹھ سال حکومت کی۔ اس نے مجوسیوں کو اس شرط پر سات سال تک اپنے ملک میں قیام کی اجازت دی تھی کہ وہ چھ سو رطل سونا اور چھ سو رطل چاندی سالانہ اسے ادا کریں۔ نوسہ کے بعد فارلہ بن تقویرہ[1] نے چار سال حکومت کی۔ اس کے بعد فارلہ آخر کی حکومت ہوئی جس نے ۳۱ سال ۳ ماہ حکومت کی۔ اس کے بعد لزریق بن فارلہ کی حکومت ہوئی جو ہمارے زمانے میں ۳۳۲ھ ہجری تک قائم ہے۔ یہ وہ سب باتیں ہیں جو اب تک ہمارے علم میں آئی ہیں۔

عبدالرحمٰن و جلالقہ

اُندلس کے فرنگیوں میں سب سے بڑھ کر جنگجو قوم جلالقہ ہی تھی۔ اس وقت عبدالرحمٰن صاحب اُندلس کا وزیر بنی اُمیہ کی نسل سے ایک شخص احمد بن اسحٰق تھا۔ اس نے چونکہ عبدالرحمٰن کے خلاف جلالقہ سے مل کر بغاوت کی تھی اس لیے عبدالرحمٰن نے احکام شریعت کے مطابق اسے قتل کرا دیا تھا۔ احمد بن اسحٰق کا ایک بھائی اُندلس کے قریب شہر شنترین میں رہتا تھا۔ اس نے جب اپنے بھائی کے قتل کا حال سُنا تو وہ بھی جلالقہ کو ملا کر عبدالرحمٰن کے مقابلے کی تیاری کرنے لگا۔ عبدالرحمٰن نے جب یہ سُنا تو وہ ایک لاکھ سپاہ پر مشتمل ایک عظیم لشکر لے کر قلعہ شنترین کی طرف بڑھا، اس کا محاصرہ کر لیا۔ لیکن اس قلعے کے گرد کافی چوڑی خندق تھی اور وہاں ان مسلمانوں کے علاوہ جو اُمیہ کے ساتھ تھے جلالقہ بھی تھے جن کی بہادری جنگجویانہ خصائل کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔ کچھ عرصہ قلعہ شنترین کے محاصرے کے بعد عبدالرحمٰن نے قلعہ کے گرد خندق کو عبور کرنے کی پے در پے ہفتوں کوشش کی جس میں اس کے لشکر کے پچاس ہزار آدمی کام آ گئے۔ اس کے علاوہ عبدالرحمٰن کے لشکر کے پاس جو ساز و سامان تھا اسے خود عبدالرحمٰن کا ذاتی بیش قیمت سامان دیکھ کر اہل حرص و ہوس کا

---

[1] بعض نسخوں میں نادلہ بن بغریرہ لکھا ہے (مرتب)

شکار ہو گئے اور انہوں نے قلعہ سے باہر آکر مسلمانوں کا مقابلہ کرنا چاہا جس کے نتیجے میں انہیں شکست ہوئی اور انہوں نے عبدالرحمٰن سے صلح کی درخواست کی جو اُمیہ کی طرف سے تھی۔ جلالقہ کے حکمران اذمیر نے بھی اس سے معافی مانگی اور صلح کا خواہاں ہوا۔ جس پر عبدالرحمٰن نے انہیں معاف کر دیا بلکہ انہیں زر و مال سے بھی نوازا۔ اس کے بعد عبدالرحمٰن نے جنگ کے وہ قواعد اختیار کیے جو جلالقہ میں چلے آرہے تھے اور ان میں ایسی مہارت حاصل کی کہ خود جلالقہ حیران رہ گئے ؛ تاہم جلالقہ اب تک یعنی ۳۳۲ھ ہجری تک اپنے مقبوضات کے مالک ہیں اور ان کا حکمران بھی وہی اذمیر ہے جو عبدالرحمٰن کے مقابل آیا تھا۔ اذمیر سے قبل فرنگیوں کے مقبوضات کا حکمران اردون تھا۔ اور اس سے پہلے اذلوشن تھا۔ اندلس کے ان اطراف کے عوام اور حکمران تاحال دینِ مسیحی پر ہیں۔

باب (۳)

قوم نوکبرد اور اس کے حکمران

ان کے انساب و مساکن

قوم نوکبرد کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ یہ یافث بن نوح کی اولاد میں سے ہیں۔ ان کے ممالک مغرب سے متصل ہیں۔ ان کا مرکزی مقام بھی جدی ہے۔ ویسے ان کے بے شمار جزیرے ہیں جہاں ان کے قوی الہیکل اور بہادر جنگجو آباد ہیں ان سب کا ایک ہی حکمران ہے جس کی اطاعت پر سب کے سب ہر وقت کمربستہ رہتے ہیں۔ اس حکمران کا نام "اذنکبس" ہے۔ ان کے ملک کا دار الحکومت ایک بڑے شہر میں ہے جس کا نام "ھی بیت" ہے۔ اس شہر کے دونوں طرف ایک عظیم نہر نکالی گئی ہے۔ اس نہر کی خوبی یہ ہے کہ اس کی تہہ میں قدرتی طور پر گندھک رہتی ہے جس کی وجہ سے اس کا پانی شفاف اور جراثیم سے پاک ہے۔ اسی لیے یہ نہر عجائبات عالم میں شمار ہوتی ہے۔ اس نہر کا نام "سابیط" ہے۔ قوم نوکبرد کے قرب و جوار میں اندلسی مسلمان آباد ہیں۔ ان لوگوں کی چھیڑ چھاڑ کی وجہ سے مسلمانوں نے ان کے اکثر بڑے بڑے شہروں پر قبضہ کر لیا ہے۔ ان شہروں میں شہر باری، شہر طارینو اور شہر شبرامہ وغیرہ شامل ہیں۔ قوم نوکبرد نے ان شہروں کو واپس لینے کے لیے متعدد لڑائیاں لڑیں لیکن مسلمانوں کے مقابلے میں ہر بار شکست کھائی۔ یہ ذکر ۳۳۲ھ ہجری تک کا ہے۔

ہم اس سے پہلے فرنگیوں، صقالبہ اور جلالقہ و نوکبرد کا ذکر کر چکے ہیں اور یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ اندلس کے حکمرانوں سے ان کی کتنی اور کہاں کہاں لڑائیاں ہوئیں۔ ان دنوں اندلس میں جو حکمران ہے اس کے نسب اور احوال و اخبار کے بارے میں ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ حکومت عباسیہ کے دور اوّل میں جو شخص پہلی بار اندلس آیا وہ عبد الرحمٰن بن معاویہ بن ہشام تھا۔ وہ کس طرح

اندلس پہنچا اور وہاں اسے کیا حالات پیش آئے اور پھر کس طرح اس نے اندلس کی حکومت حاصل کی اس کا حال متعدد کتب تواریخ میں آچکا ہے اور ہم بھی اس کا ذکر اس سے قبل تفصیل سے کر چکے ہیں۔

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اندلس کا دار الحکومت قرطبہ ہے جس کی بلند بالا عمارات محلات و باغات اور قصر خلافت کا ذکر بھی پہلے ہو چکا ہے۔ قرطبہ کے علاوہ بھی اندلس کے کئی اور بڑے بڑے شہر ہیں جن کی شان و شوکت دیکھ کر لوگ حیران رہ جاتے ہیں۔ قرب و جوار کے جملہ حکمران جن میں فرنگی، صقالبی، جلالقی اور نوکبردی وغیرہ سبھی شامل ہیں اب صاحب اندلس کے مطیع و منقاد ہیں۔ آج کل جب امیر اندلس کی سواری نکلتی ہے تو اس کے جلو میں کم سے کم ایک لاکھ فوجی سواروں کا لشکر ہوتا ہے۔ امیر اندلس کے اس کر و فر اور شان و شوکت کے علاوہ اس کے پاس زر و سیم اور جواہرات کی کثرت ناقابل بیان ہے۔

باب (۴)

قوم عاد اور اس کے حکمران

عاد اوّل

اخبار عالم میں ثقہ ترین اصحاب کے مطابق حضرت نوح (علیہ السلام) کے بعد قوم عاد میں پہلا شخص جس کے نام سے ساری قوم مشہور ہوئی عاد اوّل یونثر تھا اور سارے عرب پر اس کا غلبہ تھا۔ عاد اوّل اور اس کی ہلاکت قرآن سے ثابت ہے اس لیے اس اس سلسلے میں کسی مزید دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔ قرآن میں اس کے صدر درجہ ظالم اور جابر ہونے کا بھی ذکر آیا ہے۔ اس کے ظالم وجابر ہونے اور بدکرداری کا ذکر اللہ تعالےٰ نے اپنے پیغمبر حضرت ہود (علیہ السلام) کی زبانی کیا ہے۔ جب قوم نوحؑ کے کفار کو اللہ تعالےٰ نے ہلاک کر دیا تو اس کے بعد قوم عاد سطح ارضی پر چھا گئی اور یہ سب حکم الٰہی سے ہوا۔ یہ لوگ اُونچے درختوں کے برابر طویل القامت اور قوی الجثہ بھی تھے۔ ان کی ہیئت کذائی کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔

نسب عاد

عاد عظیم الخلقت ہونے کے علاوہ بڑا جابر شخص تھا۔ وہ نسبی اعتبار سے عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح کہلاتا ہے۔ یہ عاد اوّل چاند کی پرستش کرتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ عاد کی اولاد چار ہزار افراد پر مشتمل تھی۔ جو عاد کی ایک ہزار بیویوں سے تھی۔ اس کا ملک بلاد یمن کے متصل تھا جو بلاد احقاف اور بلاد صحاری پر مشتمل تھا۔ یہ مقامات جیسا کہ ہم اس کتاب کی جلد اوّل میں بیان کر چکے ہیں عمّان سے لے کر حضر موت تک پھیلے ہوئے تھے۔

جب عاد کا انتقال ہوا اس وقت وہ ادھیڑ عمر کا تھا۔ اس کے بعد حکومت اس کی اولاد

میں اولاد در اولاد منتقل ہوتی رہی یہاں تک کہ حکومت دسویں شخص عمر تک پہنچی۔ اس کے زمانے میں حکومت کو استقلال و استحکام حاصل ہوا۔ وہ حُسنِ اخلاق اور مہمان نوازی کی وجہ سے عوام میں بہت مقبول تھا۔ انتقال کے وقت اس کی عمر ایک ہزار دو سو سال تھی۔

عمر کے بعد اس کا بڑا بیٹا شدید بن عاد حکمران ہوا۔ اس نے پانچ سو تیس سال حکومت کی۔ کچھ مؤرخین نے کم و بیش بھی بتائی ہے۔

شدید بن عاد کے بعد اس کا بھائی شداد بن عاد بادشاہ ہوا۔ اس کی حکومت ۹۰۰ سو سال رہی جو کم و بیش جملہ اکناف عالم پر محیط تھی۔ اسی نے "ارم ذات العماد" تعمیر کیا تھا جس کے کوائف ہم اپنی پچھلی کتابوں میں تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔ تاہم لوگوں کا اس میں اختلاف ہے کہ وہ کہاں اور کس جگہ واقع تھا۔ البتہ اس کے وجود کی دلیل قرآن میں موجود ہے۔ شداد بن عاد عاد ثانی تھا۔ جس کا ذکر قرآن میں ان الفاظ کے ساتھ آیا ہے: (الم تر کیف فعل ربک بعاد ارم ذات العماد) اس عاد یعنی شدّاد کی حکومت میں ظلم و جبر اپنی انتہا کو پہنچ گئے تھے شدّاد بن عاد ساری دنیا میں گھوما پھرا۔ بلادِ ہند میں اظہارِ قوت اور شوکت و حشمت کی انتہا کر دی۔ غرض دنیا میں مشرق سے مغرب تک اس کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے متعدد لڑائیاں بھی لڑیں۔ یہاں ہم نے اس کا ذکر بخوف طوالت اختصار کے ساتھ پیش کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ ہم نے قوم عاد اور اس کے نبی حضرت ہود علیہ السلام کا ذکر، اس قوم کے عادات و خصائل اور چہروں مہروں کی تفصیل اپنی پہلی کتابوں اخبار الزماں، کتاب الرؤس اور کتاب الزلف وغیرہ میں تفصیل سے پیش کیا ہے۔ اس قوم میں تفریق انساب اور اُن کے تنزل کے اسباب پر اس کتاب میں آگے چل کر روشنی ڈالیں گے۔ یہاں اتنا سمجھ لیا جائے کہ اُندلس کے ساتھ سب قوموں سے زیادہ اس قوم نے سختی کی تھی اور جبر و ظلم میں یہی قوم سب سے آگے تھی۔ اس کے بعد اسی کے آس پاس ایک اور قوم اُبھری جو مشکش کہلائی اور جس کا ہم اپنی پچھلی کتابوں میں ذکر کر چکے ہیں۔

باب (۵)

قوم ثمود، اس کے حکمران اور اس کے نبی حضرت صالحؑ

مساکن ثمود ہم نے اس سے قبل قوم ثمود اور اس کے نبی حضرت صالح علیہ السلام کا قدرے ذکر کیا ہے۔ ملک ثمود بن عامر بن ارم بن سام بن نوح شام و حجاز کے درمیان بحر حبشی کے کنارے واقع تھا۔ ان کا ایک شہر فج ناقہ میں اور ان کے مکانات پہاڑوں کی گھاٹیوں میں اب تک ملتے ہیں۔ ان کی کچھ رسوم اور آثار بھی تا حال باقی ہیں۔ ان کی رسوم قریب قریب وہی ہیں جب وہ شام سے وادی قریٰ میں داخل ہوئے تھے۔ ان کے مکانات اور دوسری جگہیں اب بھی ویسی ہی ہیں یعنی اس طرح کی ہیں جیسی ہماری ہیں۔ ان کے چہرے مہرے اور قد و قامت قوم عاد کے علی الرغم ہم سے زیادہ قریب ہیں، ان کے اکثر مکانات اب ارض شجیر میں ہیں۔ ان میں یہ تبدیلیاں تبدیل مقام کی وجہ سے آئی ہیں، ان کا پہلا حکمران جس نے کم و بیش دو سو سال حکومت کی عابر بن ارم بن ثمود بن عابر بن ارم بن سام بن نوح تھا۔ اس کے بعد "جندع بن عمرو" بن ذبیل بن ارم بن سام بن نوح بادشاہ ہوا جس نے اپنی ہلاکت کے وقت تک ۲۹۰ سال حکومت کی۔ اسی جندع نے حضرت صالح علیہ السلام کے حکم سے پہلے حکمران کو ۴۰ سال قبل ہلاک کیا تھا۔ قوم ثمود میں سب سے زیادہ عرصہ اسی جندع نے حکومت کی ویسے قوم ثمود کی حکومت کا مجموعی عرصہ ۳۲۰ سال ہوتا ہے۔

قوم ثمود ہی میں حضرت صالح علیہ السلام نے توحید خداوندی کی تبلیغ کی تھی۔ یہ قوم اونٹوں والی قوم کہلاتی تھی۔ انہی کے ایک سردار نے حضرت صالح علیہ السلام سے کہا تھا کہ اگر وہ سچے نبی ہیں۔ تو اپنے رب سے کہیں کہ سامنے کی چٹان سے ایک اونٹنی پیدا کر دے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے خدا سے دعا کی۔ چٹان کی شکل بالکل ایسی ہو گئی، جیسی کسی حاملہ عورت کی دردِ زِہ

کے وقت ہو جاتی ہے۔ پھر اس سے بحکم خدا ایک اُونٹنی ظاہر ہو گئی۔ اس کے بعد اس اُونٹنی کے لیے چارے اور دانہ پانی کی تلاش ہوئی۔ خدا نے اس کے لیے ایک چشمہ پیدا کر دیا لیکن اس سے کوئی دُوسرا اس کی باری کے دن پانی نہیں لے سکتا تھا۔ قوم ثمود حضرت صالحؑ کے بہت سے معجزات دیکھ چکی تھی۔ لیکن بار بار انہیں معجزات دکھانے پر مجبور کرتی رہتی تھی۔

اس اونٹنی کے واقعہ کے بعد ان میں پانی پر جھگڑا چلا۔ اتفاق سے قوم ثمود میں دو حسین ترین عورتیں تھیں۔ ایک کا نام غنیزہ بنت غنم اور دوسری کا صدوف بنت مجیا تھا۔ ان دونوں پہ دو مرد قدار بن سالف اور مصدع بن مفرج عاشق تھے۔ مفسد عورتوں کی مکاریاں تو مشہور ہی ہیں چنانچہ ان دونوں نے مذکورہ بالا دونوں مردوں سے کہا کہ وہ اُونٹنی کے باری کے دن جب کسی کو چشمے سے پانی لینے کی اجازت نہیں ہے پانی لاکر دکھا دیں اور یہ شرط رکھی کہ اگر وہ اپنے قول کے پکے نکلے تو وہ ان کی زوجیت میں آجائیں گی۔ ان دونوں نے پانی کے حصول کے لیے تلوار اور خنجر استعمال کیے اور اونٹنی کو ذبح کر دیا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے یہ دیکھا تو فرمایا کہ تم پر خدا کا عذاب آنے والا ہے۔ قوم ثمود کے ایک سردار نے پوچھا "عذاب کب آئے گا؟" یہ گویا تمسخر تھا۔ آپ نے فرمایا "جمعرات کو" اس نے کہا "جمعرات تو آج ہے۔" آپ نے فرمایا ہفتہ کے دنوں کا صحیح حساب لگایا جائے تو جمعرات کل ہو گی۔ چنانچہ دوسرے دن ان پر قہر خداوندی نازل ہو گیا۔ حضرت صالح (علیہ السلام) سے عذاب کے بارے میں پوچھنے والا جندع بن عمرو ہی تھا اور وہ بھی جندع ہی تھا جس نے حضرت صالح علیہ السلام سے کہا تھا کہ وہ پہاڑی چٹان سے اُونٹنی پیدا کر کے اپنی نبوت کا ثبوت دیں۔ جب عذاب آیا تو قوم ثمود ہلاک ہو گئی۔ حضرت صالح (علیہ السلام) اپنے کچھ متبعین کے ہمراہ ارض فلسطین کی طرف ہجرت فرما گئے۔

قوم ثمود اور اس پر عذاب الٰہی کے بارے میں مؤرخین کے علاوہ عرب شاعروں نے بہت کچھ کہا ہے۔ انہیں میں حباب بن عمر ہیں جو حضرت صالح پر ایمان لانے کے بعد آپ کے ہمراہ فلسطین چلے گئے تھے۔

ہم اس کتاب میں آگے چل کر اس کا ذکر ان اذکار کے ساتھ کریں گے جب قومیں منتشر ہو کر بابل کی طرف پھیلتی چلی گئیں اور مختلف قبائل میں تقسیم ہو گئیں۔ ان کی نسلیں اور زبانیں بھی بدل گئیں جس کا تفصیلی ذکر ہم نے اپنی پچھلی کتاب اخبار الزمان میں کیا ہے۔

باب (۶)

مکہّ، اس کا احوال اور بناء کعبۃ اللہ

مکےّ میں حضرت اسماعیلؑ اور ان کی والدہ کا مسکن

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسماعیل اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہؓ کو مکےّ میں ٹھہرایا تو دونوں میاں بیوی نے اپنے خالق سے دُعا کی۔ اس واقعے کو اللہ تعالےٰ نے قرآن میں یوں بیان فرمایا ہے کہ "اس نے یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے (اپنے بیٹے کو) ایک بے آب وگیاہ وادی میں ٹھہرایا" جہاں آج کل خانہ کعبہ ہے وہاں اس وقت ایک سُرخ رنگ کا ٹیلہ تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ سے کہا کہ وہ اس ٹیلے کے دامن میں کوئی ایسی جگہ بنالیں جو چھت کا کام دے سکے اور وہ وہاں قیام کرسکیں۔ پھر جیسا کہ حضرت ہاجرہ کی زبانی بیان کیا گیا ہے' وہاں ایک چٹان شق ہوئی اور ماں بیٹے دونوں کے لیے خدا نے اپنی قدرت سے ایک چشمہ (زمزم) پیدا کر دیا۔ بیت اللہ کی بنیاد کو کچھ ہی عرصہ گذرا تھا کہ شحر اور یمن کے علاقوں میں قحط پڑ گیا اور قبائل عمالیق وجرہم جو قوم عاد کے باقی ماندہ لوگوں پر مشتمل تھے ادھر ادھر منتشر ہو گئے۔

عمالیق پہلے خوراک، پانی اور جانوروں کے چارے کے لیے تہامہ کی طرف گئے۔ اس وقت ان کا سرگروہ سمیع الدرع بن ہوبر بن لادی بن قیطور بن کرکر بن جیدان تھا۔ لیکن جب بہ ہزار جدوجہد کہیں پانی اور سبزہ نظر نہ آیا تو بنو کرکر نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ مجبوراً سمیع الدرع بن ہوبر کو بھی رُک جانا پڑا۔ پھر بھی کچھ لوگ پانی کی تلاش میں آگے بڑھے کیونکہ اس وقت تک ان کے پانی کا ذخیرہ بالکل ختم ہوچکا تھا۔ ان لوگوں کو کچھ دُور جا کر ایک پرندہ نظر

آیا جو کبھی زمین پر اُترتا اور پھر اُوپر اُڑ جاتا۔ انہوں نے غور سے دیکھا تو انہیں وہ سُرخ ٹیلہ اور اس کے سامنے وہ سائبان نظر آیا جس کے سلسلے میں حضرت ہاجرہ اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ رہائش پذیر تھیں۔

ان لوگوں نے وہاں پہنچ کر دیکھا کہ قریب کی ایک چٹان سے چشمہ جاری ہے لیکن اس کے چہار جانب پتھر رکھ دیے گئے ہیں تاکہ اس کا پانی چشمے سے باہر نکل کر ادھر اُدھر نہ بہے۔ یہ دیکھ کر وہ لوگ جو قافلے سے آگے بڑھ آئے بہت خوش ہوئے اور انہوں نے سائبان کے سامنے جا کر حضرت ہاجرہ کو سلام کیا اور چشمے سے پانی لینے کی اجازت طلب کی۔ حضرت ہاجرہ نے انہیں پانی لینے کی بخوشی اجازت دے کر پوچھا :"کیا تمہارے ساتھ کچھ اور لوگ بھی ہیں؟ کیا تم تنہا سفر کر رہے ہو یا تمہارے اہل و عیال بھی ساتھ ہیں؟" ان لوگوں نے اپنی کیفیت سُنا کر حضرت ہاجرہ سے اس پہاڑی کے قریب مستقل قیام کی اجازت چاہی تو حضرت ہاجرہ نے انہیں اس کی بھی بخوشی اجازت دے دی۔ اس طرح وہ بے آب و گیاہ وادی آباد ہوئی۔ وہ چشمہ آج تک موجود ہے لیکن اب اس کی شکل ایک کنوئیں جیسی ہے جسے چاہِ زمزم کہتے ہیں اور اس کا سُوتا آج تک خشک نہیں ہوا۔ یہیں حضرت اسماعیل کی اولاد بڑھی جس میں خدا کے آخری پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) پیدا ہوئے اور یہیں سے نُورِ نبوت تمام دُنیا میں پھیلا۔ جن لوگوں کا اوپر ذکر کیا گیا انہوں نے جب حضرت اسماعیل علیہ السلام سے گفتگو کی تھی تو آپ نے اپنے والد بزرگوار حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی زبان کے برعکس ان سے عربی میں گفتگو کی تھی۔

ہم نے اس کتاب کے علاوہ دُوسرے مورخین کی طرح اپنی دوسری کتابوں میں بھی بنو قحطان اور بنو نزار کا ذکر کیا ہے اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ حضرت اسماعیل (علیہ السلام) نے جداء بنت سعد عملاقی سے شادی کی تھی۔

حضرت ابراہیمؑ کی اپنے بیٹے اسماعیلؑ سے ملاقات

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے اسماعیل اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہؓ سے رخصت ہو کر گئے تو عرصہ بعد اپنی پہلی منکوحہ بیوی حضرت سارہؓ سے اجازت لے کر ان دونوں کو دیکھنے دوبارہ مکے آئے تو وہ گھر تو تھا جس میں وہ ان دونوں کو چھوڑ گئے تھے لیکن حضرت ہاجرہؓ وہاں تھیں نہ اسماعیل علیہ السلام۔ وہ دونوں اس وقت شکار اور کچھ کھانے کا کچھ دوسرا سامان تلاش کرنے اس وقت کہیں گئے ہوئے تھے مگر حضرت اسماعیلؑ

کی بیوی جداء بنت سعد عملاقی گھر میں موجود نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے پوچھا:۔ "کیا تمہارے سوا اس گھر میں کوئی نہیں ہے؟"

جداء نے مختصر جواب دیا:۔ "جی نہیں۔"

آپ نے پھر پوچھا:۔ "اس گھر کا مالک کہاں ہے؟"

جداء نے پھر پہلے کی طرح مختصر سا جواب دیا:۔ "وہ بھی یہاں نہیں ہے۔"

یہ سُن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:۔ "میں نے اسماعیل علیہ السلام اور اس کی والدہ سے (رصاف) کہہ دیا تھا کہ اس گھر میں ان کے سوا کوئی اور نہیں رہے گا۔" اتنا کہہ کر آپ شام کی طرف روانہ ہو گئے۔

جب حضرت اسماعیل اور ان کی والدہ گھر لوٹے تو جداء سے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے دریافت کیا:۔ "ہمارے پیچھے یہاں کوئی آیا تو نہیں تھا؟"

جداء نے جواب دیا:۔ "ہاں ایک بوڑھا شخص آیا تھا۔" یہ کہہ کر اس نے وہ گفتگو بھی حضرت اسماعیل کو سُنائی جو اس کے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان ہوئی تھی۔

جداء کی زبان سے یہ واقعہ سُن کر حضرت اسماعیل (علیہ السلام) بولے:۔ "غضب ہو گیا وہ تو میرے محترم والد بزرگوار "خلیل اللہ" تھے۔ ان کی گفتگو کا مطلب یہ ہے کہ میں تمہیں اس گھر سے علیحدہ کر کے تمہارے میکے بھیج دوں۔ یہ تمہارے حق میں اچھا نہیں ہوا۔"

قبیلۂ جرہم کی مکّے میں قیام کی خواہش

جب مکہ آباد ہو رہا تھا تو عمالیق کی طرح بنو جرہم بھی قحط سالی کا شکار تھے۔ اُنہوں نے بنو کرکر کے مکّے میں مستقل قیام کے بارے میں سُنا تو ان سے خواہش ظاہر کی کہ وہ مکّے میں قیام کے خواہش مند ہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہیں سرزمین مکہ کی زرخیزی پانی کی افراط اور سبزے کی کثرت کا علم ہو چکا تھا۔ جب انہیں اجازت مل گئی تو وہ اپنے متعلقین اور حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کے ساتھ مل کر ہنسی خوشی وہاں رہنے لگے۔ جب وہ مکے میں وارد ہوئے تھے تو اس وقت ان کا سرگروہ حارث بن مضاض بن عمرو بن سعد بن رقیب ابن ہینی بن نبت بن جرہم تھا۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ عمالیق بنی کرکر ہی سے تھے لیکن اکثریت اس پر متفق ہے کہ وہ بنی جرہم میں سے تھے یا بنو جرہم خود عمالیق میں سے تھے، حضرت اسماعیل نے دوسری شادی سامہ بنت مہلہل بن سعد بن عوف بن ہینی ابن نبت سے کی تھی۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دوبارہ حضرت اسماعیل سے ملنے کے لیے جانے کی خواہش ظاہر کی تو انہوں نے کہا کہ وہ انہیں اپنے ہمراہ کیوں نہیں لائے تھے یا وہ خود اپنے باپ سے ملنے کیوں نہیں آتے۔ کچھ دوسرے لوگوں نے بھی ازراہ تمسخر کہا کہ بیٹا اپنے باپ سے ملنے براق پر آتا یا آتان پہ یا کسی معمولی جانور پر؟ بہر حال جب حضرت ابراہیم علیہ السلام دوبارہ مکے پہنچے تو انہوں نے حضرت اسماعیل کے گھر پہنچ کر ان کی جرہمی بیوی کو سلام کیا تو اس نے بھی انہیں بڑے ادب سے سلام کیا اور عرض کیا کہ گھر کے اندر تشریف لے آیئے لیکن انہوں نے گھر میں داخل ہونے سے انکار کرتے ہوئے پوچھا کہ اسماعیل اور ان کی والدہ ہاجرہؓ کہاں ہیں؟ اس نے بتایا کہ وہ دونوں کھیت پر گئے ہوئے ہیں۔ آپ نے فرمایا: "میں سمجھا تھا کہ ہاجرہ کا انتقال ہو چکا ہو گا۔ کیونکہ میرے اندازے کے مطابق ان کی عمر اب ۹۰ سال ہو چکی ہے۔ سامہ بنت مہلس نے اپنے خسر حضرت ابراہیمؑ کو بڑے اصرار اور خوشامد کے بعد گھوڑے سے اُتارا اور گھر میں لے جا کر ایک پتھر پر بٹھایا اور قدموں میں ایک یمنی نمدہ بچھایا جو اس وقت گھر میں موجود تھا۔ پھر آپ کے سر میں تیل ڈال کر کنگھی کی اور برابر آپ کی خدمت میں لگی رہی۔ جب آپ نے پتھر سے اُٹھ کر کبھی دائیں جانب سے بائیں جانب اور کبھی بائیں جانب سے دائیں جانب اس کا چکر لگایا تو وہ بھی آپ کے پیچھے پیچھے اسی طرح اس پتھر کا طواف کرتی رہی۔ اس کے بعد جب اس سے دریافت کیا گیا تو اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس عمل کی شہادت دی۔ وہی پتھر اب مقام ابراہیم کہلاتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سامہ سے کہا تھا کہ "جب اسماعیل آ جائیں تو ان سے میرے سلام کے بعد کہنا کہ گھر کی حفاظت کا خیال رکھا کریں، ویسے تم بھی ماشاء اللہ اس گھر کی عمدہ محافظ ہو۔" اتنا کہہ کر آپ گھوڑے پہ سوار ہوئے، سامہ کو دُعائیں دیں اور شام کی طرف روانہ ہو گئے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے نام کی وجہ تسمیہ

کہتے ہیں جب حضرت ہاجرہؓ اپنی مالکہ حضرت سارہ اُم اسحٰق سے رخصت ہوئی تھیں تو اُنہوں نے اللہ تعالےٰ سے اپنے لیے بھی ایک بیٹے کی دُعا کی تھی۔ ان کی یہ دُعا اللہ تعالیٰ نے سُن لی تھی اسی لیے ان کے بیٹے کا نام اسماعیل ہوا۔

وفات کے وقت حضرت اسماعیل کی عمر ۱۳۷ سال تھی۔ آپ کو مسجد حرام میں اس جگہ کے قریب دفن کیا گیا جہاں اب حجر اسود ہے۔

حضرت اسماعیلؑ کی اولاد

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارہ بیٹے ہوئے جن کے نام یہ ہیں:- نابت[1]، قیدار، ادبیل، مبسم، مشمع، دوما، دوام، مسّا، حدّاد، تیما، یطور اور نافش۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں بس یہی بارہ بیٹے ہوئے جو سب کے سب دینِ ابراہیمی یعنی دینِ اسلام پر تھے۔

تعمیر بیت اللہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام مکے میں جب بھی آئے ہوں لیکن جس وقت اللہ تعالیٰ نے انہیں تعمیر بیت اللہ کا حکم دیا تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر اس وقت تیس سال تھی۔ وہ اپنے باپ کے کہنے کے مطابق مختلف پہاڑیوں سے پتھر اُٹھا اُٹھا کر لاتے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں بیت اللہ کی دیواروں میں چہار جانب نصب کرتے جاتے تھے۔ اس طرح لمبائی میں خانہ کعبہ تیس گز چوڑائی میں بائیس گز اور اونچائی میں اس کی چاروں دیواریں سات سات گز ہوئیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کا ایک دروازہ بھی رکھا لیکن اس پر چھت نہیں ڈالی۔ اس کھلی چھت والے ممتاز مقام کی زیارت حاجیوں کے لیے آج بھی متبرک اور ضروری ہے۔ اللہ تعالےٰ نے تعمیر کعبہ کے بارے میں مسلمانوں کو قرآن میں حسب ذیل آیہ کریمہ کے ذریعہ مطلع فرمایا:-

"واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت و اسماعیل۔"

اللہ تعالےٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لوگوں کو حج کے لیے بُلانے کا حکم بھی دیا۔

خانہ کعبہ کی تولیت

اپنی وفات تک حضرت اسماعیلؑ خانہ کعبہ میں مقیم رہے۔ ان کے بعد بیٹے نبت بن اسماعیل نے کچھ عرصہ وہاں قیام کیا۔ پھر قبیلہ [illegible] کے لوگ اولاد اسماعیلؑ پر غلبہ حاصل کر کے وہاں رہنے لگے۔ کعبے کا پہلا متولّی حارث بن مضاض تھا۔ اس کا خاندان اب تک موضع قعیقعان میں مقیم چلا آتا ہے۔ اس کے بعد جرہم [illegible] تہامت کی عرض سے مکے آئے انہوں نے اس کے دسویں حصّے پر قبضہ کرلیا۔ یہ لوگ مکے کے بالائی علاقے میں [illegible]

---

[1] اس نام کے بارے میں کثرت سے اختلافات ہیں۔ کسی مؤرخ نے اسے قید[illegible] بتایا ہے کسی نے ادبل، کسی نے میم، کسی نے مسمع، کسی نے دوما، کسی نے دوام، کسی نے [illegible]ن، کسی نے حداد، کسی نے نیم، کسی نے بطور، کسی نے نابسرا اور اسی وجہ سے "مُرُوجُ الذہب" کے مختلف نسخوں میں یہ مختلف نام پائے جاتے ہیں (مرتّب)

ہیں۔ اس کے بعد بھی لوگ تجارت ہی کی غرض سے آئے اور انہوں نے مکے کے دوسرے دسویں حصے
میں سکونت اختیار کی لیکن یہ لوگ اب تک مکے کے اسی نشیبی علاقے میں مقیم ہیں۔ یہ لوگ عمالیق ہیں۔
ان کا سردار سعیدع بن ہوبر بن اوری بن قیطور بن کرکرین حید تھا۔ یہ لوگ مکے کے متصلات سے اچانک
مکے آ گئے تھے، اس لیے ان میں اور پہلے سے مقیم لوگوں میں لڑائیاں بھی ہوئیں۔ جرہم کے سردار
حارث بن مضاض نے ان بعد میں آنے والوں اور ان کے سرداروں تتقیع اور ماآح و ذرق وغیرہ
کو مکے سے نکال دیا اور اپنی جائے قیام کو جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا قیقعان رکھا مگر سعیدع
نے جو عمالیق کا سردار تھا انہیں وہاں رہنے نہیں دیا اور حیلوں حوالوں سے انہیں وہاں سے نکال
کر اس جگہ کا نام اجیاد رکھ دیا لیکن بنی جرہم ان کے خلاف متحد ہو کر اٹھے اور انہیں وہاں سے
بھگا کر اس جگہ کا نام فاضحا رکھا لیکن اجیاد اور فاضحا نام کے محلے مکہ میں اب تک چلے آتے
ہیں۔ عمالیق نے اپنے حصے میں اصطلاحات مقرر کیں اور بکریوں کو ذبح کرنے اور انہیں پکانے
لگے۔ اس لیے پھر ان کی جائے سکونت کا نام طابخ پڑ گیا۔ جو اب تک چلا آتا ہے۔ خانہ کعبہ
کی تولیت بھی رفتہ رفتہ انہیں کے حصے میں آ گئی۔ پھر وہ قبیلۂ جرہم کی طرف منتقل ہوئی اور تین سو
سال تک انہیں کے پاس رہی۔ ان کا آخری حکمران حارث بن مضاض اصغر بن عمرو بن حارث بن مضاض
اکبر تھا۔ بنی جرہم نے خانہ کعبہ کی تعمیرات میں اضافہ کیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس
کی دیواریں جہاں تک اٹھائی تھیں انہیں بلند بھی کیا۔ آخر کار بنی جرہم میں برائیاں پیدا ہو گئیں۔
حتیٰ کہ ان کے ایک شخص نے ایک عورت کے ساتھ حریم کعبہ میں کار بد کیا تو خدا نے انہیں
سنگسار کر دیا۔ اس مرد کا نام اساف اور عورت کا نائلہ تھا۔ خدا نے انہیں پتھر کی شکل میں
تبدیل کر دیا تھا جو اب بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ بنی جرہم کی برائیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے
انہیں نکسیر اور پھوڑے پھنسیوں جیسی بیماریوں کی آمد و رفت میں مبتلا کر دیا اور ان کی ایک کثیر
تعداد انہیں بیماریوں میں مبتلا رہ کر ہلاک ہو گئی۔ دوسری طرف حضرت اسماعیل علیہ السلام کی
اولاد میں اضافہ ہوتا رہا حتے کہ انھیں اپنے ماموؤں پر غلبہ حاصل ہو گیا تو انہوں نے بنو جرہم
کو مکے سے نکال باہر کیا اور جہینہ میں آباد ہو گئے جہاں رات کے اوقات میں سیلابوں نے
اس بستی کو بار بار اجاڑا۔ اس واقعے کو امیہ بن ابی صلت نے ایک شعر میں بھی بیان کیا ہے۔
اس بچی کھچی آبادی کا نام اِضَم پڑ گیا تھا۔
کچھ عرصہ بعد خانہ کعبہ کی تولیت ایاد بن نزار بن معد کی طرف منتقل ہوئی۔ جس کی وجہ سے مضر

اور ایاد کی اولاد کے درمیان لڑائیاں بھی ہوئیں لیکن آخر کار جب مضر ایاد پر مکمل طور پر غالب آ گئے تو مجزالد مکے سے عراق چلے گئے۔ ہم آگے چل کر مکے کے تفصیلی حالات اور قبائل نزار وخزاعہ کے کوائف بیان کریں گے۔ ویسے یہاں اتنا سمجھ لیا جائے کہ ملوک جرہم کے اوّلین اشخاص مکے میں سو سال تک حکمران رہے۔ ان کا سلسلہ جرہم بن قحطان سے مضاض بن عمر بن سعد بن رقیب بن ہُنَت تک رہا۔ اس کے بعد عمرو بن مضاض کا سلسلہ اگلے سو سال تک رہا۔ اس کے بعد مضاض کے بیٹے عمرو بن مضاض اور اس کی اولاد کا سلسلہ ۱۲۰ سال چلا۔ اس کے بعد حارث بن عمرو کی اولاد دو سو سال تک مکے میں حکمران رہی۔ اس کے بعد مضاض بن عمرو اصغر بن حارث بن عمر بن مضاض بن عمرو بن سعد بن رقیب بن ہبنی بن ہُنَت بن جرہم بن قحطان کا دور دورہ رہا۔ جنہوں نے چالیس سال تک حکومت کی۔ اس کے بعد اصل عربی النسل لوگ عاد وثمود اور عبید وطسم اور جدیس وعمالیق نیز وبار وجرہم رفتہ رفتہ ختم ہوتے چلے گئے اور صحیح النسب عربوں میں صرف قبائل وعدنان وقحطان کے کچھ لوگ باقی رہ گئے تھے جن میں ادھر ادھر کے بدّو شامل ہوتے چلے گئے۔ اس لیے ان کے انساب وآثار کی شناخت مشکل ہو گئی۔

عمالیق نے چونکہ اللہ سے منہ موڑ کر دنیا میں فساد پھیلایا تو اس نے ان پر دنیا کے دوسرے لوگوں کو مسلط کر دیا جیسا کہ ہم رومیوں، ان کے انساب اور عمالیق کے ساتھ جو ان کا نسبی تعلق تھا اس سلسلے میں پہلے بیان کر چکے ہیں مثلاً عیصو بن اسحٰق بن ابراہیم علیہ السلام۔ لیکن علمائے عرب کو اس نسبی تعلق سے اختلاف ہے۔

طسم اور جدیس

جہاں تک قبائل طسم اور جدیس کا تعلق ہے وہ قریباً ستر سال تک مکے میں اقتدار کے خواب دیکھتے رہے لیکن سارے عرصہ میں انہیں محتسب اور ریاست کا اعلیٰ عہدے دار ہونے کے مابین ہی قوت حاصل ہو سکی۔ طلب حکومت کے اس سلسلے میں عربوں نے ان کے متعلق بہت سی کہاوتیں زبان میں داخل کیں اور عرب شاعروں نے بھی ان کے اس جوڑ توڑ کے بارے میں بہت سے دلچسپ اشعار کہے ہیں۔

اصحاب الرّس

قبیلہ رس اور ان کے ساتھیوں کا کسی قدر ذکر ہم اپنی پچھلی کتابوں میں کر چکے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے انھیں مکہ والوں پر حکمران بنایا تھا لیکن انہوں نے اللہ تعالیٰ ہی پر جھوٹی تہمتیں لگانا شروع کر دیں۔ قبیلہ رس قوم حنظلہ بن صفوان عبسی میں سے تھا۔ دوسرے مصنفین نے ان کے بارے میں اس کے علاوہ بھی بہت کچھ لکھا ہے جو

ہم اس سے قبل اپنی دوسری کتابوں میں لکھ چکے یا اس کتاب میں مختصراً لکھا ہے - ان کا ذکر توریت میں بھی آیا ہے - یہ لوگ سام بن نوح کی نسل سے تھے یعنی بنی ارم بن سام کی اولاد میں جو عوص بن ارم کی اولاد تھے اور یہ نسل عابر بن ارم اور اس کے بیٹے ماش بن ارم سے تعلق رکھتی تھی -

نبیط

نبیط کا نسبی سلسلہ یہ ہے :-

عوص کا بیٹا عاد بن عوص، عابر کا بیٹا ثمود بن عابر، پھر ماش بن ارم، پھر نبیط بن ماش - اس طرح نبیط کا نسبی سلسلہ نبیط بن ماش پر ختم ہوتا ہے -

عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح اور اس کا بیٹا احقاف مکے سے حضرموت میں جا بسے اور ثمود بن عابر بن ارم بن سام بن نوح اور اس کے بیٹے اکناف نے حجاز ہی میں رہائش اختیار کی لیکن جدیس بن عابر بلاد جو کی طرف چلا گیا - یہ جگہ یمامہ اور حجاز کے درمیان واقع ہے اور آج تک یعنی ۳۳۲ ہجری تک اسی نام سے مشہور چلی آتی ہے یہ مقام انتظامی طور پر اخیضر علوی کے ہاتھ میں ہے - اخیضر علوی حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہے اور علاقہ بحرین کی حکومت ابھی تک اسی کے قبضے میں ہے -

طسم ابن لود بن سام بن نوح اور اس کا بیٹا بنی جدیس کے ہمراہ مکے سے یمامہ منتقل ہو گئے تھے مگر عملیق بن لود ابن سام بن نوح حجاز ہی میں مقیم رہے - اس سے قبل ہم اپنی پچھلی کتاب میں بیان کر چکے ہیں کہ عیلام کی اولاد اہواز و فارس چلی گئی تھی - یہ عیلام بن سام بن نوح کا ذکر ہے - جو نبیط بن ماش بن ارم بن سام بن نوح جو بابل کی طرف منتقل ہوئے تھے انہوں نے عراق پر تسلط حاصل کر لیا تھا - یہ وہی نبط ہیں جن کا ہم ملوک بابل کے تحت پہلے ذکر کر چکے ہیں یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے درحقیقت دنیا کی ساری زمین آباد کی اور شہر پر شہر بسا کر انہیں رونق بخشی لیکن چونکہ دنیا میں سب سے زیادہ فساد و شر پرور لوگ تھے اس لیے یہ عزت و افتخار ان کے ہاتھ سے نکل گئے اور ان میں سے اس وقت جو باقی ہیں وہ عراق وغیرہ میں ذلت و مسکنت کی زندگی بسر کر رہے ہیں -

قبائلی دعوے

متکلمین کی ایک جماعت نے جن میں ضرار بن عمرو اور ثمامہ ابن اشرس اور عمرو بن بحر جاحظ شامل ہیں یہ کہا ہے کہ عربوں میں سب سے بہتر قبیلہ، قبیلۂ نبط ہے - اس کی وجہ یہ ہے کہ اس قبیلے میں اللہ تعالیٰ نے رسول عربی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا اور بحیثیت نبی مبعوث کیا - دنیاوی شرف یقیناً اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کچھ

لوگوں نے اس کے خلاف آواز بھی اُٹھائی اور تردید شعوب پر کمر بستہ ہوئے لیکن پھر جب اعمال صالح پر نظر ڈالی تو انہیں کو اس میں بھی بہتر پایا۔ اللہ تعالےٰ نے اس قبیلے کو جو شرف بخشا وہ بھی اسی وجہ سے ہے، خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "ان اللہ اصطفیٰ آدم و نوحاً و آل ابراھیم و آل عمران علی العالمین، ذریۃ بعضھا من بعض، و اللہ سمیع علیمٌ۔

بہرحال اس بحث کو اعمال صالح پر انجام پذیر سمجھنا چاہیے کہ خود اللہ جل شانہ' کا ارشاد بھی یہی ہے۔

پرستش اصنام کی ابتدا

جب عمرو بن عامر مارب سے نکلے تو انھیں پہلے بنو ربیعہ سے واسطہ پڑا پھر وہ تہامہ چلے گئے۔ بنو ربیعہ اسی واسطے یا مزاحمت کی بنا پر "خزاعہ" کہلائے۔

جب نزار کے بیٹوں ایاد اور مضر میں باہمی نزاع کے بعد جنگ تک نوبت پہنچی تو اسی زمانے میں ایاد کو حجرِ اسود مل گیا اور اس نے اسے حریم کعبہ ہی میں کسی جگہ دفن کر دیا لیکن بنو خزاعہ کی ایک عورت کو اس کا پتہ چل گیا اور اس نے اپنے قبیلے کو اس کی نشاندہی کر دی۔ اس پر دونوں قبیلوں میں جھگڑا ہوا۔ وجہ مخاصمت یہ تھی کہ اول الذکر نے حجرِ اسود کو پوشیدہ کیوں رکھا۔ پھر اس فعل کو معاف کر دیا گیا اور خزاعہ ہی کو خانہ کعبہ کی تولیت سونپ دی گئی۔ اور عمرو بن لحی اس قبیلے میں بیت اللہ کا پہلا متولی قرار پایا۔ لحی کا اصلی نام حارثہ بن عامر تھا۔ وہ دینِ ابراہیمی کے برعکس عمل پیرا ہوا اور اسے بدل کر اسی نے خانہ کعبہ میں اصنام پرستی کی بنیاد رکھی جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور زیر نظر کتاب میں آگے چل کر تفصیل سے اس کا ذکر کریں گے۔ ہوا یہ کہ حارثہ بن عامر جب شام کی طرف گیا تو اس نے وہاں لوگوں کو اصنام پرستی کرتے دیکھا۔ ان لوگوں نے اسے ایک بُت بھی دیا جسے اس نے وہاں سے لاکر خانہ کعبہ میں نصب کر دیا اور اس طرح مکے میں بُت پرستی کی ابتدا ہوئی۔ اس خصوصیت کی وجہ سے بنو خزاعہ کو کچھ قوت بھی حاصل ہوئی لیکن پھر بھی عامۃ الناس اس فعل کی وجہ سے اسے بُرا سمجھتے رہے حالانکہ اس نے انہیں ظلم و تشدد سے دبانے کی کوشش بھی کی۔ اس سلسلے میں بنو جرہم کے ایک شاعر نے جو دینِ براہیمی پر ایمان رکھتا تھا بنو خزاعہ کی ہجو بھی کی۔

"اے عمرو اہل مکہ پر ظلم مت کر کہ خانہ کعبہ جائے امن ہے اور یہاں کسی پر تشدد کرنا حرام قرار دیا گیا ہے۔" الخ

ہر حال عمرو بن لحی نے کعبے کے گرد و پیش بہت سے بُت نصب کر دیے اور اسی نے اہل عرب پر غلبہ حاصل کر کے انہیں اصنام پرستی پر مجبور کر دیا۔ پھر بھی کچھ لوگ دین ابراہیمی پر چلتے رہے شحنہ[1] بن خلف نے اس سلسلے میں کچھ اشعار بھی کہے ہیں۔

عمرو بن لحی کی عمر تین سو پینتالیس سال ہوئی۔

خزاعہ اور مضر میں تولیت کعبہ کا اختتام

خزاعہ اور مضر کی تین نسلوں تک کعبے کی تولیت انہیں میں رہی۔

انہوں نے بُت پرستوں میں اضافہ کیا۔ تاہم منیٰ میں قربانی کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس کے بعد ابی سیارہ چالیس سال تک منیٰ سے مزدلفہ تک کے علاقے پر قابض رہے اس کے بعد ظہور اسلام اور غلبۂ دین حق کے بعد خانہ کعبہ کو ان بُت پرستوں کی تولیت و نگرانی سے چھٹکارا ملا۔

جن لوگوں نے بیت اللہ کی اوّلین عظمت و حرمت ایک عرصے تک لوگوں کے دل سے بھلائے رکھی وہ بنی مالک بن کنانہ تھے۔ ان کا پہلا شخص ابو القلمس حُذیفہ بن عبد تھا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ابو ثمامہ بیت اللہ کا متولی ہوا اور ظہور اسلام تک یہ عزت اسی کو حاصل رہی۔ بنو کنانہ ہی لوگوں کو حج بیت اللہ کی طرف راغب کرتے تھے حالانکہ وہاں سینکڑوں بتوں کی پوجا ہوتی تھی۔ خانہ کعبہ کی تولیت کی وجہ سے بنو کنانہ لوگوں میں بہت مقبول تھے۔ لوگ اِدھر اُدھر سے بیت اللہ کی زیارت اور حج کے لیے آتے تو ان کے ٹھہرنے وغیرہ کا انتظام یہی لوگ کرتے تھے۔ جب اسلام پھیلا تو خانہ کعبہ کی عزت و حرمت بھی لوٹ آئی۔ اسی کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ زمانہ ایک حال پر نہیں رہتا وہ کبھی کبھی اسی اصلیت پر چلا جاتا ہے۔ جب خدا نے زمین و آسمان کو پیدا کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی نساۃ کو کفر میں حد سے زیادہ فرمایا ہے:۔ انما النسی زیادۃ فی الکفر (آئیہ کریمہ)

قصی بن کلاب نے جس عورت سے شادی کی تھی وہ خلیل کی بیٹی تھی۔ خلیل ہی بنو خزاعہ میں خانہ کعبہ کا آخری متولی تھا۔ عمرو بن لحی کی عمر جیسا کہ ہم سطور بالا میں بیان کر چکے ہیں بہت طویل ہوئی۔ اس کی نسل میں کم و بیش ہزار آدمی ہوئے۔ عمرو نے خانہ کعبہ کی تولیت اپنی بیٹی قصی بن کلاب کے سپرد کر دی تھی۔ وہی اس کا دروازہ کھولتی اور بند کرتی تھی۔ وہ بنی خزاعہ کے

---

[1] بعض نسخوں میں سحنہ بن خلف درج ہے (مرتب)

ایک شخص ابی غبشان خزاعی سے مانوس تھی اس لیے اس نے بیت اللہ کی تولیت ایک اونٹ اور کچھ شراب لے کر اسے فروخت کر دی تھی جو اس وقت تک قصی بن کلاب کے پاس تھی۔ اس واقعہ کے بارے میں ایک عرب شاعر کا شعر بھی بہت مشہور ہے۔

خزاعہ میں بیت اللہ کی تولیت تین سو سال تک رہی۔ اس دور میں قصی کو استقلال حاصل رہا۔ لیکن اس کے بعد یہ عزت قریش کے حصے میں آئی جو اس سے قبل جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا۔ مکہ کے دسویں حصے پر قابض تھے۔ انہوں نے واقعی بیت اللہ کی توسیع اور اس کے مطابق تعمیرات میں قابل قدر اضافہ کیا۔ یہ اور بات ہے کہ وہ بھی بت پرستی کی روایت پر ظہور اسلام اور دین حق کے غلبے تک مصر رہے۔ کچھ غیر قریش نے بھی اس میں حصہ لیا۔ ویسے انساب مکہ میں قریش ابطحی کا غلبہ رہا۔ انھیں کو اباطح کہا جاتا ہے۔

قریش اباطح یہ قبائل عبد مناف، اولاد عبد الدار، اولاد عبد العزیٰ بن قصی، زہرہ، مخزوم، تیم بن مرہ، جمح، سہم اور عدی پر مشتمل تھے جو مجموعی طور پر لعقتہ الدم اور بنو عتیک بن عامر بن لوئی ہی میں شمار ہوتے ہیں۔

قریش الظواہر قریش اباطح کے مقابل قریش الظواہر آتے ہیں جو یہ ہیں:۔ بنو محارب و الحارث بن فہر، بنو ادرم بن غالب بن فہر، بنو معیص[1] بن عامر بن لوئی۔

قریش کے حلیف جو لوگ قریش کے حلیف تھے وہ یہ ہیں:۔ بنو عبد الدار بن قصی، سہم، جمح، عدی اور مخزوم

پسندیدہ معاونین قریش معاونین قریش یہ ہیں:۔ بنو عبد مناف، بنو اسد بن عبد العزیٰ، زہرہ، تیم اور بنو حارث بن لوئی۔

ان کے علاوہ قریش نے اطراف کے ملوک کی طرف بھی امن و صلح کا ہاتھ بڑھایا تھا جن میں شام، حبشہ، یمن اور عراق کے حکمران شامل تھے۔

---

[1] بعض نسخوں میں بنو عمیص لکھا ہے (مرتب)

قریش کے بارے میں تواریخ میں کثرت سے معلومات پائی جاتی ہیں جنہیں ہم اپنی پچھلی کتابوں میں تفصیل سے بیان کر چکے ہیں اور کسی قدر کتاب زیر نظر میں بھی بیان کریں گے جو مکے کے حالات عبدالمطلب کا حال، حبشہ کے احوال کے ساتھ اس وقت سے مربوط ہیں جب اہل بابل ادھر ادھر منتشر ہوئے۔

باب (۷)

اخبارِ عالم، خِطّہ ہائے ارضی کے خصوصی اوصاف اور نوعِ انسانی کا میلانِ توطن

حضرت عمرؓ بن خطابؓ کا خِطّہ ہائے ارضی کے بارے میں استفسار

ذودالدرایہ[1] نے بیان کیا ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے کے ایک دانشور سے مختلف خطہ ہائے ارضی کے بارے میں استفسار کیا اور اسے لکھا کہ "خدا کے فضل سے مسلمانوں نے عراق، شام اور مصر وغیرہ فتح کر لیے ہیں لہٰذا ہم عربی باشندے فطری طور پر اطراف و اکنافِ عالم میں جائیں گے لہٰذا تم ہمیں دنیا کے مختلف حصّوں کی آب و ہوا اور وہاں کے کوائف نیز وہاں کے باشندوں کے سیرت و کردار کے بارے جو کچھ تمہیں معلوم ہو اس کی ہمیں اطلاع دو کیونکہ ہم مسلمان جہاں جہاں جائیں گے وہاں تازہ بستیاں آباد کر کے یقیناً وہاں سکونت بھی اختیار کریں گے۔"

اس دانشور (حکیم) نے آپ کو دُنیا کے مختلف حصّوں کے بارے میں جو اطلاعات فراہم کیں وہ حسبِ ذیل ہیں:۔

اکنافِ عالم کے فِطری خواص

اللہ تعالیٰ نے دُنیا کو فطری طور پر مشرق و مغرب اور شمال و جنوب میں تقسیم کیا ہے۔ اس لیے ان تمام حصّوں کی آب و ہوا بھی مختلف ہے اور اسی کا اثر وہاں کے مختلف باشندوں کے اطوار و عادات پر بھی مرتّب ہوا ہے۔ جہاں تک مجھے علم ہے ان چاروں خطّوں کی آب و ہوا وغیرہ اور وہاں کے

---

[1] بعض نسخوں میں "ذوالروایہ" لکھا ہے (مرتب)

مختلف شہروں کی تفصیلات یہ ہیں"،۔

مشرق میں طلوعِ آفتاب کے اوقات اور دن رات کی ساعتیں مغرب سے مختلف ہیں۔ مشرق میں گرمی زیادہ پڑتی ہے۔ لیکن وہاں کے باشندے اس کے عادی ہیں۔ اسی طرح مغرب میں برودت زیادہ ہے لیکن وہاں کے باشندے بھی اس کے عادی ہیں۔ یہی حال شمال و جنوب کا ہے۔ جہاں تک اپنے مفتوحہ شہروں میں عربوں کے سکونت اختیار کرنے کا تعلق ہے تو ان شہروں کے بارے میں میری معلومات کی حد تک تفصیلات حسب ذیل ہیں"،۔

شام شام میں پہاڑیاں ہیں، ٹیلے ہیں، عمدہ ہوائیں ہیں، گھٹائیں ہیں، بارشیں ہیں، بجلیوں کی چمک ہے، بادلوں کی گرج ہے، لوگ جسمانی طور پر تر و تازہ ہیں، حلیم و بردبار ہیں۔ ان کے رنگ صاف ہیں، شام میں سرزمین حمص کا تو کہنا ہی کیا ہے۔ وہاں کے باشندوں کے جسم خوب صورت، رنگ سفید ہیں۔ وہ لوگ سریع الفہم اور غور و خوض کے سلسلے میں مکمل ہیں اور ساتھ ہی ساتھ خوش طبع بھی ہیں۔ وہاں کا پانی صاف شفاف ہے۔ یا امیر المومنین! شام کے بارے میں میں نے ہر بات دُرست اور صحیح لکھی ہے۔ مجموعی طور پہ شام میں بارشیں کثرت سے ہوتی ہیں، اس لیے وہاں سرسبزی و شادابی بہت ہے۔ درختوں کی کثرت ہے، نہریں بہتی ہیں، زمین بڑی زرخیز ہے۔ یہ انبیاء کے ٹھہرنے کی جگہ کہلاتی ہے یہاں اب بھی شرفاء بستے ہیں اور مخلوق خدا صالحین اور عبادت گزاروں پہ مشتمل ہے۔ وہ لوگ اس سلسلے میں کامل کہلانے کے مستحق ہیں۔ ان کے کچھ لوگ جو اجتہاد وغیرہ میں منفرد کہلانے کے مستحق ہیں پہاڑوں پر سکونت رکھتے ہیں۔"

مصر جہاں تک مصر کا تعلق ہے وہ سرسبزی و شادابی کے ساتھ ساتھ فراعنہ کا مرکز رہنے کی وجہ سے اب تک فتنہ و فساد کی سرزمین ہے۔ یہی کبھی ظالم و جابر لوگوں کی سرزمین رہی ہے۔ ان کا انحصار دریائے نیل پر ہے جس کا انہیں شکر گزار ہونا چاہیے۔ ویسے یہاں کی ہوا تیز و تند اور یہاں کا موسم سخت گرم، اس لیے لوگوں کے رنگ اکثر سیاہی مائل ہیں۔ ویسے لوگ ذہانت و فطانت کے لحاظ سے قابلِ تعریف ہیں۔ یہاں زر و مال اور جواہرات کی کثرت ہے۔ اسی طرح غلّے وغیرہ کے ڈھیر ہیں مگر جیسا کہ میں نے عرض کیا، لوگ شرّی و فسادی ہیں"۔

یمن "یمن کے لوگ جسمانی طور پر کمزور ہیں، اسی لیے ان میں تحمل کی کمی ہے۔ مزاج بلغمی

ہے جس کی وجہ وہاں کی ہوا میں رطوبت ہے۔ تاہم وہاں اہل ہمم کی کمی نہیں۔ شادابی اور سرسبزی بھی خاطر خواہ ہے وہاں کے موسم مختلف ہیں لہٰذا باشندوں میں بھی اختلافی کیفیت پائی جاتی ہے۔ ویسے وہاں کے بعض حصے بہت خوبصورت ہیں۔ کچھ شعبوں میں ترقی کے رجحانات پائے ہیں۔ وہاں کی زبان بھی فصیح ہے۔"

حجاز حجاز چونکہ شام و یمن اور تہامہ کے درمیان واقع ہے، اسی لیے وہاں گرمی کی شدت ہے یہاں کی ہوائیں بھی گرم ہیں، اہل حجاز نحیف الجثہ ہیں لیکن دماغی لحاظ سے بڑے قوی اور شجاعت میں بے نظیر ہیں لوگ اہل ہمت ہیں البتہ سرسبزی و شادابی کی کمی کی وجہ سے لوگ اکثر قحط کا شکار ہو جاتے ہیں۔

مغرب "مغرب اور اس کے لوگ شقی القلب، طبیعت کے لحاظ سے متوحش، محرور المزاج مٹھاس کے شوقین، رحم و کرم سے دور، اکتساب شجاعت پر مائل، زرعی معاملات میں مساعی مگر وہاں کی اکثریت غدار، خبث و مکر میں طاق، ان کے ممالک مختلف ہیں۔ ان کی مہمات بھی تغیر و تبدل کا شکار ہوتی رہتی ہیں۔ آج کل ان کے کم و بیش ہر ملک میں ترقی کی کوشش جاری ہے جو ان کے احوال و آثار سے ظاہر ہے۔"

عراق "عراق کو سرزمینِ مشرق کا مینار کہہ سکتے ہیں۔ وہ اس سرزمین کا نچوڑ اور اس کا قلب ہے وہاں دریا ہیں۔ اس لیے ان کے قرب و جوار سرسبز و شاداب ہیں۔ وہاں سے سمندر نزدیک ہے۔ آب و ہوا معتدل ہے۔ لوگوں کے مزاج بھی کم و بیش معتدل ہیں، ان کے اذہان بھی لطیف ہیں۔ ان کے دلوں اور خیالوں میں سرگرمی ہے، ان کی خوشیاں بھی ترقی پذیر ہیں۔ ان کی عقل و بصیرت قوی ہے۔ زمانۂ قدیم سے عراق سطح ارضی کا قلب کہلاتا چلا آرہا ہے۔ وہ دراصل مشرق کی کنجی ہے، مسلک نور ہے، آنکھوں کے لیے ٹھنڈک ہے۔ اس کے شہر آباد ہیں جہاں پانی بکثرت ہے۔ آب و ہوا اچھی ہے۔ لوگوں کے رنگ معتدل و متوسط درجے کے ہیں۔ ان کی ارواح مصفا ہیں۔ ان کے فضائل مجموعی طور پر بے شمار ہیں۔ مٹی اچھی ہے جسے پانی نے اور فرحت بخش بنا دیا ہے۔"

جبال "جغرافیائی لحاظ سے دنیا کے مختلف پہاڑی علاقوں میں بھی اختلاف ہے۔ ویسے وہاں کے لوگ جسمانی لحاظ سے توانا اور کرخت چہروں والے ہوتے ہیں۔ البتہ ہوتے ہیں باہمت، یہ شاید ان علاقوں کی مٹی کے خواص کا اثر ہے۔ ان میں عقل و فہم میدانی

علاقوں کے باشندوں سے نسبتاً کم ہوتی ہے۔ آب و ہوا بھی معتدل نہیں ہوتی۔ موسم اکثر و بیشتر خراب رہتے ہیں۔"

دنیا کے لوگوں کے اخلاق اور ان کی شکلیں، یا امیر المومنین! مختلف ممالک کی آب و ہوا پر منحصر ہیں۔ ویسے مغرب کے اکثر ممالک میں توازن و اعتدال کے لحاظ سے زوال کے اثرات کا تناسب زیادہ پایا جاتا ہے۔ اسی لیے رفتہ رفتہ وہاں زبوں حالی بڑھتی جا رہی ہے۔"

خراسان خراسان، اہل ہمت کا ملک ہے، وہاں کے لوگ جسمانی لحاظ سے قوی، حلم و بردباری میں لطیف الطبع، عقل و بصیرت اور غور و فکر میں ممتاز اور ان کی اکثریت اہل الرائے ہے۔"

فارس فارس کی فضا صاف، زمین سرسبز و شاداب، اشجار بار ثمر، پانی صاف و شفاف، آب و ہوا لطیف ہے، البتہ اہل فارس کے اجسام میں معلوم ہوتا ہے، چربی بہت ہے، اس لیے وہ زود فہم نہیں ہیں۔ ان میں کھلّم کھلّا بات کرنے کی کمی ہے۔ ان کے اعمال و افعال بھی کچھ اچھے نہیں۔ ان کی مہمات میں بھی دنایت پائی جاتی ہے۔ مجموعی طور پر اہل فارس مکر و فریب کے عادی ہیں۔

خوزستان خوزستان کی آب و ہوا مکدر ہے، اس لیے وہاں کے باشندے بھی مکدر طبع کے شکار ہیں۔ بردباری جیسے جانتے ہی نہیں، ہمت میں بھی پستی پائی جاتی ہے خود ان میں رحم و کرم کی کمی ہے لیکن دوسروں سے اس کے متوقع رہتے ہیں۔"

جزیرہ "جزیرے کی آب و ہوا خشکی یعنی بری علاقوں کی نسبت سے اچھی ہے۔ وہاں سرسبزی اور شادابی ہے، سکون ہے، اہل جزیرہ باہمت لوگ ہیں لیکن عموماً سکون پسند ہیں۔"

برّی علاقے "یا امیر المومنین! برّی علاقوں میں اشرف ترین اور سب سے اعلیٰ و ارفع علاقہ نجد و تہامہ کے اطراف کا ہے۔ وہاں ہر چیز معتدل و متوازن ہے، اس لیے وہاں کے باشندوں کی طبیعتیں اور مزاج بھی معتدل و متوازن ہیں۔ وہاں کی آب و ہوا کو مہذب کہہ سکتے ہیں۔ شر اور فساد نام کی کوئی چیز چونکہ وہاں نہیں ہے اس لیے خطرات اور نقصانات کا اندیشہ بھی کم سے کم ہے۔"

"ویسے یا امیر المومنین! یہ سمجھ لیجیے کہ اللہ تعالےٰ نے دنیا کے مختلف حصّے بنائے ہیں

یا انھیں مختلف حِصّوں میں تقسیم کیا ہے۔ وہاں کے خصوصی حالات کے لحاظ سے ان حصّوں کو بھی ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہے۔ ان میں اس لحاظ سے امتیازی کیفیت بالکل فطری ہے، جیسے آپ عراق کو اشرف البلاد کہہ سکتے ہیں اور اہل عراق کو صاحبانِ کمال کہا جا سکتا ہے اور وہ اس کے مستحق بھی ہیں۔"

ہند اور چین

"یا امیر المومنین! ہند اور چین کی بابت مجھے آپ سے کچھ زیادہ عرض کرنے کی ضرورت نہیں ہے وہاں کی منازل میں چمک دمک، شہروں میں رونق، زرومال کی افراط، نظامِ حکومت میں استقلال و استحکام البتہ کفر و طغیان حد سے زیادہ۔"

اہل سیر و اخبارِ عالم کے سلسلے میں علم رکھنے والوں نے بیان کیا ہے کہ جب اہل عجم عراق میں جمع ہونے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کعب احبار سے عراق کی خصوصیات کے بارے میں سوال کیا۔ اس نے آپ کو جو جواب دیا وہ مختصراً درج ذیل کیا جاتا ہے۔

"کعب احبار نے حضرت عمرؓ سے عرض کیا: "یا امیر المومنین! جب اللہ تعالیٰ نے تخلیق عالم کے بعد مختلف مواضع ارضی کے بارے میں مختلف قوائے عالم سے سوال کیا تو عقل بولی: "میرا تعلق عراق سے ہے" علم نے کہا: "میں بھی تیرے ساتھ ہوں۔" مال و دولت نے کہا: "میرا تعلق شام سے ہے۔" فتنے نے کہا: "میں بھی تیرے ساتھ ہوں۔" سرسبزی و شادابی بولی "میرا تعلق مصر سے ہے۔" ذلت بولی: "میں بھی تیرے ساتھ ہوں۔" فقر نے کہا: "میرا تعلق حجاز سے ہے۔" قناعت بولی: "میں بھی تیرے ساتھ ہوں۔" محنت و شفقت بولی "میرا تعلق صحرا سے ہے" تو صحت بولی "میں بھی تیرے ساتھ ہوں۔"

اقلیم بابل

اقلیم بابل کو "اوسط العالم" کہا جا سکتا ہے۔ ہماری یعنی انسانی برادری کی زیادہ عمر اسی خطہ ارضی میں گزری ہے اس لیے ہمارے قلوب عموماً اس کی طرف زیادہ مائل ہوتے ہیں۔ اہل فارس نے ارضِ بابل کو عظیم بتایا ہے اور اس کی قدر و منزلت بھی بہت کی ہے اور اس پر عنایات کی بارش بھی کی ہے۔ وہ خصوصاً عراق کی طرف زیادہ مائل رہے ہیں۔ اس طرح ظہور اسلام کے بعد بھی ابی دُلف قاسم بن عیسیٰ عجلی حرّور[1] کی طرف مائل رہے ہیں جو عراق میں ہے۔ اسی طرح ابی دلف نے اپنی نسبت "حرود" سے ظاہر کی ہے۔ وہ

---

[1] بعض نسخوں میں حرور کی جگہ جبردم لکھا ہے، وہ بھی عراق ہی میں ہے (مرتب)

بھی عراق یا بابل ہی کا علاقہ ہے۔ ابودلف نے اپنے اشعار میں بھی "حرود" کی مدح کی ہے۔

اس خطۂ ارضی میں لطافت، موافقت اور اس کی مٹی میں اعتدال کی کیفیت پائی جاتی تھی اس لیے لوگ جوق در جوق جا کر وہاں آباد ہو گئے تھے۔ اس خطۂ ارضی کی ایک خصوصیت دجلہ و فرات کے دریا ہیں۔ وہاں کسی زمانے میں مکمل امن و امان تھا۔ خوف و ہراس کا دور دور پتہ نہ تھا اسی لیے ارض بابل کو دنیا کی ہفت اقلیم کا دل کہا جاتا تھا۔ یہ سرزمین اقالیم عالم میں واقعی ایسی ہی تھی جیسے جسم انسانی میں دل ہوتا ہے۔ اسی لیے شعرائے روم اور صقالیہ نیز سواد حبشہ و بربر کے لوگوں نے اوّل اوّل اسی خطۂ ارضی کو سکونت کے لیے ترجیح دی تھی۔ یہاں کے لوگ جسمانی لحاظ سے وجیہ و شکیل تھے۔ وہ علم و حکمت میں ہر خطۂ ارضی پر فوقیت رکھتے تھے کیونکہ قریب قریب ساری دنیا کے باکمال لوگ وہاں جمع ہو گئے تھے۔ ان کی فطرت و جبلت میں اعتدال تھا اور فطانت میں بلندی تھی۔ ان کے جملہ امور میں خوبی پائی جاتی تھی۔ پھر جب وہاں کے لوگ منتشر ہو کر دنیا کے مختلف حصوں میں پھیلے تو انھوں نے فطری طور پر وہیں کی خصوصیات اپنا لیں۔

جذبات وطنیت

وطنیت کا جذبہ انسان میں فطری ہے۔ وہ جہاں جا کر آباد ہوتا ہے رفتہ رفتہ اس جگہ سے اسے قلبی لگاؤ پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر وہ اس جگہ کے فروغ کی کوشش کرتا ہے۔ جن شہروں میں آپ تعمیرات کی کثرت، چمن آرائی، بازاروں کی رونق دیکھتے ہیں یہ سب ضروریات زندگی کے علاوہ جذبات وطنیت سے زیادہ مناسبت رکھتے ہیں۔ ہر انسان کو اپنے مولد و مسکن سے فطری طور پر جو لگاؤ ہوتا ہے وہ کسی دوسری چیز سے نہیں ہوتا۔

ابن زبیر کہتے ہیں کہ انسان اپنے وطن سے زیادہ کسی دوسری چیز پر قناعت نہیں کر سکتا۔ بعض حکمائے عرب نے کہا ہے کہ دنیا کی آبادی میں اللہ تعالےٰ نے جذبات وطنیت کا سب سے زیادہ دخل رکھا ہے۔ حکمائے ہند کا قول ہے کہ وطن کی عزت و حرمت اور اس کی عظمت انسان کے لیے والدین کی عزت و حرمت اور عظمت کا درجہ رکھتی ہے۔ والدین اپنی اولاد کی پرورش کرتے ہیں اس کی غذا کا انتظام کرتے ہیں لیکن والدین کی پرورش اور ان کی غذا کا انحصار تو اس زمین پر ہوتا ہے جہاں سے وہ غذا حاصل کرتے ہیں اور یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہتا ہے۔ دوسرے اہل علم لوگوں نے بھی وطن سے محبت اور لگاؤ کے بارے میں اسی قبیل کی باتیں کہی ہیں۔ بقراط کا قول ہے کہ ہر مریض اپنے مرض کے علاج کے لیے زیادہ تر اپنی زمین کی جڑی بوٹیوں پر انحصار کرتا ہے کیونکہ انسانی طبائع اپنے مولد و مسکن کے مطابق ہوتی ہیں اور انسان کو وہیں کی آب و ہوا اور غذا زیادہ موافق آتی ہے

جس طرح مختلف نباتات کو خاص خاص زیتون کی مٹی موافق آتی ہے۔

علم الاخبار کی فضیلت اہل علم نے جملہ علوم کا مخرج و منبع علم الاخبار کو بتایا ہے۔ ان کے بقول حکمت کا انحصار علم الاخبار پر ہے، فقہی علوم کا مخرج بھی علم الاخبار ہے اور وہ اسی کے ذریعے پھیلے ہیں۔ فصاحت نے بھی اس سے استفادہ کیا ہے قیاس کی بنیاد بھی علم الاخبار پر قائم ہے، مقالات نویس علم النفس کے بارے میں جو دلائل پیش کرتے ہیں وہ بھی علم الاخبار کے مرہونِ منت ہیں۔ امثال حکماء بھی اسی میں پائی جاتی ہیں۔ مکارم اخلاق اور اس کی بلندی کے بارے میں جو کہا جاتا ہے وہ بھی علم الاخبار سے ماخوذ ہے۔ سیاست بھی علم الاجتہاد سے استفادہ کرتی ہے، انسانی زندگی میں جو حزم واحتیاط کی عظمت ہے اس کا سلسلہ بھی علم الاخبار سے ملتا ہے۔ دنیا کے عجائب وغرائب کا پتہ بھی علم الاخبار سے چلتا ہے جو عالم وجاہل دونوں کے لیے یکساں ہے، احمق ہوں یا عاقل دونوں اخبار عالم سے نتائج اخذ کرتے ہیں اور عوام ہوں یا خواص عربی ہوں یا عجمی سب کو ہر معاملے میں علم الاخبار کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔

فضائل کتاب جملہ کلام ہوں یا زینت مقامات ان سب کا سلسلہ کتاب سے قائم ہے کسی معاملے میں شہادت حاصل کرنا ہو تو کتاب ہی کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، جملہ محافل کی زیب وزینت اور رونق کا منبع بھی کتاب ہی ہے۔ علم الاخبار کی بنیاد بھی کتاب ہی ہے، تمام فہم وفراست کا انحصار بھی عموماً کتاب ہی پر ہوتا ہے کیونکہ کوئی انسان صرف اپنی فہم وفراست پر انحصار نہیں کر سکتا۔ چنانچہ اسے کتاب ہی سے رجوع کرنا پڑتا ہے۔ انسانی تجربات سے جو استفادہ کیا جاتا ہے اس کا ذریعہ بھی اکثر کتاب ہی ہوتی ہے۔ انسانی برادری اور قوموں کے عروج وزوال کا حال بھی ہم کتاب ہی میں پڑھتے ہیں، اسی لیے حکماء نے کہا ہے کہ کتاب انسان کی بہترین جلیس اور مشیر ہے۔ دنیا کے عجائب وغرائب اور ان کے متعلق معلومات بھی کتاب ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ حاضر وغائب اور ماضی وحال کے بارے میں معلومات کا ذریعہ بھی کتاب ہی ہے۔ انسان کی موت وحیات کے بارے میں علمی مباحث بھی کتابوں ہی میں ملتے ہیں، غرض صبح ہو یا شام، دن ہو یا رات، سفر ہو یا حضر ان کی معلومات کا ذخیرہ کتاب ہی میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جو ارشاد فرمایا :۔

اقراء باسم ربک الذی خلق، خلق الانسان من علق۔ اقرأ وربک الاکرم الذی علم بالقلم، علم الانسان مالم یعلم، تو اس سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ

انسان کا ذریعہ علم قلم ہے جس کا انحصار کرم خداوندی پر ہے۔اہل عرب نے اس کی تفسیر نظم و نثر دونوں میں بالتفصیل کی ہے۔

عبداللہ بن عبدالعزیز بن عبداللہ بن عمر بن خطاب لوگوں کی مجالس میں شریک نہیں ہوتے تھے وہ جب قبرستان میں جاتے تھے تو لوگوں نے ہمیشہ ان کے ہاتھ میں ہمیشہ کوئی نہ کوئی کتاب دیکھی۔ کسی نے ان سے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے جواب دیا:۔

"مقابر سے زیادہ کوئی دوسرا واعظ دنیا میں نہیں پایا جاتا اور فضائے عالم میں کتاب سے زیادہ کوئی دوسری چیز مفید نہیں ہے۔ یہ دونوں اس سلسلے میں متحد ہیں۔" پوچھا گیا کہ مقابر کا کتاب سے کیا تعلق ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ "یہ دونوں صاحبان علم و احساس کے لیے افادیت میں برابر ہیں، جاہل کو مقابر کی زیارت سے مآلِ حیات کا علم نہیں ہوتا ہے کیونکہ اس کا قلب احساس سے خالی ہوتا ہے نہ وہ کتاب پڑھ سکتا ہے جس سے وہ اس کے بارے میں کچھ سمجھ سکے۔"

کتاب کی افادیت پر بعض شعرائے عرب نے بھی اب تک اکثر و بیشتر طبع آزمائی کی ہے جس کا لب لباب وہی ہے جو سطور بالا میں بیان کیا گیا۔

باب (۸)

لوگوں کا یمن، عراق، شام اور حجاز کی وجہ تسمیہ میں اختلاف

یمن کی وجہ تسمیہ کے بارے میں لوگوں میں اختلاف رائے ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ چونکہ یہ ملک خانہ کعبہ کے دائیں جانب (یمین میں) واقع ہے اس لیے تیمنًا و تبرکًا اس کا یہ نام رکھا گیا ہے۔ شام کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ چونکہ وہ خانہ کعبہ کے شمال میں واقع ہے اس لیے اس کا نام شام رکھا گیا۔ حجاز کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ چونکہ یمن اور شام کے درمیان واقع ہے۔ اس لیے اس کا نام حجاز رکھا گیا یعنی یہ سرزمین حاجز یمن شام ہے جس طرح بحر روم اور بحر قلزم کا درمیانی علاقہ اللہ جل شانہ، کے ارشاد کے مطابق برزخ کہلایا (وجعل بین البحرین حاجزا۔ آیت) عراق کا نام عراق کہتے ہیں کہ اس لیے رکھا گیا کہ اس کی طرف دجلہ و فرات اور دوسرے دریاؤں کے پانی بہہ آتے ہیں یعنی عراق "عراقی الدلو اور عراقی القربہ" سے ماخوذ ہے۔

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یمن کا نام اس ملک کی یمن و برکت کی وجہ سے یمن رکھا گیا ہے اور شام کا نام اس کے شوم ہونے کی وجہ سے رکھا گیا ہے۔ یہ اقوال بعد کے لوگوں کے ہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ جب انسانی برادری بابل سے اِدھر اُدھر منتشر ہوئی تو جو لوگ زمین کی نسبت سے نظام شمسی کے داہنی جانب جہاں آکر آباد ہوئے انہوں نے اپنی لغت کے مطابق اس کا نام یمن رکھ دیا۔

شام کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کے مختلف مقامات (شامات) کی مٹی کہیں سفید اور کہیں سیاہ ہے اس لیے ان شامات کی نسبت سے اسے شام کہا گیا۔ یہ کلبی کا قول ہے۔

شرقی بن قطامی کے مطابق شام کا نام سام بن نوح کے نام کی مناسبت سے رکھا گیا ہے

سام سے شام کہلانے کی وجہ یہ ہے کہ جب عرب یہاں آئے تو انہوں نے اپنی لغت کے مطابق سام کو بدل کر شام کر دیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ سارا نے شام کا نام سام کی اضافت لگا کر رکھا ہے۔ لغت کا فرق ہم پہلے بتا چکے ہیں۔ بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ بنی عباس نے اپنی حکومت کے زمانے میں اپنی دارلے میں بطور اظہار مسرت شام کا نام شام (جائے سرور) رکھا ہے۔

ان ممالک اور مقامات کی وجوہ تسمیہ کے بارے میں ہم اپنی پچھلی کتابوں میں مفصل گفتگو کر چکے ہیں۔

باب (۹)

اہلِ یمن کے انساب اور اس بارے میں مختلف اقوال

انساب قحطان میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے۔ ہشام بن کلبی نے اپنے باپ اور شرقی بن قطامی کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ ان دونوں کی رائے میں قحطان بن ہمیسع بنت کا بیٹا تھا اور بنت اسماعیل بن ابراہیم خلیل اللہ (علیہ السلام) کا فرزند تھا۔ ان کے دلائل ان روایات پر مبنی ہیں جو ان تک پہنچی ہیں۔ ان میں سے ایک وہ روایت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ آپ نے اسے ہشام کے حوالے سے روایت فرمایا ہے اور ہشام نے اسے اپنے باپ اور ابن عباس کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ ابن عباس سے قبل اس روایت کا سلسلہ یوں ہے کہ ہیثم نے کلبی اور کلبی نے ابی صالح کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصار کے ایک میدان کے قریب سے گزرے جو تیراندازی میں مقابلہ کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: "اے بنی اسماعیل تیر چلاؤ! تمہارے آبا (بہت عمدہ) تیرانداز تھے، میں ابن ادرع کے ساتھ ہوں جو بنی خزاعہ سے ہے۔" وہاں جمع لوگوں نے دریافت کیا: "یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اور کس کے ساتھ ہیں۔ آپ جس کے ساتھ ہوں گے وہی سب سے افضل ہوگا۔" آپ نے فرمایا: "تیراندازی کی مشق جاری رکھو، میں تم سب کے ساتھ ہوں۔"

اب چاہے قحطان اور حمیر و کہلان کی ساری اولاد اس قول کی منکر ہو لیکن اس سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ قحطان ہی دراصل یقطن تھا جسے معرّب کر کے قحطان کر لیا گیا ہے۔

ابن کلبی بیان کرتا ہے کہ یقطن کا نام توریت میں جبار بن عامر بن شالخ بن ارفخشذ بن سام

بن نوح لکھا ہے جس سے انساب اہل یمن کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ اور اب قحطان کے بیٹے کہلان و حمیر یا ان کی اولاد اور سب چھوٹے بڑے جنہیں تاریخ قدیم سے تھوڑی بہت واقفیت ہے اور جو ان دنوں یمن کے علاوہ تہائم، انجاد، حضرموت، مشحر، احقاف اور بلاد عمان تک ہر طرف آباد ہیں اس سے انکار نہیں کر سکتے بلکہ اس کے بجائے اس پر یقین رکھتے ہیں کہ قحطان ہی عابر ابن شالخ (بن سالم[1]) ہے جو درحقیقت تینان بن ارفخشد بن سام بن نوح تھا۔ تاریخ قدیم سے یہ بات بھی پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ عابر کے تین بیٹے تھے "فالغ، قحطان اور ملکان" اور اکثر لوگوں کے مطابق حضرت خضر علیہ السلام ملکان کی اولاد میں سے تھے۔ قحطان کے ۳۱ بیٹے ہوئے۔ ان کی ماں حیی[2] بنت رذق بن فزارہ بن منقذ[3] بن سوید بن عوص بن ارم بن سام بن نوح تھی۔ قحطان کا ایک بیٹا یعرب بن قحطان تھا اور یعرب کا بیٹا یشجب تھا۔ یشجب کے دو بیٹے تھے ان میں سے ایک عبد شمس تھا جو تاریخ میں سبا کے نام سے مشہور چلا آتا ہے۔ سبا کے دو بیٹے حمیر و کہلان کہلاتے ہیں۔

اہل یمن کے اس سلسلۂ نسب پر جملہ اہل تواریخ اور ثقہ ترین سیرت نگاروں کا اتفاق ہے۔

ہیثم بن عدی طائی بھی ان لوگوں میں سے ہے جو اس کی تردید کرتے ہیں کہ قحطان حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے تھا۔ وہ اس کی یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ حضرت اسماعیل تو بنی جرہم کی زبان بولتے تھے جو ان کے والد بزرگوار حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی تھی یعنی سریانی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے نامور فرزند حضرت اسماعیلؑ مع اپنی والدہ حضرت ہاجرہ کے اس وقت جب حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں مکہ کی بے آب و گیاہ سرزمین پر لائے تھے سریانی زبان ہی میں گفتگو کر رہے تھے بلکہ حضرت ہاجرہ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وہاں سے رخصت ہو جانے کے بعد بھی اسی زبان یعنی سریانی میں گفتگو کرتی تھیں لیکن بنو نزار اس سے انکار کرتے ہیں کہ حضرت اسماعیل سریانی بولتے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ کو اس وادی بے آب و گیاہ میں چھوڑا تو اس وقت حضرت اسماعیل کی عمر سترہ سال تھی جسے بعض لوگ چودہ سال بتاتے ہیں۔ بہرحال اس وقت ان کے

---

[1] یہ نام بعض نسخوں سے نکال دیا گیا ہے (مرتب)

[2] بعض نسخوں میں حنی لکھا ہے (مرتب)

[3] بعض نسخوں میں فزارہ بن سعد لکھا ہے (مرتب)

سا تھ ان کا کوئی ساتھی یا ہمدرد تو تھا نہیں جس سے وہ سریانی یعنی بنو جرہم کی زبان میں گفتگو کرتے دوسروں سے اس شدت تشنگی میں وہ اس کا اظہار کس طرح کرتے کیونکہ وہاں سے گزرنے والے قافلے تک سب عربی زبان بولتے تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ان کے لیے وہاں زمزم کا چشمہ پیدا کر دیا بلکہ اپنی قدرت سے حضرت اسماعیل کو عربی زبان بھی سکھا دی جس میں وہ اس کے بعد بڑی روانی سے گفتگو کرنے لگے۔

یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ بنو جرہم کی زبان سریانی زبان سے الگ تھی نیز یہ قحطان کی اولاد کی زبان نزار بن معد کی زبان کے برعکس پائی گئی ہے۔ اس لیے ان لوگوں کا قول جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت اسماعیل عربی نہیں بول سکتے تھے غلط ثابت ہو جاتا ہے اور یہ بھی کہ ان کی زبان بنو جرہم کی زبان تھی۔ غرض یہ کہ وہ تمام اقوال جو حضرت اسماعیل کو سُریانی زبان بولنے والا اور عربی سے نابلد ہونے کے ثبوت میں پیش کیے جاتے ہیں باطل قرار پاتے ہیں۔ ویسے بھی یعرب کی منزلت خدا کے نزدیک حضرت اسماعیل سے زیادہ نہیں ہو سکتی کہ یعرب بن قحطان صرف یہ بنائے فضیلت زبان حضرت اسماعیلؑ سے رتبے میں زیادہ سمجھا جائے اور حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کا درجہ عربی سے ناواقفیت کی بنیاد پر اس سے کمتر سمجھا جائے۔

اولاد نزار اور اولاد قحطان کے بارے میں اور بہت سے طویل مباحث بھی تواریخ میں پائے جاتے ہیں۔ ان کے اسلاف و اخلاف پر بھی مختلف بیانات ملتے ہیں۔ اس طرح سفید و سیاہ رنگوں اور عربیت و عجمیت پر بھی بہت کثرت سے اقوال پائے جاتے ہیں۔ ہم نے ان سب پر اپنی کتاب اخبار الزماں میں مفصل گفتگو کر کے تحقیقی نتائج پیش کیے ہیں۔

ہثیم کے خیال میں جرہم بن عامر بن سبا بن یقطن قحطان ہے۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی کہ آپ نے انصار کو تیر اندازی کی مشق کرتے دیکھ کر ان کی حوصلہ افزائی کے لیے مزید تیر اندازی پر مائل کر کے فرمایا تھا کہ "اے بنی اسماعیل اور تیر چلاؤ۔" یہ تاویل پیش کی ہے کہ آپ نے انہیں بنی اسماعیل اُن کی ماؤں کی مناسبت سے فرمایا تھا نہ کہ باپوں کی نسبت سے کیونکہ آپ انہیں باپوں کی نسبت سے بنی اسماعیل نہیں فرما سکتے تھے اور اس سلسلہ میں بعض دُوسروں نے آپ کے دُوسرے اقوال و اعمال پیش کیے ہیں اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آپؐ سے جب ایک دفعہ دریافت کیا گیا کہ "سبا" کے بارے میں حضورؐ کا کیا خیال ہے؟ آیا اسے مردوں میں شمار کیا جائے یا عورتوں میں؟ تو آپؐ نے فرمایا تھا کہ "سبا" مرد تھا۔ اس کے دس لڑکے

تھے جن میں سے چار شام میں آباد ہوئے اور چھ یمن میں۔ جو شام میں آباد ہوئے وہ لخم، جذام، عاملہ اور غسان تھے اور جو یمن میں آباد ہوئے وہ حمیر، آزد، مذحج اور کندہ تھے ان چار کے علاوہ جو دو اشعری اور انماری کہلاتے ہیں، ان کے نام بجیلہ اور خثعم تھے۔"

آپؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ "ابوالمنذر درحقیقت انمار بن اراش بن عمرو بن غوث بن نبت بن مالک بن زید بن کہلان بن سبا تھا۔"

بہرحال ہماری تحقیق کے نتائج یہ ہیں کہ انمار کے نسب میں لوگوں کے درمیان اختلافات بے معنی ہیں کیونکہ اکثر مورخین نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ کچھ انماری اور ایاد و ربیعہ و مضر بن نزار بن معد بن عدنان میں سے تھے تو یمن پہنچنے کے بعد ان کی نسل بڑھتی چلی گئی۔ اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول پر جو سطور بالا میں پیش کیا گیا کسی دوسرے قول سے زد نہیں پڑتی نہ کوئی تضاد کی صورت پیدا ہوتی ہے۔

اس سلسلے میں بھی لوگوں نے بہت کچھ کہا ہے کہ سبا کی تمام اولاد کو سبئیون کیوں کہا جاتا ہے۔ اس پر ہشام نے اپنے باپ کے حوالے سے تفصیلی گفتگو کی ہے اور بتایا ہے کہ یمن میں اولاد سبا کے علاوہ بھی دوسرے قبائل آباد ہوئے تھے اور وہ بھی سبئیون میں شامل سمجھے جاتے ہیں۔

ہم زیر نظر کتاب میں آگے چل کر عمرو بن عامر مزیقیا، طریفہ کاہنہ، عمران کاہن کے حوالے سے جو عمرو بن عامر کا بھائی تھا۔ عرم وسیل، امرسد وغیرہ پر گفتگو کریں گے اور بتائیں گے کہ مذکورہ بالا افراد کی کہانت کی رو سے امرسد وسیل عرم کیا معنی رکھتے ہیں اور یہ بھی عرض کریں گے کہ بابل سے منتشر ہو کر مارب کے قبائل عمان، شنوءہ، سراۃ[1] شام کے علاوہ روئے زمین پر اور کہاں کہاں جا کر آباد ہوئے۔

---

[1] بعض نسخوں میں شراۃ لکھا ہے (مرتب)

باب (۱۰)

ملوکِ یمن اور ان کی مُدّت حکومت

سبا ملوک یمن میں سب سے پہلے سبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان کا نام آتا ہے جس کا اصلی نام عبد شمس تھا۔ اس کے نام سبا کی شہرت کے اسباب پر ہم پہلے روشنی ڈال چکے ہیں، واللہ اعلم۔ اس کی مدت حکومت ۴۸۴ بیان کی گئی ہے۔

حمیر سبا کے بعد اس کا بیٹا حمیر بن سبا بن یشجب بن یعرب حکمران ہوا جو اپنے زمانے کا شجاع ترین شخص سمجھا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ شہسواری اور حسن وجمال کے لحاظ سے بھی اپنے ہم عصروں میں ممتاز ترین تھا۔ اس نے پچاس سال حکومت کی جسے بعض لوگوں نے کم و بیش بھی لکھا ہے۔ اس کے نام کے ساتھ "متوج" بھی لگایا جاتا تھا اور وہ اسی نام سے شہرت بھی رکھتا تھا کیونکہ یمن میں بحیثیت حکمران وہ پہلا شخص تھا جس نے اپنے سر پر سونے کے تاج پہنا۔

کہلان حمیر کے بعد اس کا بھائی کہلان بن سبا یمن کا بادشاہ ہوا۔ اس نے بہت طویل عمر پائی اور کبر سنی تک اس کی حکومت کو استقلال واستحکام حاصل رہا۔ اس نے ۳۰۰ سال حکومت کی۔ کچھ مورخین نے اس مدت کو کم و بیش بھی لکھا ہے۔

کہلان کے بعد اقتدار حکومت حمیر کے بیٹے کے پاس آیا جس کے بارے میں بڑی طول طویل اطلاعات ملتی ہیں اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حکومت کے لیے حمیر و کہلان کے بیٹوں میں جنگ ہوئی۔

عمرو بن سبا آخر کار ابو مالک عمرو بن سبا کی حکومت آئی۔ اس کے دور حکومت میں لوگوں کو امن وسکون نصیب ہوا۔ اس کی عدل پروری کی وجہ سے لوگ اس کی

بڑی تعریف کرتے اور اس کا احسان مانتے تھے۔ اس نے ۳۰۰ سال حکومت کی۔ کہا جاتا ہے کہ کہلان کے بعد رائش نے حکومت کی جس کا اصلی نام حارث بن شداد[1] تھا۔ اس کے بعد جبّار بن غالب (بن زید بن کہلان) حکمران ہوا اور اس نے ۱۲۰ سال حکومت کی۔ اس کے بعد حارث بن مالک بن افریقس بن صیفی بن یشجب ابن سبا حکمران ہوا۔ اور اس نے ۱۴۰ سال کے قریب حکومت کی۔

کہتے ہیں ابو ابرہہ بن رائش جسے ذی منار بھی کہا جاتا ہے یمن کا ہی بادشاہ تھا۔

حارث بن مالک کے بعد یمن میں جن بادشاہوں نے یمن میں یکے بعد دیگرے حکومت کی ان کے نام اور مدتِ حکومت درج ذیل ہے:۔

(۱) رائش بن شداد بن ملطاط (مدتِ حکومت ۱۲۵ سال)

(۲) ابرہہ بن رائش ذوالمنار (" " ۱۸۰ سال)

(۳) افریقس بن ابرہہ (" " ۱۶۴ سال)

(۴) العبد بن ابرہہ ذوالاذعار (" " ۲۵ سال)

(۵) الہدہاد بن شرحبیل بن عمرو بن رائش۔

اس کی مدت حکومت کے بارے میں مختلف بیانات ملتے ہیں۔ کسی نے اس کی مدت حکومت دس سال بتائی ہے، کسی نے سات سال اور کسی نے صرف چھ سال لکھی ہے۔

(۶) تبع اوّل (مدتِ حکومت چار سال)

اکثر لوگوں کے مطابق اسے بلقیس نے قتل کر دیا تھا۔ اگرچہ بعض مورخین نے اس سے اختلاف بھی کیا ہے لیکن اوّل الذکر بیان ہی زیادہ مشہور ہے۔

(۷) بلقیس بنت الہدہاد۔ اس کے مولد کے بارے میں بڑی دلچسپ کہانیاں مشہور ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ اس نے ایک روز تصور میں اپنے باپ کو دیکھا جس کا آدھا چہرہ سیاہ اور آدھا سفید تھا۔ اس کے بعد اس کے سامنے ایک سیاہ چہرہ آیا پھر سفید۔ اس نے اسی حالت تصور میں سیاہ چہرے والے شخص کے قتل کا حکم دیا۔ اس کے بعد اس کے سامنے ایک ایسا شخص آیا جسے بوڑھا اور جوان دونوں کہہ سکتے ہیں وہ کوئی جن تھا۔ اس نے اس کی شادی اپنی بیٹی سے کر دی۔ لیکن

---

[1] بعض نسخوں میں "حارث بن ذی سدد" بھی لکھا ہے (مرتب)

شرائط کچھ ایسی سخت رکھیں جنہیں وہ پورا نہ کر سکا اور ایک روز اچانک غائب ہو گیا۔ یہ عجیب و غریب کہانی کتاب "اخبار التبابعہ" میں موجود ہے۔

ہم نے زیر نظر کتاب میں محیر العقول حکایات کہیں کہیں درج کی ہیں وہ یا تو اہل سیر کی کتابوں سے ماخوذ ہیں یا قصص القرآن میں بیان ہوئی ہیں اور ان کی تصدیق بانی شریعت اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کی ہے۔ اس لیے ان سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ہم نے ان کے سلسلے میں صرف قدیم قصہ گویوں کی باتوں پر اعتماد کیا ہے۔

ملکہ بلقیس نے یمن میں ۱۲۰ سال حکومت کی۔ اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ اسے وہ واقعہ پیش آیا جس کا ذکر قرآن شریف میں ہُدہُد کے ذکر کے ساتھ آیا ہے۔ اس واقعے کے بعد حضرت سلیمانؑ کی یمن پر ۲۳ سال حکومت رہی۔

یمن کے باقی حکمران

حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد یمن کی حکومت پھر حمیر کی اولاد میں منتقل ہو گئی اور ان میں مندرجہ ذیل بادشاہ ہوئے۔

(۱) ناشر النعم ابن عمرو بن یعفر[۱] (مدت حکومت ۳۵ سال)

(۲) کلیکرب بن تبع (مدت حکومت ۱۲۰ سال)

اس بادشاہ کی قوم کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ وہ مشرق کی طرف بڑھ کر خراسان، تبت، چین اور سجستان میں جا بسی تھی۔

(۳) حسان بن تبع۔ اس کی حکومت کو کچھ عرصہ استحکام حاصل رہا لیکن اس کے بعد باہمی تنازعات پیدا ہوئے اور اسے قتل کر دیا گیا۔ قتل کے وقت اس کا دورِ حکومت ۲۵ سال ہو چکا تھا۔

(۴) عمرو بن تبع۔ اس نے اپنے بھائی حسان بن تبع کو قتل کر کے حکومت حاصل کی تھی۔ اس نے اگرچہ ۶۴ سال حکومت کی لیکن اپنے بھائی کے قتل کے بعد اسے زندگی بھر چین سے نیند نہیں آئی اور وہ "مرض بے خوابی" میں مبتلا رہا۔

(۵) تبع بن حسان بن کلیکرب۔ اس نے یمن سے حجاز تک پورے علاقے پر حکومت کی۔ قبائل اوس و خزرج کے ساتھ اس کی لڑائیاں بھی ہوئیں۔ اس نے خانہ کعبہ کے انہدام کا ارادہ کیا تھا لیکن اسے یہودی احبار نے اس سے روکا تھا اور قصب الیمانی نے اسے سمجھایا تھا۔ بعد

---

[۱] ایک نسخے میں یاسر بن عبد بن یعفر "بھی لکھا ہے (مرتب)

یں وہ خود بھی یہودی ہوگیا تھا - اس وقت سے یمن پہ یہودیوں کا غلبہ ہوگیا تھا - تبع بن حسان بن کلیکرب قریبًا سو سال تک یمن کا حکمران رہا -

(۶) عمرو بن تبع - اس کے حکمران ہوتے ہی یمن میں پھر تنازعات شروع ہو گئے جس کی وجہ سے اسے حکومت چھوڑنا پڑی -

(۷) مرثد بن عبد کلال - عمرو بن تبع کے بعد مرثد بن عبد کلال نے حکومت سنبھالی لیکن تنازعات جاری رہے تاہم اس کا دورِ حکومت چالیس سال جاری رہا -

(۸) ولیعہ بن مرثد (مدت حکومت ۳۹ سال)

(۹) ابرہہ بن صباح بن ولیعہ بن مرثد - اسے شیبۃ الحمد کہا جاتا ہے - وہ بڑا زبردست عالم گزرا ہے - اس کی سوانح حیات بھی مرتب و مدون ہوئی تھی - اس نے قریبًا ۷۳ سال حکومت کی -

(۱۰) عمرو بن ذی قیفان (مدت حکومت ۱۷ سال)

(۱۱) ذوشناتر[1] - یہ شخص شاہی خاندان سے نہیں تھا - بس یونہی لوگوں کے جھانسے میں آکر خصوصًا عورتوں کی حمایت سے بادشاہ بن بیٹھا تھا - اس نے یمن میں حد سے زیادہ فسق و فجور پھیلایا ، وہ لواطت کا بھی عادی تھا - اس کے باوجود رعایا سے اچھی طرح پیش آتا اور ان سے اچھا سلوک کرتا تھا - اسے ملوک یمن کی اولادیں سے ایک شخص یوسف ذونواس نے قتل کر دیا تھا کیونکہ اسے خوف تھا کہ وہ کہیں اسے بھی اپنے ساتھ اپنی بُری عادات میں مبتلا نہ کرے - ذوشناتر نے ۱۹ سال حکومت کی -

(۱۲) ذوشناتر کے بعد یوسف ذونواس بن زرعہ بن تبع اصغر بن حسان بن کلیکرب یمن کا حکمران ہوا - ہم نے اس کا ذکر زیرِ نظر کتاب کے علاوہ اپنی پچھلی کتابوں میں بھی کیا ہے اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ اس نے اصحاب اخدود کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا اور انہیں کس طرح آگ میں جلایا تھا - اس واقعے کو اللہ تعالےٰ نے قرآن شریف میں بیان فرمایا ہے "قتل اصحاب الاخدود النار ذات الوقود " اس واقعے کے بعد حبشی ناصح اور زبلع کی طرف سے اس پہ ٹوٹ پڑے - یہ مقامات جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں ساحل حبشہ پہ ارض یمن سے ساحل زبید کی

---

[1] ایک نسخے میں اس کا نام لخنیہ ذوشناتر لکھا ہے (مرتب)

طرف واقع ہیں۔ یوسف جان توڑ کر لڑا لیکن جب شکست ہونے لگی تو شرم کی وجہ سے سمندر میں کود کر ہلاک ہوگیا۔ حبشہ کے حکمران نجاشی نے ذونواس کی حرکات سے واقف ہوکر حبشیوں کی فوج یمن بھیجی تھی جس کا سردار ارباط بن اصحمہ تھا۔ ذونواس کے بعد اسی نے یمن پر بیس سال تک حکومت کی جس کے بعد ابرہہ اشرم ابویکسوم نے کسی طرح اس پر قابو پاکر اسے قتل کر دیا اور خود حکومت سنبھال لی۔ اس کی اطلاع جب نجاشی حاکم حبشہ کو ہوئی تو اس نے جناب مسیح علیہ السلام کی قسم کھائی کہ جب تک ابرہہ کا خون بہا کر اس کی مٹی یعنی اس کے ملک یمن کی مٹی اپنے قدموں تلے نہ روندے گا چین سے نہ بیٹھے گا۔ نجاشی کی اس قسم کی اطلاع کسی نہ کسی طرح ابرہہ کو بھی مل گئی۔ اس نے اپنا تھوڑا سا خون نکال کر اسے قارورے میں ملایا اور ایک شیشے میں بھر دیا۔ پھر یمن کی مٹی لے کر ایک موزے میں بھری اور یہ دونوں چیزیں ایک قاصد کے ذریعہ نجاشی کی خدمت میں بھیجیں اور اسے لکھا کہ وہ شیشے کا خون زمین پر بہا دے اور موزے میں بھری ہوئی مٹی اپنے قدموں تلے روند ڈالے۔ ان دونوں باتوں سے اس کی قسم پوری ہو جائے گی۔ اس کے علاوہ اس نے نجاشی سے معافی مانگی اور قسم کھا کر لکھا کہ وہ دین مسیحی کے زیر سایہ آگیا ہے اور اپنے پچھلے جملہ گناہوں سے تائب ہو چکا ہے۔ نجاشی اس کی اس عقل مندی پر حیرانی کے ساتھ خوش بھی ہوا اور اسے معاف کر دیا۔ یہ واقعہ قباذ شاہ فارس کے زمانے میں گزرا۔

۱۳۔ ابرہہ ابویکسوم[۱]

یہ وہی یمنی بادشاہ ہے جو اصحاب فیل کو لے کر کعبہ ڈھانے چلا تھا۔ یہ واقعہ اس زمانے میں گزرا جب فارس کے بادشاہ کسریٰ نوشیرواں عادل کو وفات پائے چالیس سال گزر چکے تھے۔ ابرہہ نے مکّے کے لیے طائف کا راستہ اختیار کیا تاکہ وہاں آسانی سے پہنچ سکے۔ طائف میں بنو ثقیف اس کے معاون ہو گئے اور اسی قبیلے کے ایک شخص ابی رغال نے طائف سے مکّے کا آسان ترین راستہ بتانے کے لیے اس کے ساتھ سازش کی لیکن رغال راستے ہی میں ہلاک ہوگیا۔ جہاں وہ ہلاک ہوا اس جگہ کا نام مُغمّس ہے جو طائف اور مکّے کے درمیان واقع ہے۔ اس کی قبر پر بعد میں لوگوں نے پتھر مارنے شروع کیے۔ اس واقعہ کا ذکر شاعر فرزدق کے سلسلے میں مشہور عربی شاعر جریر بن عطفی نے یوں کیا ہے:۔

"جب فرزدق کا انتقال ہوا لوگوں نے اس کی قبر کو اس طرح سنگسار کیا

---

[۱] ایک نسخے میں ابرہہ الاشرم بن یکسوم لکھا ہے (مرتب)

جیسے انہوں نے ربی رغال کی قبر کو اس کی ہلاکت کے بعد کیا تھا"

کہتے ہیں کہ جب خدا کے نبی حضرت صالح علیہ السلام نے لوگوں کو صدقات اموال کی ترغیب دی تھی تو اس وقت جس شخص نے لوگوں کو ان کے ارشاد پر عمل کرنے سے روکا تھا وہ ابی رغال کے آباء میں سے ثقیف نام کا ہی شخص تھا، اسی نے وہاں انبیاء کے احکام کی خلاف ورزی کی بنیاد ڈالی اور لوگوں کے کردار کو بدی کی طرف مائل کیا تھا۔ اس کا اصلی نام مسّی بن منبعہ تھا۔ لوگوں نے اسے اس کی عادات شنیعہ کی بناء پر قتل کر دیا تھا۔ اس قبیلے کی بدعنوانیوں اور کردار کی خرابی کا بہت سے عرب شاعروں نے اپنی منظومات میں ذکر کیا ہے۔

حبشہ والوں کے حرم میں داخلے کی کوشش کی تفصیلات ہم زیر نظر کتاب میں آگے چل کر بیان کریں گے۔

قبر عبادی

یمن سے مکّے کے راستے کا ذکر آیا ہے اور "قبر رغال" کا تذکرہ کیا گیا ہے تو یہ بھی واضح کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ عراق سے مکّے کے راستے میں بھی ایک موضع کا نام "قبر عبادی" ہے۔ اس کا ذکر المادہ نے "قبر رغال" کے ضمن میں کیا ہے یہ جگہ لقان کی طرف ثعلبیہ اور جبیر کے درمیان واقع ہے اور اس کے متعلق بہت سی دلچسپ باتیں بیان کی جاتی ہیں جنہیں ہم نے تفصیلاً اپنی پچھلی دو کتابوں "اخبار الزماں" اور "حدائق الاذہان" نیز ایک تیسری کتاب "اخبار اہلبیت" رضی اللہ عنہم میں بیان کیا ہے۔

مکّے میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے ابابیلوں کے ذریعے جب اس کا لشکر ہاتھیوں سمیت تباہ ہوگیا اور ابرہہ کسی طرح جان بچا کر یمن پہنچا تو اس کی مجموعی حکومت از اوّل تا آخر ۴۳ سال ہوئی۔

اس سلسلے میں ہم تاریخ عالم "تاریخ الانبیاء والملوک" کے تحت آگے چل کر مزید روشنی ڈالیں گے۔

۱۴۔ اشرم بن یکسومؒ یا یکسوم بن ابرہہ

ابرہہ کے بعد اس کا بیٹا جیسا کہ مؤرخین نے بالاتفاق لکھا ہے یکسوم یمن کا حکمران ہوا اور اس کی حکومت کم و بیش جملہ یمن پر تھی (مدت حکومت بیس سال)

۱۵۔ مسروق بن ابرہہ

یکسوم کے بعد مسروق بن ابرہہ حکمران ہوا۔ وہ اپنے اسلاف سے بھی زیادہ تشدد پسند تھا۔ اس کے ہاتھوں اس کی

تمام یمنی رعایا کو سخت تکلیف و اذیت پہنچی - اس کی ماں آل ذی یزن میں سے تھی - سیف بن ذی یزن باہمت شخص تھا - اس نے روم اور ایران تک سارے سمندر کشتیوں کے ذریعہ عبور کر لیے تھے - پہلے اس نے قیصر روم سے حبشہ کے خلاف مدد مانگی تھی اور اس اُمید میں سات سال تک روم کے دروازے پر پڑا رہا تھا - لیکن قیصر روم نے بار بار اسے یہی جواب دیا کہ حبشہ عیسائی ہے - جب کہ تم یہودی ہو ہم اس کے خلاف تمہیں کس طرح مدد دے سکتے ہیں - اس کے علاوہ حبشہ سے ہمارے باہمی صلح کے معاہدات بھی ہیں - اس طرف سے مایوس ہو کر اس نے شاہ فارس سے حبشہ کے خلاف مدد مانگی اور روم کی نسبت فارس سے اپنی قربت کا حوالہ بھی دیا - شاہ فارس نے اس کے دلائل طلب کیے تو اُس نے جواب میں لکھ بھیجا کہ حبشہ کی نسبت فارس سے یمن کا فاصلہ کم ہے دُوسرے فارس اور یمن دونوں کے باشندوں کے رنگ ملتے جُلتے ہیں جب کہ حبشی سیاہ فام ہیں -
سیف بن ذی یزان کے دلائل (کسریٰ) شاہ ایران کو پسند آئے اور اس نے حبشہ کے خلاف یمن کی امداد کا نہ صرف وعدہ کیا بلکہ سوڈان کی فتح میں اسے مدد بھی دی - اس کے بعد وہ اہل مکہ کی طرف متوجہ ہوا اور ان سے مصالحانہ گفتگو پر آمادگی ظاہر کی - اس سے قبل جب وہ عراق کی طرف بڑھا تھا اور وہاں فوج کشی کی تھی تو شاہ فارس اس میں مانع ہوا تھا لیکن اس نے یہ دلیل پیش کی کہ ایران نے حبشہ کے خلاف ہماری امداد کی تھی اس لیے ہم حلیف ٹھہرتے ہیں - تاہم فارس کے ساتھ اس کی بڑی معرکہ آرائی ہوئی - اس نے لڑائی میں ہزاروں ہاتھی جھونک دیے تھے مگر عین لڑائی کے وقت وہ نہ جانے کیوں پہلے ہاتھی سے اُتر کر اُونٹ پر سوار ہوا، اس کے بعد گھوڑے پر اور پھر گدھے پر سوار ہوا اور خدا جانے قدرت کو کیا منظور تھا کہ اسی نسبت سے اس کی حکومت یمن میں زوال پذیر ہوتی چلی گئی -

یکسوم نے شاہ فارس کو ازدواجی رشتوں کے لیے بھی لکھا تھا لیکن اسے یہ جواب دیا گیا تھا کہ فارس یمن میں رشتہ لینے کے لیے تو تیار ہے لیکن کسی یمنی کو فارس کی کوئی لڑکی بیوی کے طور پر نہیں دے گا - اس معاملے پر عربی شاعروں نے بہت کچھ اظہار خیال کیا ہے اور فارس کو اس کی خود غرضی کے طعنے دیے ہیں -

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یکسوم یمن میں نام کا حکمران تھا، مُلک پر ہر گونہ تسلط سیف بن ذی یزان کا تھا اور وہی آخر تک یمن کے سیاہ و سفید کا مالک رہا - اس لیے اس کے اور یکسوم کے بعد یمن کی حکومت سیف بن ذی یزان کے بیٹے کے ہاتھ آئی -

معدیکرب بن سیف بن ذی یزان

عرب کے وفود تو یمن میں سیف بن یزان کی حکومت کے زمانے ہی میں آنے شروع ہو گئے۔ لیکن معدیکرب کے زمانے میں ان میں خصوصی اضافہ ہوا اور خاص طور پر حجاز کی طرف سے اسے وارث حکومت ہونے پر مبارک بادبھی پیش کی گئی۔ جن کی طرف سے اسے مبارک باد پیش کی گئی ان اشراف عرب میں عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف، اُمیہ بن عبدشمس بن عبدمناف، خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی اور ابوزمعہ جدّ اُمیّہ بن ابی صلت ثقفی شامل تھے۔

ان لوگوں میں سب سے زیادہ جس شخص نے معدیکرب کو مبارک باد دے کر اسے عربوں کا ذی کرامت شخص ٹھہرایا وہ عبدالمطلب بن ہاشم تھے انہوں نے معدی کرب کو "ابن اختنا" کہ خطاب بھی کیا۔ ان کے جملہ مراسلات کا ذکر ہم نے تفصیل سے اپنی کتاب "اخبار الزمان" میں کیا ہے۔ ویسے معدیکرب کو جس نے منظوم مبارکباد پیش کی وہ ابوزمعہ جدّ اُمیّہ بن ابی الصلت ثقفی تھا۔

مقتل معدی کرب

معدیکرب نے متعدد معرکہ آرائیوں کے بعد حبشہ کو اپنا مطیع و منقاد بنا لیا تھا۔ اس کے محافظ رسالے میں بہت سے حبشی بھی شامل تھے۔ وہ اکثر اپنے قصر غُمدان کے مرکزی دروازے سے سوار ہو کر نکلا کرتا تھا۔ ایک روز اسے دروازے ہی میں حبشیوں نے گھیر لیا۔ ان کے ساتھ اس کے محافظ بھی ہو گئے اور انہوں نے چاروں طرف سے حملہ کر کے قتل کر دیا گیا۔ معدی کرب نے کُل چار سال حکومت کی۔ وہ آلِ قحطان میں یمن کا آخری حکمران تھا۔ اس طرح یمن میں بنی قحطان کے کل ۳۷ بادشاہ ہوئے اور انہوں نے وہاں مجموعی طور پر تین ہزار ایک سو نوّے سال حکومت کی۔

عبید بن شریّہ کی روایت

عبید بن شریّہ جب یمن سے ایک وفد لے کر اُمیّہ کے دربار میں گیا تھا تو آخرالذکر نے اس سے یمن کے کوائف کے علاوہ وہاں کے حکمرانوں کی تفصیل بھی دریافت کی تھی۔ عبید بن شریّہ نے اس کے سامنے یمن کے حکمرانوں اور ان کی مدت حکومت کے بارے میں جو بیان کیا تھا وہ درج ذیل ہے:۔

(۱) "یمن کا پہلا حکمران سبا بن یشجب ابن یعرب بن قحطان (مدت حکومت ۴۸۴ سال)

(۲) حارث بن شداد بن ملطاط بن عمرو	(" " ۱۲۵ سال)
(۳) ابرہہ بن رائش (ابرہہ ذوالمنار)	(" " ۱۳۳ ")
(۴) افریقس بن ابرہہ	(" " ۱۶۴ ")

(۵) العبد بن ابرہہ (مدت حکومت ۴۵ سال)

(۶) ھدھاد بن شرجیل (″ ″ ایک ″)

(۷) بلقیس بن ھدھاد (″ ″ ۷ ″)

(۸) حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت بلقیس کی وجہ سے (″ ″ ۲۳ ″)

(۹) رجعم بن سلیمان (″ ″ ایک ″)

اس کے بعد حکومت حمیریوں کی طرف منتقل ہوئی جن میں یہ بادشاہ ہوئے:۔

(۱) رجیم بن سلیمان کے بعد پہلا بادشاہ ناشر النعم بن یعفر (″ ″ ۳۵ ″)

(۲) عمرو بن شمر بن افریقس (″ ″ ۵۳ ″)

(۳) تبع الاقرن بن عمر (تبع اکبر) (″ ″ ۱۵۳ ″)

(۴) ملکیکرب بن تبع (″ ″ ۳۵ ″)

(۵) تبع بن ملکیکرب بن تبع (تبع ابوکرب)

اسعد ابن ملکیکرب (″ ″ ۸۴ ″)

(۶) کلال بن مثوب (″ ″ ۷۴ ″)

(۷) تبع بن حسان بن تبع (″ ″ ۳۲۷ ″)

(۸) مرثد (″ ″ ۳۷ ″).

(۹) ابرہہ بن صباح (″ ″ ۷۳ ″)

(۱۰) ذوشناتر بن ذرعہ (″ ″ ۸۹ ″)

(۱۱) لخنیعہ المعروف ذی شناتر (″ ″ ۸۴ ″)

یمن کی ان مجموعی حکومتوں کا زمانہ ۱۹۲۷ سال ہوتا ہے۔ اس تضاد کی وجہ یہ ہے کہ جو کچھ ہم نے سطور بالا میں لکھا ہے وہ مختلف تواریخ سے ماخوذ ہے جن میں باہمی تباین بھی ہے۔ اس لیے ہم نے تحقیق کے بعد مستند حوالوں سے صرف حد درجہ مورخین کا انتخاب کیا ہے اور ہمارا بیان انہیں کے بیانات پر مبنی ہے۔

یمن میں فارس کی حکومت

جب اہل حبشہ نے معدی کرب بن سیف بن ذی یزن کو جیسا کہ ہم نے سطور بالا میں بیان کیا ہے قتل کیا تو اس وقت صنعا میں شاہ فارس کا نائب لوہرز تھا۔ اس نے جب یمن کے حالات سنے تو وہ چار ہزار کا

لشکر لے کر وہاں پہنچا اور حبشیوں کو شکست دے کر یمن پر قبضہ کر لیا۔ پھر لوہرز کو سب حالات لکھے جو نوشیروان کسریٰ یعنی اس وقت کا شاہِ فارس تھا اور شاہی اجازت نامہ موصول ہونے پر لوہرز نے یمن کی حکومت کا مستقل طور پر انتظام سنبھال لیا اور سوڈان میں ازدواجی تعلقات بھی قائم کر لیے لیکن شاہِ فارس نے جب یہ سُنا تو ایک اور فارسی سردار کو بھیجا جس نے نہ صرف لوہرز کا خاتمہ کیا بلکہ حبشیوں کو چُن چُن کر مروا ڈالا۔

یمن میں تو ہرز شاہِ فارس کی حکومت اس وقت تک رہی جب تک اسے صنعا (مدائن) میں قتل نہ کر دیا گیا۔ وہرز شاہ فارس کے بعد فارس کی طرح یمن کی حکومت بھی اس کے بیٹے نوشجان کے پاس رہی لیکن جب اسے بھی قتل کر دیا گیا تو اس کے بعد یمن کی حکومت پر فارس ہی کے ایک شخص سبحان نے قبضہ کر لیا۔ سبحان کے بعد خُرزاد نے صرف چھ مہینے یمن میں حکومت کی۔ اس کے بعد یمن کی حکومت مرزبان نے سنبھالی۔ یہ شخص فارس کے شاہی خاندان سے تھا مرزبان کے بعد یمن کی حکومت خرخسرو کے ہاتھ آئی جو یمن ہی میں پیدا ہوا تھا۔

اولادِ ابراہیمؑ میں یمن کی حکومت

مذکورہ بالا یمنی، حبشی اور فارسی حکومتوں کے بعد یمن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کو اقتدار حاصل ہوا۔ ان میں سب سے پہلے جس نے یمن میں حکومت کی وہ مغیبہ بن اُمیم بن بدل بن مدین بن ابراہیم علیہ السلام تھے۔ جن میں انھوں نے بڑی عظمت و شہرت پائی اور وہاں انہیں بڑی شان و شوکت حاصل ہوئی۔ مشہور عربی شاعر امرؤ القیس نے بھی اپنے اشعار میں ان کی مدح کی ہے اس نے انہیں "مبنتہ بن اُمیم بن بدل بن لسان بن ابراہیمؑ الخلیل" کہہ کر یاد کیا ہے۔

عاصمۃ الیمن

ملوک یمن میں سب سے پہلے آل ذی سحر، آل ذی کلاع، آل ذی اصبح اور آل ذی یزن شہر ظفار میں آئے تھے۔ پھر وہاں دُوسرے مقامات کو منتقل ہوئے لیکن شہر ظفار کے دروازے پر سنگِ سیاہ کا ایک کتبہ آج تک موجود ہے جس پر ملوک یمن کی عہد بعہد حکومت کا حال درج ہے جن میں حبشی اور فارسی حکمران بھی شامل ہیں۔ سب سے دلچسپ بات یہ ہے کہ ان حکمرانوں میں سے ہر ایک کے نام کے سامنے اس کا کردار بھی کندہ کر دیا گیا ہے۔ مثلاً: حمیر کو "اخیار" اہل حبش کو "اشرار" اہل فارس کو "احرار" اور قریش کو "تجار" لکھا گیا ہے۔

ہم نے یمن اور وہاں کے حکمرانوں کے کل حالات حتی الامکان پیش کر دیے ہیں جس

جس وقت کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہور فرمایا اس وقت یمن میں اہل فارس کی حکومت تھی لیکن ظہور اسلام اور اکناف عالم میں غلبہ اسلام کے بعد دوسرے ممالک کی طرح یمن پر بھی مسلمان غالب آگئے۔

اب ہم آگے چل کر انشاء اللہ تعالیٰ ملوک حیرہ، یمن سے ان کا تعلق اور ان میں سے جو بعد میں ملوک شام کہلائے ان کا ذکر کریں گے۔

باب (۱۱)

بنی نصر کے ملوک حیرہ وغیرہ

جذیمہ وضاح اور اس کا مقتل

جب جذیمہ وضاح قتل ہوگیا تو اس کی حکومت زبّا بنت عمرو بن ظرب بن حسان بن اذینہ بن سمیدع بن ہوبر کے حصے میں آئی۔ جذیمہ شام کے مشرق میں روم کی طرف فرات کے کنارے پر مقیم تھا اور زبّا اس مقام پر رہتی تھی جس کا نام سفنیق تھا۔ یہ مقام بلاد خانوقہ اور قرقیسیا کے درمیان واقع تھا۔ درحقیقت زبّا اپنے باپ کے انتقال کے بعد حکومت کی حق دار تھی لیکن اس پر جذیمہ قبضہ جما بیٹھا تھا۔ اس لیے زبّا کافی عرصے سے اسے قتل کر دینے کی فکر میں تھی۔ جذیمہ کی حکومت ملوک الطوائف کے زمانے میں ۹۵ سال اور ملک اردشیر بن بابک اور سابور الجنود بن اردشیر کے وقت میں ۲۳ سال رہی۔ اس طرح اس کی حکومت کا مجموعی زمانہ ۱۱۸ سال ہوتا ہے۔ اس کے بارے میں بعض شعرائے جاہلیت سوید بن ابی کاہل الیشکری وغیرہ نے اشعار کہے ہیں جن میں زبّا کے ہاتھوں اس کے قتل کا ذکر ہے۔

مالک بن فہم

یہ شخص ان لوگوں کی اولاد میں سے تھا جو جذیمہ سے قبل حیرہ پر تھوڑے تھوڑے عرصے حکومت کر چکے تھے۔ حیرہ کی حقیقی حکومت مالک بن فہم ہی کے ہاتھ آئی تھی۔ اس کا پورا نام مالک بن فہم بن درس بن ازد بن غوث بن مالک بن زید بن کہلان بن سبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان تھا۔ وہ جُفنہ بن عمرو بن عامر مزیقیا کے ہمراہ شام کی طرف آیا تھا۔ پہلے وہ عراق کی طرف چلا گیا تھا جہاں اس نے مضر بن نزار کے قبائل کی سرداری کی تھی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا پہلے وہاں کا پھر حیرہ کا حاکم ہوگیا تھا۔

عمرو بن عدی

جذیمہ کے بعد اس کی بہن کا بیٹا عدی بن نصر ابن ربیعہ ابن حارث ابن مالک بن غنم بن نمارہ بن لخم حاکم ہوا۔ وہ پہلا شخص تھا جس نے حیرہ پہنچ کر جم کر حکومت کی۔ اس سے ملوک نصرانیہ کے تعلقات تھے جو پہلے سے حیرہ کے حکمران چلے آتے تھے۔ جذیمہ کی بہن کے بیٹے عمرو بن عدی کی حکومت سو سال چلی۔

زَبّا اور جذیمہ

زَبّا بنت عمرو بن ظرب بن حسان بن اذینہ بن سمیدع بن ہوبر، شام اور جزیرہ کی ملکہ عمالیق کی عزیزہ عاملہ کے خاندان سے تھی جو سیلیح میں مقیم تھا لیکن بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ رومی تھی۔ البتہ عربی بول لیتی تھی۔ اس کے شہر فرات کے شرقی و غربی دونوں کناروں پر تھے۔ آج کل وہ ویران پڑے ہیں۔ کہتے ہیں اس نے ان اطراف میں فرات کو پٹوا دیا تھا۔ اور اس جگہ رومی طرز کی عمارات بنوائی تھیں کیونکہ قبائل سے اس کی لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں۔ جب اسے جذیمہ ابرش نے ایک خط لکھ کر مناکحت کا پیغام دیا تو اس نے جواباً اسے لکھا کہ میں عورت ہوں اور آپ مرد ہیں، اس لیے آپ کو خود میرے پاس آکر یہ درخواست کرنی چاہیے۔ واضح رہے کہ زبّا اس وقت تک دوشیزہ تھی۔ جذیمہ نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا تو قصیر نے اور بنو لخم کے لوگ جو اس کے ماتحت تھے سب نے اس کی مخالفت کی لیکن اکثریت نے اثبات میں فیصلہ دیا۔ اس لیے جذیمہ زَبّا سے ملنے کے لیے روانہ ہوگیا اور وہ سب بھی جنہوں نے اسے وہاں جانے کا مشورہ دیا تھا اس کے ہمراہ تھے یہاں تک کہ وہ انبار کی حدود میں بُقّہ تک پہنچ گیا قصیر کو بھی مجبوراً اس کے ساتھ جانا پڑا تھا۔ بُقّہ پہنچ کر بھی قصیر نے جذیمہ کو سمجھایا کہ اگر وہ اپنی جان کی سلامتی چاہتا ہے تو زبّا کے پاس جانے سے باز رہے لیکن جذیمہ اپنی بات پر اڑا رہا اور بولا: "بُقّہ تک پہنچ کر لوٹ جانا کہاں کی عقل مندی ہے۔" اس کے بعد اس نے وہاں سے زُبّا کو اپنی آمد کی اطلاع دی اور اس کے بعد بھی اگلے پڑاؤ پر ایک الوداعی پیغام روانہ کیا۔ قصیر اس کا بھانجا تھا اور ظاہر ہے ماموں کو حکماً تو اس کے ارادے سے باز نہیں رکھ سکتا تھا لیکن اس نے بُقّہ سے آگے جذیمہ کے ساتھ جانا مناسب نہیں سمجھا اس لیے وہیں ٹھہر گیا۔ جذیمہ جب زُبّا کے دارالحکومت کے قریب پہنچا تو وہ خانوتہ کی بجائے ایک دوسرے شہر میں ٹھہری ہوئی تھی۔ یہاں یہ بات یاد رہے کہ قصیر کو اندیشہ تھا کہ جذیمہ کو کوئی نقصان ضرور پہنچے گا اس لیے وہ اس کے پیچھے پیچھے چل کر اس سے آملا تھا۔ جب جذیمہ اس شہر کے سامنے پہنچا جہاں اس وقت زُبّا مقیم تھی تو جذیمہ نے قصیر سے پھر رائے طلب کی

جس پر وہ بولا :- میں اپنی رائے قُبّہ ہی میں چھوڑ آیا ہوں، اب جو کچھ آپ مناسب سمجھیں اس پر عمل کریں۔

جب زَبّا کو جذیمہ کی آمد کی اطلاع ہوئی تو وہ اس کے استقبال کے لیے اپنے محل سے باہر آئی لیکن اس کے ساتھ اس کے حفاظتی رسالے کو دیکھ کر بولی :-

"آپ مجھ سے صلح صفائی، میل ملاپ کے لیے بلکہ مجھے اپنے رشتۂ ازدواج میں منسلک کرنے کے لیے تشریف لائے ہیں یا یہ فوج لے کر میرے ملک پر حملہ کرنے کی غرض سے اور میرے اس محل کا محاصرہ کرنے آئے ہیں۔ بہتر ہے کہ آپ میرے ساتھ گھوڑے سے اُتر کر اندرون محل تشریف لے چلیں اور تلوار وغیرہ بھی یہیں چھوڑیں۔ اسی طرح محبت کی فضا میں گفتگو ہو سکے گی۔"

چنانچہ جذیمہ گھوڑے سے اُترا اور تلوار کمر سے کھول کر ایک محافظ کے حوالے کی اور زَبّا کے ساتھ اس کے قصر میں داخل ہو گیا۔ جب دونوں بیٹھے تو جذیمہ کو ایک طلائی پیالے میں شربت پیش کیا گیا جسے پینے کے بعد اس نے جسم میں کمزوری محسوس کی اور دماغ کو قابو میں نہ رکھ سکا۔ اسے چکر سے آنے لگے۔ یہ دیکھ زَبّا مسکرائی اور اس سے بولی :-

"آپ کی تشریف آوری کا شکریہ لیکن آپ میرے لیے "تحفہ عروسی" کیا لائے ہیں"۔ زَبّا کو جذیمہ کیا جواب دیتا۔ اس کی حالت غیر تھی، پھر بھی اس نے اُٹھنا چاہا لیکن لڑکھڑانے سے اُس کی پشت زَبّا کی طرف ہو گئی۔ زَبّا نے اسی وقت اس کی پشت پر تلوار کچھ اس طرح ماری کہ دونوں کے درمیان سے شگاف ڈالتی ہوئی سرِ سُرین پر جا کر رُکی جس سے جذیمہ کی پشت میں ایک باریک سی نالی بن گئی اور اس سے خون بہتا ہوا سرِ سرین سے قطرہ قطرہ ٹپکنے لگا۔ زَبّا شاید اسی کی منتظر تھی اس نے ایک چھوٹی سی جام اس جگہ لگا دی جس سے خون ٹپک ٹپک کر جمع ہونے لگا۔ جذیمہ نے پھر اُٹھنا چاہا تو اس کا منہ اب کے زَبّا کی طرف ہو گیا۔ زَبّا اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی :-

"بیٹھے رہیئے، مجھے تحفۂ عروسی مل گیا ہے جو آپ کے خون کی صورت میں ہے۔ دیکھ لیجیے میں نے آپ کا خون زمین پر بہنے نہیں دیا۔ مجھے یقین ہے کہ آپ تحفۂ عروسی کے طور پر اپنا خون ہی دینا چاہتے تھے جو میں نے خود حاصل کر کے قبول کر لیا ہے۔ آپ کا یہ خون دیوانگی کے مریضوں کے لیے اکسیر ثابت ہو گا۔"

اتنا کہہ کر زبا نے ایک قہقہہ لگایا لیکن جذیمہ تک اس کی آواز خاک پہنچتی کیونکہ وہ عالم سماعت تو کیا مقام حیات سے بہت دور جا چکا تھا۔ بیان کیا گیا ہے کہ زبا نے جذیمہ کا خون جما کر رکھ لیا تھا اور اس کی لاش غائب کرا دی تھی یا اس کے ہمراہیوں کو بطور درس عبرت قصر شاہی سے باہر بھجوا دی تھی۔

ماموں کا انتقام

جو کچھ جذیمہ کے ساتھ پیش آیا اس کا اندازہ قصیر کو قبل از وقت ان مکاتیب کے لب و لہجہ سے ہو گیا تھا جو زبا کی طرف سے اس کے ماموں جذیمہ کو موصول ہوتے تھے لیکن جتنے لوگ اس کے ساتھ تھے ان کے بل بوتے پر وہ زبا سے انتقام نہیں لے سکتا تھا۔ وہ مجبوراً واپس ہوا لیکن اپنی جائے سکونت پر پہنچتے ہی اس واقعے کی اطلاع جذیمہ کے چچا زاد بھائی عمرو بن عبدالجن تنوخی کو جزیرہ پہنچائی اور اسے لکھا کہ اپنے چچا کے بیٹے کا بدلہ زبا سے لے ورنہ ساری دنیائے عرب تجھے عمر بھر برا بھلا کہتی رہے گی۔

دوسری طرف قصیر نے اپنے بھائی عمرو بن عدی کو تاکیداً لکھا کہ ہم دونوں کو مل کر زبا سے اپنے ماموں کا خون کا بدلہ ضرور لینا ہے۔ چنانچہ یہ تینوں اپنے اپنے عظیم عساکر کے ساتھ زبا کے دارالحکومت خانوقہ کی طرف بڑھے اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ کچھ دن گزرنے کے بعد عمرو بن عدی اور عمرو بن عبدالجن تنوخی قصیر سے بولے: "خانوقہ کا قلعہ بہت مضبوط ہے، اس میں داخلہ منجملہ محالات نظر آتا ہے۔ ویسے پشت کی جانب سے دریائے فرات حائل ہے جہاں زبا کے ماہر تیر انداز موجود ہوں گے۔ اس طرح تو ہمیں یہاں پڑے پڑے مدتوں گزر جائیں گی۔"

قصیر نے کہا: "میری سمجھ میں ایک تدبیر آئی ہے کہ زبا کو صلح کا پیغام بھیجا جائے کہ ہم جذیمہ کے خون کا بدلہ خون کی صورت میں اس سے لینے نہیں آئے بلکہ خون بہا لینے اور آئندہ کے لیے معاہدات صلح کرنے آئے ہیں۔"

عمرو بن عدی اور عمرو ابن عبدالجن تنوخی کو قصیر کی یہ تدبیر پسند آئی اور اسی پر عمل کیا گیا۔ زبا نے بھی ان کے عظیم عساکر اور طویل محاصرے کے پیش نظر انہیں کہلا بھیجا کہ "آپ صرف قصیر کو میرے پاس بھیج دیں تاکہ اس سے صلح نامے پر گفتگو ہو سکے۔ اس کے بعد آپ تینوں ایک ساتھ اندرون قلعہ آکر اس پر دستخط کر دیں۔"

ادھر یہ پیغام موصول ہونے کے بعد طے پایا کہ کسی نہ کسی طرح تینوں ایک ساتھ چلیں اور زبا کا کام تمام کر دیں۔

زبا بھی غافل نہ تھی۔ اس نے یہ سوچا تھا کہ جذیمہ کی طرح قصیر کو بھی ٹھکانے لگا کر اس کے دونوں ساتھیوں سے من مانی شرائط پہ صلح کر سکے گی یا کسی نہ کسی طرح ان کا بھی خاتمہ کر دے گی۔ بہرکیف جب قصیر زبا کے سامنے پہنچا تو اس نے دریافت کیا۔

"تم کون ہو؟"

قصیر بولا:۔ "مجھے قصیر کہتے ہیں۔"

زبا نے کہا "اچھا! لیکن آپ طے شدہ معاہدے کے خلاف اپنے ساتھ ان دونوں کو کیوں لائے ہیں جو آپ کی پشت پر کھڑے ہیں۔ خیر آپ لوگ بیٹھ جائیے اور سُنیئے کہ میرے پاس آپ تینوں کو دینے کے لیے بہت سا زرومال اور جواہرات ہیں جو آپ لوگ جذیمہ کے خوں بہا کے طور پر قبول کرلیں۔ اس کے علاوہ میں آپ کے دونوں ساتھیوں کو اپنے مقبوضات کے کچھ حصے دینے کے لیے تیار ہوں۔"

پھر اس نے قصیر کو نظر بھر کر دیکھتے ہوئے کہا:۔

"آپ اب اپنے آپ کو حیرہ کا حکمران سمجھیے جس پر درحقیقت میرا حق ہے۔ کیونکہ ملوک حیرہ کی جائز وارث میں ہوں۔ اس کے علاوہ میں خود کو آپ کے حبالۂ عقد میں دینے کے لیے تیار ہوں۔ لیکن یہ سمجھ لیجیے کہ میری یہ فراخدلانہ پیشکش آپ کو قبول نہ ہوئیں تو میرے اس تخت کے نیچے ایک خفیہ راستہ موجود جو فرات کے نیچے ہی نیچے میری بہن راجیلہ کے تخت کے نیچے جا نکلتا ہے، میں چشم زدن میں اس میں داخل ہو کر اپنی بہن کے پاس جا پہنچوں گی اور آپ دیکھتے رہ جائیں گے۔"

یہ کہہ کر زبا نے جُھک کر تخت کے ایک کونے کا فرش اُٹھانا چاہا لیکن عمرو بن عدی نے اُچھل کر تلوار کے ایک ہی وار سے اس کا کام تمام کر دیا۔

زبا کے قتل کے بعد قصیر اور اس کے ساتھیوں کے اُونٹ قطار در قطار قلعہ میں داخل ہو گئے اور ان کے سپاہیوں نے نہ صرف قلعہ بلکہ پورے دارالحکومت کی اینٹ سے اینٹ بجادی دوسرے شہروں کا بھی یہی حال ہوا جن کے دردناک افسانے شعرائے عرب کی منظومات میں آج بھی محفوظ ہیں۔

جذیمہ کو ابرش کے نام سے اس لیے یاد کیا جاتا تھا کہ وہ مبروص تھا۔ جذیمہ کے بعد حیرہ کی حکومت عمرو بن عدی کو ملی جس نے وہاں سو سال تک حکومت کی۔

باقی ملوک حیرہ

عمرو بن عدی کے بعد اس کا بیٹا امرؤ القیس بن عمرو بن عدی حیرہ کا حکمران ہوا اس نے ستر سال حکومت کی۔

امرؤ القیس کے بعد اس کا بیٹا عمرو بن امرؤ القیس حکمران ہوا جسے "محرق العرب"[1] بھی کہا جاتا ہے۔ اس نے پچیس سال حکومت کی۔ اس کی ماں ماریہ البریہ ملوک غسان میں سے ثعلبہ بن عمرو کی بہن تھی۔

اس کے بعد نعمان بن امرؤ القیس قاتل الفرس حیرہ کا حکمران ہوا۔ اس نے ۶۵ سال حکومت کی۔ اس کی ماں ہیجانہ بنت سلول بن مراد تھی۔

اس کے بعد ایاد کے بقول منذر بن نعمان بن امرؤ القیس حیرہ کا حکمران ہوا اور اس نے پچیس سال حکومت کی۔ اس کی ماں فراسیہ بنت مالک المنذر آلِ نصر میں سے تھی۔

منذر بن نعمان کے بعد نعمان بن منذر المعروف فارس حلیمہ جو بنی الخزرنق اور کردوس الکرادیس بھی کہلاتا تھا حیرہ کا حکمران ہوا۔ اس نے ۳۵ سال حکومت کی۔ وہ آل غسان کی ہند بنت زید منات کا بیٹا تھا۔ اس کے بعد اسود بن نعمان حکمران ہوا۔ اس نے بیس سال حکومت کی۔ اس کی ماں ہند بنت ہیجانہ آلِ نصر میں سے تھی۔ اس کے بعد منذر بن اسود بن نعمان حکمران ہوا اور ۴۴ سال حکومت کی۔ اس کی ماں ماء السماء بنت عوف بن نمر بن قاسط بن ہیت بن الفصی بن دعمی بن جدیلہ بن اسد بن ربیعہ بن نزار تھی۔ اسے اس کے حسن و جمال کی وجہ سے "ماءُ السما" کہا جاتا تھا۔

منذر بن اسود بن نعمان کے بعد عمرو بن منذر حکمران ہوا اور اس نے ۲۴ سال حکومت کی۔ اس کی ماں کا نام حلیمہ بنت حارث تھا اور وہ آل معدیکرب میں سے تھی۔

اس کے بعد منذر بن عمرو بن منذر حکمران ہوا اور اس نے ۶۰ سال حکومت کی۔ اس کی ماں عمرو ابن قابوس کی بہن اور آل نصر میں سے تھی۔

اس کے بعد قابوس بن منذر نے ۳۰ سال حکومت کی۔ اس کی ماں ہند بنت حارث آلِ معاویہ بن معدی کرب میں سے تھی۔

اس کے بعد نعمان بن منذر حکمران ہوا۔ اس کو "اُبیت اللعن" بھی کہا جاتا تھا۔ اس نے ۲۲ سال حکومت کی۔ اس کی ماں سلمیٰ بنت وائل بن عطیہ بنی کلب میں سے تھی۔

---

[1] ایک نسخے میں "محرق الحرب" لکھا ہے (مُرتب)

نالبغہ اور نعمان کے درمیان رابطہ

ایک روز نالبغہ اچانک نعمان کے خلوت خانے کے دروازے تک جا پہنچا اور حاجب سے اندر جانے کی اجازت طلب کی۔ حاجب بولا: "وہ اس وقت مشروبات سے شغل کر رہے ہیں۔" نالبغہ نے کہا "ٹھیک ہے۔ یہی دوستی کے روابط مضبوط کرنے کا وقت ہے، اس کے علاوہ ان کی خدمت میں اس وقت میری حاضری ان کے کیف و سرور میں موسیقی کے ذریعہ اضافے کا باعث ہو گی۔"

حاجب نے کہا: مگر اس وقت ان کے پاس کسی کو جانے کی اجازت نہیں ہے۔"

نالبغہ نے کہا" آپ انہیں میری آمد کی اطلاع کر دیجیے۔ باقی ان پر چھوڑ دیجیے۔"

حاجب بولا:" اس اطلاع کے لیے بھی آپ کو میرا شکر گزار ہونا پڑے گا۔"

نالبغہ نے کہا" آپ نے سچ کہا۔ ویسے اس وقت ان کے پاس دوسرے کون لوگ ہیں؟"

حاجب: "وہاں اس وقت ان کے دوست خالد بن جعفر کلابی بیٹھے ہیں۔"

نالبغہ نے کہا:" یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔ اس صحبت خاص میں ایک اور دوست کا اضافہ ہو جائے گا۔"

جب خالد بن جعفر کلبی نے نالبغہ سے پہلے نعمان کے پاس جانے کی اجازت چاہی تھی تو اس وقت بھی حاجب نے ایسی ہی طول طویل بحث کی تھی لیکن خالد اسے لاجواب کر کے مسکراتا ہوا نعمان کے پاس جا پہنچا تھا کیونکہ وہ نعمان کا رفیق خاص ہونے کے علاوہ حسن بصیرت بھی رکھتا تھا اس نے نعمان کو چند بہت ہی لطیف شعر بھی سنائے۔ انہیں سن کر نعمان بولا:" کاش اس وقت نالبغہ بھی ہوتا تو اس مجلس کا لطف دوبالا ہو جاتا۔" اسی وقت حاجب نے نالبغہ کی آمد کی اطلاع دی جسے سن کر نعمان بولا:-

"لو وہ خود ہی آ گیا۔ اب مزہ آئے گا۔" اور واقعی نالبغہ کے آ جانے سے مجلس کا رنگ ہی بدل گیا۔ بے تکلفی بڑھی۔ نالبغہ نے بہت سے اشعار سنائے اور گفتگو کے دوران میں اس نے نعمان کی جہاں "سر آمد فصحائے عرب" کہہ کر مدح کی وہیں اسے کئی بار "ابیتَ اللعن" کہہ کر بھی مخاطب کیا اور یہ صحبت تا دیر گرم رہی۔

نعمان، زید بن عدی اور کسریٰ

نعمان نے زید بن عدی کو قتل کیا تو اس کی وجوہ یہ تھیں:-

زید بن عدی نعمان کا کاتب تھا۔ نعمان کی جو مراسلت کسریٰ پرویز کے ساتھ ہوتی تھی

سب عربی میں زید بن عدی ہی لکھتا تھا۔ ایک بار نعمان نے کسریٰ پرویز کو دوسری باتوں کے ضمن میں یہ بھی لکھوایا کہ آل منذر کی عورتیں حد درجہ حسین ہوتی ہیں۔ اس کے جواب میں کسریٰ پرویز نے لکھا کہ ان کی کوئی لڑکی انہیں بھیج دی جائے۔ نعمان نے قاصد سے کہا:۔

یہ زید بن عدی ہے، اس کی بہن حسن و جمال میں اپنا ثانی نہیں رکھتی۔ یہ اپنی بہن کے ساتھ کسریٰ پرویز کے پاس جائے گا اور میرے عربی خط کی سب باتیں بھی اسے سمجھائے گا، زید طوعاً وکرہاً وہاں چلا تو گیا لیکن اپنی بہن کو ساتھ لے کر نہیں گیا بلکہ وہاں پہنچ کر کسریٰ پرویز کو یہ پٹی پڑھائی کہ نعمان کی بہن ہی سارے عرب میں وہ عورت ہے جو حسن و جمال میں غالباً ساری دنیا میں اپنا نظیر نہیں رکھتی۔ یہ سن کر کسریٰ پرویز کو اشتیاق ہوا کہ وہ نعمان کی بہن کو دیکھے۔ چنانچہ اس نے نعمان کو لکھا کہ وہ اپنی بہن کے ساتھ اس سے ملاقات کے لیے آئے نعمان کسریٰ پرویز کا یہ پیغام پا کر جل ہی تو گیا اور حاضرین سے بولا:۔ "ہم عرب عجمیوں کو اپنی بیٹیاں دے نہیں سکتے، البتہ ان کی عورتیں اپنے حبالۂ عقد میں لے سکتے ہیں۔" یہ کہہ کر اس نے ایک عظیم لشکر کے ساتھ مدائن کی طرف کوچ کیا۔ زید واپس آ چکا تھا اور اس وقت بھی اس کے ساتھ تھا۔ نعمان کے دل میں چونکہ اس کی طرف سے گرہ بیٹھ گئی تھی اس لیے جب وہ راستے میں دوسرے عرب قبائل کے جنگجو لوگوں کو ساتھ ملاتا ہوا مدائن کی طرف بڑھا تو اس نے یہ دیکھ کر کہ کسریٰ پرویز اس کے مقابلے کے لیے جو اسی ہزار سپاہیوں کا لشکر لے کر آیا ہے ان کی پہلی دو صفیں فارس کی حسین ترین عورتوں پر مشتمل ہیں جو جسم پر اسلحہ سجائے نعمان کے لشکر کا مقابلہ کرنے کے لیے بے قرار ہیں۔ زید بن عدی سے کہا۔ یہ سب تیری لگائی بجھائی کا نتیجہ ہے۔ اس کے بعد نعمان نے زید بن عدی کو پابہ زنجیر کر کے بسطاط مدائن کے قید خانے میں ڈال دیا۔ اور کسریٰ پرویز کو ایک خوب صورت عربی سیاہ فام گائے بھیج دی۔ اشارہ یہ تھا کہ کسریٰ پرویز کو عرب کی کوئی لڑکی پیش کرنے کی بجائے ہم اسے صرف یہ گائے پیش کر سکتے ہیں جو اس کے لشکر کی سلاح بند لڑکیوں کا تنہا مقابلہ کر سکتی ہے۔

اس واقعے پر عربی میں خاصا شعری لٹریچر موجود ہے۔ بیان کیا گیا ہے کہ زید بن عدی کو نعمان نے قتل کرا دیا تھا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ بسطاط کے قید خانے ہی میں مر گیا تھا۔

جب نعمان لشکر لے کر کسریٰ پرویز سے مقابلے کے لیے مدائن کی طرف بڑھا تھا تو اس نے بنی شیبان کے ہتھیار بند لوگوں کو بھی اپنے ساتھ لے لیا تھا۔ جب کسریٰ پرویز کو اس کی اطلاع

ہوئی تو اس نے بنی شیبان کے سربراہ ہانی بن مسعود کو پیغام بھیجا تھا کہ وہ نعمان کا ساتھ چھوڑ دے اس لڑائی اور اس سے متعلق جملہ حالات و کوائف ہم نے بڑی تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب "کتاب الاوسط" میں درج کیے ہیں جس میں جنگ ذی قار کا حال بھی آگیا ہے۔ اس لیے ہم زیرِ نظر کتاب میں بس اتنا ہی بیان کر دینا کافی سمجھتے ہیں۔

بنت نعمان اور سعدؓ ابن وقاص

کہتے ہیں نعمان بن منذر کے دورِ حکومت میں جب اس کی بیٹی حرلیقہ بنت نعمان اس سے ملنے جب بھی جاتی تھی تو اس کے راستے میں دیبا وحریر اور دوسرے زر دوز فرش بچھائے جاتے تھے لیکن جب فارس کی لڑائی میں نعمان مارا گیا اور اس کے بعد جب سعدؓ ابن وقاص نے فارس فتح کر لیا اور اس لڑائی میں رستم مارا گیا تو ظاہر ہے حرلیقہ بنت نعمان کی وہ قدر و منزلت کہاں رہتی کیونکہ خود اس کے باپ کی حکومت اور طاقت نکبت و زوال کے گڑھے میں جا پڑی تھی۔ چنانچہ جب سعد ابن وقاص کا فاتح فارس کی حیثیت سے اس کا سامنا ہوا تو اس نے پوچھا: "کیا تم حرلیقہ بنت نعمان ہو؟" اس نے کہا "ہاں" سعد ابن وقاص نے اس سے پھر پوچھا: "کیا واقعی تم حرلیقہ بنت نعمان ہو؟"

حرلیقہ بولی: "جب میں ایک بار آپ کو بتا چکی ہوں تو پھر دوبارہ دریافت کرنے کی وجہ میری سمجھ میں نہیں آئی۔"

سعد ابن وقاص نے کہا: "میں آپ کے سابقہ تزک و احتشام اور حالیہ احوال پر غور کر رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ آیا تم واقعی حرلیقہ بنت نعمان بن منذر ہی ہو۔"

حرلیقہ بن نعمان نے جواب دیا:۔

"اے سعد! دُنیا اور اس کی دولت و حکومت چلتی پھرتی چھاؤں ہے۔ وہ کبھی کسی کے پاس ہمیشہ نہیں رہتی۔ میرا پہلا اور موجودہ حال اس کا شاہد عادل ہے۔ انسان کو کبھی حکومت، طاقت اور مال و زر پر کبھی بھروسہ کرنا چاہیے نہ غرور۔ میں اس رمزِ حیات کو سمجھ چکی ہوں، اس لیے اس حال پر بھی قانع ہوں اور خدا کا شکر ادا کرتی ہوں۔"

سعدؓ بن ابی وقاص حرلیقہ کی یہ گفتگو سُن کر بہت متاثر ہوئے اور بولے:۔

"عمرو بن عدی کا بُرا ہو جس نے نعمان ہی کو نہیں بلکہ اس قابلِ قدر اور فہیم و ذکی خاتون کو اس حال میں گرفتار کر دیا ہے۔"

حرلیقہ نے کہا: "اسے سعد! دنیا اس کا نام ہے۔ اس نے کبھی ہمیں عروج پر پہنچایا تھا اور آج اس خراب حالی سے دوچار کر دیا ہے اور ایک ہم ہی کیا دنیا کی بے شمار قومیں عروج و زوال کی ان منزلوں سے گزری ہیں۔"

ابھی سعد ابن وقاص اور حرلیقہ بنت نعمان میں یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ عمرو بن معدی کرب جو زمانۂ جاہلیت میں حرلیقہ کے باپ کی خدمت میں حاضری دیتا رہتا تھا وہاں آ پہنچا۔ اس نے حرلیقہ کو تعجب سے دیکھ کر پوچھا۔

"تم! تم حرلیقہ بنت نعمان ہو؟"

حرلیقہ نے کہا: "ہاں میں وہی ہوں۔"

عمرو بن معدی کرب نے یہ جواب سُن کر کہا:۔

حرلیقہ! "وہ تمہاری شان و شوکت اور جاہ و جلال سب کیا ہوئے؟"

حرلیقہ نے عمرو بن معدی کرب کو بھی وہی جواب دیا جو وہ پہلے سعد ابن وقاص کو دے چکی تھی اور اس کے بعد دنیا کی بے ثباتی پر بڑی اثر انگیز تقریر کی۔

سعد بن ابی وقاص نے حرلیقہ کو بڑے عزت و احترام سے رُخصت کیا اور یہ بھی کہا:۔

"جب تک آپ زندہ ہیں آپ کی خبر گیری ہماری ذمہ داری ہے۔ آپ بے فکر رہیے آپ کو عمر بھر کسی قسم کی تکلیف اُٹھانا نہ پڑے گی۔"

جب حرلیقہ وہاں سے رُخصت ہوئی تو شہر کی کچھ عورتوں نے اس سے پوچھا:۔

"امیر آپ کے ساتھ کس طرح پیش آئے!"

حرلیقہ نے جواب دیا:۔

"بالکل اسی طرح جس طرح اہل کرم اہل کرم سے پیش آتے ہیں۔"

یہ باقی ان ملوک حیرہ کا ذکر تھا جس سے قبل ہم ان کی پہلی حکومتوں کا سلسلے وار ذکر کر چکے ہیں۔ ظہور اسلام کے وقت حیرہ پر شاہِ فارس کسریٰ پرویز کی حکومت رہی۔ اس کے بعد عرب کے لوگ اس پر قابض ہو گئے اور وہاں کچھ عرصے ایاس بن قبیصہ طائی حکمران رہا۔ اس نے نو سال آٹھ مہینے حکومت کی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت بھی وہاں اہل فارس حکمران تھے۔ اس سے پہلے وہاں عمرو بن عدی کا اقتدار بھی رہا تھا جس کا حال ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اس طرح حیرہ میں اس وقت تک عربی و فارسی دونوں کو ملا کر ۲۳ حکمران رہ

چکے تھے۔ ویسے حیرہ کی حکومتوں کا فی الجملہ دَور چھ سو بائیس سال آٹھ مہینوں پر محیط ہے۔

کہتے ہیں حیرہ اور اس کی تعمیرات اس وقت ویران ہوئیں جب عراق میں شہر کوفہ کی بنیاد پڑی۔ ویسے حیرہ کو عباسی خلفاء میں معتضد کے علاوہ جس کے دَور میں حیرہ اپنی ویرانی کی انتہا کو پہنچ گیا تھا۔ سفاح، منصور اور ہارون الرشید سبھی تھے، اس کی عمدہ آب و ہوا زمین کی زرخیزی، پانی کی فراوانی اور عمومی شادابی کی وجہ سے پسند کیا تھا۔ اب حیرہ تو حیرہ خود کوفہ جس کی بنیادیں حیرہ کی تباہ حال بنیادوں پر اٹھی تھیں ویرانی کی تصویر نظر آتا ہے۔ اس کی تفصیل ہم اپنی ایک دوسری کتاب اخبار الزماں میں بیان کر چکے ہیں، اس لیے یہاں بخوفِ طوالت ان تفصیلات میں جانے سے گریز کیا گیا ہے۔

باب (۱۲)

شام کے یمنی و غسّانی حکمران

شام کے اوّلین حکمران یمن والوں میں سے شام کا پہلا حکمران فالغ بن لعیفور[1] تھا۔ اس کے بعد یوتاب حکمران ہوا۔ ایوب بن زرا[2] ح جس کا ذکر اللہ تعالٰے نے اپنے نبی کی زبان سے کیا ہے اور اس کے امر کی طرف اشارہ کیا ہے۔ پھر اس ملک پر روم[3] نے غلبہ حاصل کر لیا اور وہاں کے لوگ اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے۔ بہرحال شام میں پہلے آنے والا شخص قضاعہ بن مالک بن حمیر تھا۔ اس نے شام پر اس زمانے میں حکمرانی کی جب اس علاقے کے لوگ جو عرب سے ملحق تھا عیسائی ہو گئے تھے۔

تنوخ اور اس کا نسب تنوخ میں سے جو شخص سب سے پہلے وہاں کا حکمران ہوا وہ تنوخ النعمان بن عمرو بن مالک تھا۔

اس کے بعد عمرو بن نعمان بن عمرو حکمران ہوا۔ اس کے بعد حواری بن نعمان نے حکومت سنبھالی لیکن تنوخ میں سے ان کے سوا جن کا ہم نے ذکر کیا ہے اور کوئی وہاں حکمران نہیں ہوا۔ وہ تنوخ بن مالک ابن فہم بن تیم اللات بن اسد بن وبرہ بن ثعلبہ بن حلوان ابن حلوان ابن الحاف بن قضاعہ بن مالک بن حمیر تھا۔

---

[1] ایک نسخے میں فالغ بن ہود لکھا ہے (مرتب)

[2] ایک نسخے میں ایوب بن سوات لکھا ہے (مرتب)

[3] ” ” ” یمن لکھا ہے۔ (”)

قضاعہ کے بارے میں لوگوں میں اختلاف ہے آیا وہ بنی قحطان میں سے تھی۔ خود قضاعہ کو اس سے انکار تھا کہ وہ معد کی بیٹی تھی جو بنی قحطان میں سے تھا۔ بہرحال اس نسبی الحاق کے علاوہ جس کا ہم نے ذکر کیا ہے کچھ لوگوں نے اس کا سلسلۂ نسب حمیر سے ملایا ہے۔

سلیح اور اس کا نسب

سلسلۂ قضاعہ کے بعد یمن سے اکثر شام میں حکمرانی کرنے والوں میں سلیح کا ذکر آتا ہے۔ اس نے تنوخ پر غلبہ حاصل کر کے روم کی طرف سے ان عربوں پر حکومت کی جو شام میں آباد ہو گئے تھے۔ وہی سلیح بن صفوان بن عمران بن الحاف بن قضاعہ تھا۔ اس نے عربی قبائل کو مارب کی طرف اور قصہ عمرو بن عامر مزیقیا کو بھی وہاں سے نکال دیا تھا۔

اس کے بعد بنی غسّان شام آئے۔ وہ مازن یعنی اُزد بن غوث بن مالک بن زید بن کہلان بن سبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان بن مازن کی اولاد تھے۔ درحقیقت غسّان اس چشمے کا نام تھا جس سے وہ پانی پیتے تھے، اس لیے ان کے پورے قبیلے کا نام غسّان پڑ گیا تھا۔ اسی کے بارے میں حسّان بن ثابت انصاری نے کہا ہے ؎

"ہم سے ہماری نجابت کے بارے میں پوچھا جاتا ہے ہماری نسبت ازد سے اور چشمۂ غسّان سے ہے"

آگے چل کر ہم عمرو بن عامر مزیقیا اور سیل عرم کا حال بیان کریں گے اور یہ بھی بتائیں گے کہ یہ لوگ کس طرح ادھر ادھر منتشر ہوئے نیز چشمۂ غسّان کا ذکر بھی کریں گے۔ کہا جاتا ہے کہ عمرو بن عامر کو جب مارب سے نکالا گیا تو وہ اس چشمے پر مستقلاً کبھی نہیں ٹھہرا بلکہ اس نے چار سو سال گھومنے پھرنے میں گزارے اور چار سو سال حکومت کی۔

ملوکِ غسّان شام میں

عربوں میں سے جن لوگوں نے پہلے شام پر درحقیقت اقتدار حاصل کیا وہ غسّانی تھے۔ انہیں سے رومیوں نے شام کی حکومت حاصل کی تھی۔ شام میں جس غسّانی نے سب سے پہلے حکومت کی وہ حارث بن عمرو بن حارث بن حارثہ بن امرئ القیس بن ثعلبہ بن مازن[1] تھا۔ وہی درحقیقت غسّان بن ازد بن غوث تھا۔

اس کے بعد حارث بن ثعلبہ بن جفنہ بن عمرو بن عامر ابن حارثہ حاکم ہوا۔ اس کی ماں ماریہ ذات القرطین بنت ارقم بن ثعلبہ بن جفنہ ابن عمرو تھی۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ وہ ماریہ

---

[1] ایک نسخے میں "ماس بن غسّان" لکھا ہے (مرتب)

بنت ظالم بن وہب بن حارث بن معاویہ ابن ثور تھی اور اس کو یعنی ثور کو کندہ بھی کہتے ہیں۔ ماریہ وہی عورت تھی جس سے جملہ غسانیوں کا سلسلہ نسبی جا ملتا ہے۔

اس کے بعد نعمان بن حارث بن جبلہ بن حارث بن ثعلبہ بن جُفنہ ابن عمرو حاکم ہوا۔ اس کے بعد منذر ابوشمر بن حارث بن جبلہ بن ثعلبہ ابن عمرو حکمران ہوا اور اس کے بعد عوف بن ابی شمر نے حکومت سنبھالی۔

عوف بن ابی شمر کے بعد حارث بن ابی شمر حکمران ہوا۔ وہ عرب میں بعثت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک شام کا حاکم تھا۔

حسّان اور حارث غسّانی

کہتے ہیں کہ حسّان بن ثابت انصاری شام جا کر حارث ابی شمر سے ملے تھے۔ اس وقت نعمان بن منذر لخمی وہاں موجود تھا۔ آپ نے اس سے کہا:۔

"اے ابن فریعہ ہم نے سُنا ہے کہ آپ نعمان کو ہم پر ترجیح دیتے ہیں۔"

یہ سُن کر حارث بن ابی شمر بولا:۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ خدا کی قسم آپ کی پشت اس کے چہرے سے آپ کی ماں اس کے باپ سے، آپ کا باپ اس کی ساری قوم سے۔ آپ کی شمال اس کے یمین سے، آپ کی سانس اس کی آواز سے، آپ کی قلّت اس کی کثرت سے، آپ کا لوٹا اس کے مٹکے سے، آپ کا بوریا اس کے تخت سے، آپ کا پایاب تالاب اس کے سمندر سے آپ کا ایک دن اس کے ایک مہینے سے اور آپ کا ایک مہینہ اس کی ساری عمر سے، آپ کا گردوپیش اس کے سارے علاقے سے، آپ کا ایک شخص اس کے ہزاروں اشخاص سے اور آپ کا ایک گروہ اس کے بے شمار گروہوں سے کہیں بہتر ہے۔ اس کے علاوہ آپ غسّان اور وہ لخم ہے۔ پھر بھلا میں اسے آپ پر کس طرح ترجیح دے سکتا ہوں؟

یہ سُن کر حسّان بن ثابت نے کچھ اشعار پڑھے اور کہا یہ اشعار آپ کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں۔ حارث نے اس کی تردید کی اور کہا کہ یہ اشعار اس کے نہیں ہیں اور اگر اس سے منسوب کیے جاتے ہیں تو غلط فہمی کی بنا پر کیے جاتے ہیں یا لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے۔

جبلہ بن ایہم

عوف بن ابی شمر کے بعد جبلہ بن ایہم بن جبلہ بن حارث بن ثعلبہ بن جُفنہ بن حارثہ بن امرئ القیس بن ثعلبہ بن مازن یعنی غسّان بن ازد بن غوث شام کا حاکم ہوا۔ یہ وہی حاکم شام تھا جس کی مدح میں حسّان بن ثابت انصاری نے بہت سے اشعار کہے تھے۔

دیارِ غسّان ملوک غسّان کا احاطۂ اقتدار یرموک، جولان اوران کے علاوہ دمشق کے مفصلات اوران کے اطراف تک تھا۔ اردن جو پہلے ارض شام میں شامل تھا انہیں میں سے ایک تھا۔

جبلہ بن ایہم وہی شخص ہے جو دائرہ اسلام میں داخل ہوگیا تھا لیکن پھر اپنے قبیلے والوں کے طعن و تشنیع سے شرمندہ ہوکر مرتد ہوگیا تھا۔ ہم نے اس کے بارے میں اپنی کتاب اخبار الزماں میں اس واقعے اور اس کے حالات کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ مشہور عرب شاعر نابغہ نے اپنے اشعار میں اس کے باپ کی مدح بھی کی ہے۔

شام کے پہلے جملہ گیارہ حاکم غسانی تھے جو بلاد مارب، بلقا، دمشق اور قوم لوطؑ کے سب شہروں اُردن اور فلسطین وغیرہ پر حکومت کرتے تھے۔ ان کے پانچ بڑے شہر تھے جن میں سب سے بڑا سدوم تھا۔ جس کا توریت میں بھی ذکر آیا ہے۔ ہم نے یہاں بخیال اختصار ان سب کے تفصیلی ذکر سے گریز کیا ہے، ویسے بھی ہم "اخبار الزماں" میں اخبارِ عالم کے ضمن میں ان کا مفصّل ذکر کر چکے ہیں۔

باب (۱۳)

لوادی عرب وغیرہ، بدوؤں کے وہاں قیام کے اسباب، عرب کا جملہ احوال اور تمام ضمنی اذکار

ہم اب تک اولادِ قحطان اور ان میں جو عرب عاد و طسم، عملاق و جرہم، ثمود و عبیل و وبارکا اور ان کے علاوہ جو عرب اب تک ان میں شامل ہوئے جیسے معد وغیرہ کا ذکر کر چکے ہیں۔ ان کے سوا ہمیں ان عربی الاصل قبائل کے بارے میں علم نہیں ہے جو دُنیا میں ادھر اُدھر پھیلے۔ یہ لوگ معد و قحطان کے علاوہ تھے جنہوں نے مشرق و مغرب میں متعدد بڑے بڑے شہر آباد کیے۔ جیسے مشرق میں افریقس بن ابرہہ تھا۔ انہوں نے مغرب میں بھی افریقہ اور صقلیہ جیسے شہروں کی بنیاد ڈالی اور اطرافِ مشرق میں سمرقند کی بنیاد ڈالی نیز بلادِ تبت وچین میں بھی بہت سی بستیاں بسائیں اور متعدد بلند و بالا عمارتیں تعمیر کیں جن کا ان کے اسلاف و اخلاف دونوں نے ذکر کیا ہے۔

دعبل و کمیت

دعبل بن علی خزاعی نے اپنے ایک قصیدے میں اپنے ان اسلاف کا فخریہ ذکر کیا ہے جنہوں نے اطرافِ عالم میں پھیل کر بہت سے علاقوں میں حکومت کی۔ اس کے مطابق وہ سب معد بن عدنان کے اسلاف سے الگ افراد تھے۔ اس نے انہیں تبابعہ میں شامل نہیں کیا ہے جو اوّل ہوں یا آخر اور انہیں تبابعہ کہا جائے جنہوں نے شحر و حضرموت میں سکونت اختیار کر کے وہاں حکومتوں کی بنیاد رکھی جیسا کہ ہم نے کچھ ملوک کا ذکر کیا ہے۔ وہ ان پہ لفظ تُبّع کا اطلاق نہیں کرتا جیسا کہ خداوند تعالٰے نے قریش کی جمعیت اور افرادی قوت کا قرآن پاک میں ذکر فرمایا ہے (اھم خیر اُم قوم تُبّع ۔ آیت) اور پھر جس قدر حرم کی تولیت کی وجہ سے انہیں شہرت و عزت اور عظمت حاصل ہوئی جیسا کہ عبداللہ بن عباس نے بیان کیا ہے۔

قباد کے ملوک الطوائف اور تبع کا درمیانی فصل

درحقیقت تبع آل ابوکرب ہیں جو ساری دُنیا میں پھیلے اور جنہوں نے مختلف ممالک کا سفر طے کیا اور پھر عراق آکر ملک طوائف پر اقتدار حاصل کیا جواب تک جوذر بن سابور کی نسل میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ابوکرب نے جس حکمران پر تسلط حاصل کیا وہ قباد تھا لیکن وہ قباد بن فیروز ساسانی نہیں تھا۔ ابوکرب نے اس دُوسرے قباد پر جس کا ہم نے ابھی ذکر کیا غلبہ حاصل کر کے اس کے ملک ہی پر نہیں بلکہ تمام عراق، شام و حجاز اور دوسرے بہت سے مشرقی ممالک پر حکومت کی۔ تبّع دراصل یہی لوگ تھے۔ اور اہل تبّع نے اپنی منظومات میں انہیں کا ذکر کیا ہے۔ نزار بن معد کے ساتھ انہیں بہت سی لڑائیاں پیش آئیں اور بہت سے واقعات ہوئے۔ ان کے خلاف معد بن ربیعہ اور مضر و ایاد و انمار اکٹھے ہوگئے تھے۔ جب باہمی کشت و خون اور تباہی کا باعث ہوا جس کا ابو دواد ایادی نے اپنے اشعار میں تفصیلی ذکر کیا ہے۔

ہم نے اپنی پچھلی کتاب "کتاب الاوسط" میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسبی ابتدا اور حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کی اولاد میں نسبی تفریق کا نزار بن معد تک اور ان سے جو قبائل نکلے ان سب کا مفصل ذکر کیا ہے۔ اب یہاں ہم نزار ارلعد، افعی بن افعی جرہمی کا اور ان قبائل کا ذکر کریں گے جو ان کے اخلاف کہلاتے ہیں اور جنہوں نے عرب کی وادیوں، وہاں کے پہاڑی علاقوں اور صحراؤں میں سکونت اختیار کی اور جیسا کہ زیر نظر باب کے عنوان سے ظاہر ہے اس کے اسباب بھی بیان کریں گے۔

نزار بن معد اور اس کی اولاد

جن لوگوں نے عرب کے حالات بیان کیے ہیں انہوں نے کہا ہے کہ نزار بن معد کے چار بیٹے تھے۔ ایاد جس کا ہم ذکر کر چکے ہیں، انمار اور بجیلہ و خثعم۔ ان سے یمن والوں کا جو سابقہ ہوا ان کا ذکر بھی اولاد انمار کے ضمن میں آچکا ہے اور ربیعہ اور مضر کا ذکر بھی ہو چکا ہے۔ نزار کی وفات کا جب وقت قریب آیا تو اس نے اپنے بیٹے کو بلایا اور ایک کنیز جس کا نام شمطاء تھا کی طرف اشارہ کر کے اپنے بیٹے ایاد سے کہا کہ اس سے بہتر کنیز چشم عالم نے آج تک نہ دیکھی ہو گی جو آج تک میری ملکیت رہی ہے۔ پھر وہ اپنے دوسرے بیٹے مضر کا ہاتھ پکڑ کر ایک قبہ میں لے گیا اور اس سے بولا کہ اس قبہ سے بہتر آج تک کوئی قبہ چشم فلک نے نہ دیکھا ہو گا یہ ہمیشہ میری ملکیت رہا ہے۔ پھر اس نے اپنے تیسرے بیٹے ربیعہ کا ہاتھ پکڑا اور اسے اصطبل میں لے جا کر ایک مشکی گھوڑا دکھا کر کہا کہ اس سے بہتر گھوڑا آج تک چشم فلک نے نہ دیکھا ہو گا۔ پھر اپنے چوتھے بیٹے انمار کا ہاتھ پکڑ کر

اپنے مجلسی ساز و سامان کے پاس لے گیا اور اس سے کہا کہ ایسا ساز و سامان آج تک کسی نے نہ دیکھا ہوگا۔ پھر ان چاروں سے بولا: یہ سب چیزیں جو میں نے تمہیں دکھائی ہیں میرے بعد تمہاری ہوں گی لیکن ان کی تقسیم کا فیصلہ افعی بن افعی جرہمی پر چھوڑ دیتا ہوں اور جو کچھ وہ فیصلہ کرے وہ قبول کر لینا اس کے بعد نزار کچھ زیادہ عرصہ زندہ نہیں رہا اور اسے موت سے دوچار ہونا پڑا۔

اولاد نزار بن معد کا اور افعی جرہمی

اپنے باپ نزار کے انتقال کے بعد اس کے چاروں بیٹے ایاد، مضر، ربیعہ اور انمار گھوڑوں پر سوار ہو کر اور ایک اونٹ پر زادِ راہ لے کر افعی جرہمی حاکم نجران سے ملنے روانہ ہوئے تاکہ اس سے اپنے باپ کی وصیت کے مطابق اس کی وراثت تقسیم کرالیں۔ راستے میں وہ ایک منزل پر آرام کے لیے ٹھہرے تو ان کا سامان سے لدا ہوا اونٹ کھل کر کسی طرف نکل گیا۔ وہ اسے ڈھونڈنے نکلے تو انہیں ایک راہ گیر ملا۔ انہوں نے اس سے دریافت کیا کہ آیا اس نے اس طرف جدھر سے وہ آرہا ہے کوئی اونٹ جاتا دیکھا ہے؟ مسافر نے پوچھا: کیا وہ ایک پاؤں سے لنگڑا کر چلتا ہے؟" وہ بولے: "ہاں۔" مسافر نے پوچھا: "کیا اسے ایک آنکھ سے سجھائی نہیں دیتا؟" انہوں نے کہا: "ہاں" مسافر نے پوچھا: "کیا اس کا ایک پاؤں چھوٹا ہے؟" وہ بولے: "ہاں ہاں، بس وہی ہمارا اونٹ ہے۔" مسافر بولا: جدھر سے میں آرہا ہوں ادھر سے اس قسم کا ایک اونٹ گزرا تو ضرور ہے لیکن یہ مجھے نہیں معلوم کہ وہ کہاں گیا اور اب کہاں ہوگا۔ اس پر وہ چاروں غصّے سے بولے: "تمہیں اس کا پتہ ضرور معلوم ہے اور تم نے اسے کہیں جھاڑیوں میں چھپا دیا ہے۔"

مسافر بولا: "نہیں بھائیو! قسم لے لو، میں نے ایسا نہیں کیا۔"

انہوں نے پوچھا: "پھر تمہیں ہمارے اونٹ کی یہ نشانیاں کیسے معلوم ہوئیں؟"

مسافر نے کہا۔ ادھر سے جو اونٹ گزرا ہے وہ پاؤں اس طرح رکھتا ہے کہ جیسے وہ اس پاؤں سے معذور ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ راستے کے ریت پر ادھچا پڑتا ہے۔ اس کا ایک پاؤں زمین پر نہیں ٹکتا تو وہ اسے اُٹھا کر چلتا ہے، اس کا ثبوت بھی اس کے پیروں کے نشانات کا فاصلہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ اس کا ایک پاؤں چھوٹا ہے۔"

ان چاروں بھائیوں نے پوچھا: "خیر یہ تو تمہیں اس کے قدموں کے نشانات سے معلوم ہو گیا کہ وہ ایک پاؤں سے معذور یا زخمی ہے اور اس کا ایک پاؤں چھوٹا ہے لیکن تمہیں بغیر

دیکھے یہ کیسے معلوم ہو گیا کہ اسے ایک آنکھ سے سجھائی نہیں دیتا؟"

مسافر بولا: یہ تو بڑی آسان بات ہے۔ جس طرف سے وہ گزرا ہے وہاں کی صرف ایک طرف کی جھاڑیوں پر اس نے مُنہ مارا ہے اور دوسری طرف کی چھوڑتا چلا گیا حالانکہ وہ ان سے بہتر تھیں، معلوم ہوا ہے کہ اسے دوسری طرف کی جھاڑیاں نظر ہی نہیں آتی تھیں۔"

نزار بن معد کے بیٹے اس راہ گیر کی عقلمندی پر حیران ہوتے ہوئے اس طرف کچھ دُور گئے تو انہیں اپنا اُونٹ مل گیا اور وہ نجران کی طرف روانہ ہو گئے۔ شہر کے دروازے پر پہنچے تو ان سے پوچھا گیا کہ وہ یہاں کیوں آئے ہیں۔ اُنہوں نے شہر میں داخلے کی اجازت کے علاوہ افعی جرہمی سے ملاقات کی اجازت بھی طلب کی اور اس سے ملاقات کا مقصد بھی بتایا۔

جب انھیں افعی جرہمی والی نجران کے سامنے پیش کیا گیا اور انہوں نے اس کے پاس آنے کا مقصد اس سے بیان کیا تو وہ ان سے بڑی نرمی و ملاطفت سے پیش آیا اور انہیں شاہی مہمان خانے میں ٹھہرا کر ان کی جملہ ضروریات کا بندوبست کر دیا۔ لیکن اپنے ایک خادم خاص کو یہ بھی ہدایت کر دی کہ وہ آپس میں جو بھی گفتگو کریں اس کی اطلاع اسے دی جائے۔

جب وہ چاروں بھائی رات کو کھانا کھانے بیٹھے تو اُنہوں نے شہر کی تعریف کی اور کہا کہ ایسا شہر ہمارے سوا کہیں اور نہیں پایا جاتا، یہ افعی جرہمی کے پاس کہاں سے آیا۔ ان کی اس گفتگو کی اطلاع افعی کی ہدایت کے مطابق اس کے خادم خاص نے اسے دے دی۔ اس کے بعد انہوں نے اسلحہ خانے میں ہڈی سے بنے ہوئے تیر دیکھے تو بولے کہ ایسے تیر تو سوائے ہمارے اسلحہ خانے کے اور کہیں نہیں تھے، یہ یہاں کیسے آئے؟ یہ اطلاع بھی افعی جرہمی کو مل گئی۔ اس کے بعد انہوں نے کھانے کے بعد شراب کی تعریف کرتے ہوئے بھی یہی کہا کہ ایسی شراب ان کے باپ کے علاوہ اور کہیں نہیں ملتی تھی، یہ یہاں کیسے آئی؟ اس کی اطلاع بھی جب افعی جرہمی کو ملی تو اپنی ماں کے پاس گیا اور اس کو ان کی گفتگو سُنا کر اس کا سبب پوچھا تو وہ بولی:۔

"دراصل بنو نزار اور بنو جرہم نسبی لحاظ سے ایک ہی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ تمہارا باپ اور نزار کا باپ رشتے کے بھائی اور ایک ہی نسل سے تھے، جن چیزوں کی خوبیوں پر انہیں حیرت ہے وہ نسلاً بعد نسلٍ تم دونوں کی نسل میں خصوصی طور پر منتقل ہوتی چلی آ رہی ہیں۔ مثلاً شہر کے حصول کا جو طریقہ اس نسل کو معلوم تھا وہ آج تک کسی دُوسرے

کو معلوم نہیں ہے۔ شراب بھی یہ دونوں قبیلے ایک خاص قسم کی کھجوروں سے حاصل کرتے تھے جن کی تخم ریزی اور پرورش کے طریقے بھی انہیں سے مخصوص تھے۔ رہے تیر تو یہ دونوں قبیلے تیروں کی سلاخیں ایسی لانبی لانبی ہڈیوں سے تیار کرتے تھے جو رات کو چمکتی تھیں، اس لیے رات کے اندھیرے میں بھی ان کا نشانہ کبھی خطا نہیں کرتا تھا۔"

اپنی ماں کی زبانی یہ باتیں سُن کر افعی جرہمی نے ان چاروں بھائیوں کے ساتھ سلوک میں اضافہ کر دیا اور انہیں وہ سب کچھ بتا دیا جو اسے اپنی ماں کی زبانی معلوم ہوا تھا۔ یہ سُن کر وہ بہت خوش ہوئے اور یہ بھی سمجھ گئے کہ ان کے باپ نے تقسیم وراثت کے لیے انہیں افعی جرہمی کے پاس کیوں بھیجا تھا۔ چنانچہ افعی جرہمی نے ان میں ان کے باپ کی وراثت اس طرح تقسیم کی کہ کسی کو اعتراض کی ضرورت پیش نہ آئی۔ اس کے بعد ایسا طلائی قبّہ، اسلحہ خانہ، ساز و سامانِ دربار اور مُشکی گھوڑے جیسی کوئی چیز مدتوں کسی قبیلے کے حصّے میں نہیں آئی۔

بعض سیرت نگاروں نے عربی الاصل نسلوں کے بارے میں ذکر کرتے ہوئے یہ بھی بتایا ہے کہ بنی نزار اور بنو جرہم ہی پہلے دو عربی قبیلے تھے جو مکے گئے تھے اور انہوں نے اس کے دسویں حصّے پر اوّل اوّل تسلّط حاصل کیا تھا۔ ان کے علاوہ عربی الاصل قبائل اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے تھے اور انہیں صحراؤں، پہاڑوں اور دوسری جگہوں میں جہاں بھی ٹھکانا ملا قیام کرتے رہے لیکن کسی ایک جگہ ٹک کر نہیں رہے بلکہ ہمیشہ خانہ بدوشوں کی زندگی بسر کرتے رہے اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے آباؤ اجداد نے بھی شہر آباد کیے تھے، نہ کہیں بستیاں بسائی تھیں بلکہ کہیں ایک جگہ مستقل قیام بھی نہیں کیا تھا، اسی لیے وہ بھی انہی کی روایات پر چلتے رہے اور ان کے اخلاف کی یہ روایت آج تک عرب کے بدوؤں میں پائی جاتی ہے۔

کچھ مؤرخین کے مطابق طوفان کے بعد جس کے دوران میں اللہ تعالیٰ نے طبقہ ارضی کو تہ و بالا کر ڈالا تھا۔ نوع انسانی منتشر ہوئی تو سب سے اوّل وہ لوگ تھے جنہوں نے بابل کا رُخ کیا۔ اس خطہ ارضی کو دوبارہ آباد کیا۔ وہاں شان دار عمارتوں، قلعوں اور محلات و قصور کی بنیاد ڈالی اور حکومت کی داغ بیل ڈال کر نظامِ حکومت استوار کیا۔ یہ قوم نبط تھی اور اس کا نسلی تعلق حلّہ سے تھا جو حام بن نوح سے تھی۔ انہیں میں نمرود بن کنعان بن سنجاریب بن نمرود اوّل بن کوش بن حام بن نوح بھی تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے ضحاک سے قبل بابل میں حکومت قائم کی تھی ان کا پہلا شخص بیور اسف[1] تھا۔

---

[1] ایک نسخے میں بیوراست لکھا ہے (مرتب)

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اولادِ حام ہی نے بلادِ مصر و شام آباد کیے تھے اور انہیں میں وہ کنعانی تھے جو پہلے یہاں آئے تھے اور پھر وادی بربر میں پھیل کر ہوارہ، زنانتہ، منزلیعہ، مغیطہ، زنارہ، غمارہ و قالمہ، دارقہ و آئینتہ و بابہ اور بنو سبخون وارکنہ کہلائے۔ زناتہ، بنو کلان و بنو مصدریان اور بنو افیاس وزیحن نیز بنو سا و صنہاجہ، غابہ المعروف غابہ عاقدیم سون اور دعوبن و عورقہ و یکسوم بھی انہیں کی قبائلی شاخیں ہیں اور وہ لوگ بھی انہیں میں سے ہیں جنہوں نے غابہ کے علاوہ جلشہ میں دوسری بستیاں بسائیں اور یہیں سے مغرب کی طرف بڑھے۔

یہ بھی ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ارض بربر درحقیقت ارض فلسطین ہی تھی جو بلادِ شام کا ایک حصّہ تھی اور اس کا پہلا حکمران جالوت تھا۔ یہ نام ان حکمرانوں کا اس وقت سے مخصوص نام ہو گیا تھا اور اس وقت تک چلتا رہا جس کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام نے جالوت کے آخری وارث کو قتل کر کے وہاں سے ان حکمرانوں کا نام و نشان مٹا دیا اور وہاں سے مغرب کی طرف منتقل ہو گئے۔ یہ لوگ مغرب میں جہاں گئے ان مقامات کا نام بلوبیہ اور مراقیہ تھا۔ پھر وہ وہاں زنانہ و مغلیہ اور وہاں کے پہاڑی علاقے منزلیعہ میں کچھ عرصہ قیام کے بعد اودیہ کا وطن بنایا اور پھر ارض برقہ کی طرف پھیلے، پھر بلادِ ایاس کے ہوّارہ میں آباد ہوئے۔ یہ تینوں مقامات مغرب میں اب بلادِ طرابلس کے مشہور شہر ہیں۔ یہ پہلے فرنگیوں اور رومیوں کے شہر تھے۔ جہاں یہ لوگ بربر سے آئے اور ان فرنگیوں اور رومیوں پر مسلط ہو گئے۔ جب یہ لوگ وہاں سے ہٹے تو انہوں نے بحرِ روم کے جزائر پہ قبضہ جمایا اور ان میں سے اکثر صنقلیہ میں آباد ہو گئے۔ اس کے بعد جب یہ بربری لوگ مغرب کے متصل مقامات میں جو افریقی ممالک میں کہیں کہیں ایک ایک ہزار میل کے فاصلے پہ واقع ہیں اور بلادِ قیروان میں شامل ہیں بڑھتے چلے گئے تو فرنگی اور رومی لوگ پھر اپنے پرانے شہروں کو لوٹے، انہیں از سرِ نو آباد کیا، وہاں نئی نئی عمارتیں تعمیر کیں اور ان بربریوں سے صلح کے معاہدے کر لیے۔ اس لیے ان بربریوں نے پہاڑی علاقوں میں سکونت اختیار کر لی۔ یہ علاقے اب اودیہ، رمال، دولمس اور براری و قفار کے مفصلات کہلاتے ہیں۔

بحر افریقیہ و صنقلیہ سے مرجان (مونگے) نکلتے ہیں۔ یہ سمندری علاقہ بحر ظلمات کے قریب ہے جسے اب بحر اوقیانوس کہا جاتا ہے۔ ان باتوں اور ان سے متعلق دوسری باتوں کی تفصیلات ہم نے اپنی پچھلی کتاب میں وہاں بیان کی ہیں جہاں سطحِ ارضی پر دنیا کی مختلف اقوام کے آباد ہونے اور مشرق و مغرب میں شہروں کی بنیاد ڈالنے کا ذکر کیا ہے۔

جہاں تک جولان کے پہاڑی علاقے کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ شام وفلسطین والوں نے اس علاقے کو ناپسندیدہ قرار دے کر وہاں آباد ہونا پسند نہیں کیا تو بدوؤں نے اسے اپنی جائے سکونت بنالیا۔

یہ بات مسلّمات میں سے ہے کہ انسانی جسم کے اعضاء وجوارح کی طرح سطحِ ارضی کی تشخیص بھی ضروری ہے۔ اسی کے نتیجے میں یہ معلوم ہوسکا ہے کہ کہاں کہاں کی فضا، آب وہوا اور مٹی انسانی آبادیوں کے لیے اپنے خواص کے لحاظ سے مناسب ونامناسب ہیں۔ ظاہر ہے کہ سطح ارضی پر کہیں صرف چٹیل میدان ہیں، کہیں گھنے جنگلات اور کوہستانی علاقے ہیں جن کی آب وہوا مختلف ہے، زمین کہیں زرخیز ہے اور کہیں محض بنجر ہے۔ اس لیے اگر نوعِ انسانی نے اپنے لیے پہلے ہی سے اچھے علاقے چُنے تو اس پر اعتراض کی کیا گنجائش ہے۔ وہ مختلف ایام میں حالات کے تحت اِدھر اُدھر منتشر ہوتی رہی تو وہ بھی کچھ غلط نہ تھا بلکہ بدلتے ہوئے حالات کے عین مطابق تھا۔ عرب کی زمین بھی اپنے خواص کے لحاظ سے دُنیا کے دُوسرے علاقوں کے بارے میں اندازہ لگانے کی روایت سے مستثنیٰ نہیں ہے۔

انہیں مسلّمات کے تحت اقصائے عالم کے عربی علاقوں میں جیسے حجاز ویمن اور شام وفلسطین میں اولادِ آدم نے اپنے اپنے لیے کچھ مقامات منتخب کرکے وہاں اپنا اقتدار قائم کرلیا تو باقی لوگوں نے خانہ بدوشی یا صحرانشینی اختیار کی تو وہ لوگ بدو کہلائے اور اب تک کہلاتے ہیں، لیکن قدرت کی فیاضی دیکھیے کہ انہیں صحرانشینوں اور خانہ بدوشوں کو کچھ ایسی خصوصیات بخشی گئیں جو ان کے علاوہ دوسروں میں نہیں پائی جاتیں۔ مثلاً ان کا ڈیل ڈول، جسمانی قویٰ، ہمت وشجاعت محنت کشی، صبر واستقامت وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جو مدنیّت کی دلدادہ اقوام میں شاذ ونادر ہی پائی جاتی ہیں۔ ان کا باہمی اتحاد واتفاق بھی من حیث الجماعت نادر الوجود ہے۔ متمدن دُنیا اپنے رنگ روپ نظام حیات، معاشی ومعاشرتی خصوصیات پر کتنا ہی فخر کرے لیکن بدوؤں کی مذکورہ بالا خصوصیات کا جو قدرت کا عطیہ ہیں اور ان کی جفاکشی کا نتیجہ، مقابلہ نہیں کرسکتی۔ ان کے پسندیدہ مقامات میں زمینی توازن واعتدال نہ پایا جانا الگ بات ہے لیکن ان کی ان خصوصیات کا کوئی خطہ ارضی جواب نہیں دے سکتا۔

ایک دفعہ کسریٰ نوشیرواں کے پاس عرب سے ایک وفد گیا تو اس میں ایک ماہرِ خطابت شخص بھی تھا۔ اس کی گفتگو سن کر نوشیرواں نے اور باتوں کے علاوہ اس سے پوچھا کہ عرب کے

صاحبانِ اقتدار اب تک صحرانشین و خانہ بدوش بدوؤں کو قابو نہیں لاسکے اس کی کیا وجہ ہے اور وہ لوگ اب تک کیوں آزاد پھرتے ہیں۔ عربی خطیب نے جواب دیا: وہ آزاد پیدا ہوئے ہیں، آزادی پسند ہیں اور آزاد ہی رہنا چاہتے ہیں۔

نوشیرواں نے پوچھا: "زیرِ فلک آفات ارضی و سماوی سے ان کا تحفظ کیسے ہوتا ہوگا؟"

خطیب نے جواب دیا: وہ برسوں سے اسی طرح گھومتے پھرتے موسمی تغیرات کے عادی ہوگئے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ پہلے سے موسم کی تبدیلی کو سمجھ لیتے ہیں۔ ویسے وہ رات کے وقت صحرا میں کھلے آسمان کے نیچے سو جاتے ہیں لیکن افق مشرق میں سورج کے نمودار ہونے سے پہلے کسی سرسبز و شاداب علاقے یا نخلستان کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں اور عموماً نصف النہار سے پہلے وہاں پہنچ جاتے ہیں، ان سے زیادہ صحرا میں راستوں کا اندازہ اور تعین کوئی دوسرا نہیں کرسکتا۔ رات کے وقت وہ ستاروں سے راستے پہچان لیتے ہیں۔

نوشیرواں نے کہا:۔" وہ متمدن علاقوں سے الگ رہتے ہیں اس لیے تہذیب و تمدن سے یقیناً ناآشنا ہوں گے لیکن کچھ لوگ ان کی بے شمار خوبیاں بیان کرتے ہیں، ان میں سے کچھ ہمیں بھی بتاؤ۔"

خطیب نے کہا:۔ وہ حد سے زیادہ خود دار ہیں، کسی کا زیرِ بارِ احسان ہونا پسند نہیں کرتے حد سے زیادہ جفاکش ہیں، محنت سے کتراتے اور جی نہیں چراتے، حرب و ضرب میں طاق ہیں اس کے باوجود متمدن اہلِ عرب سے زیادہ مہمان نواز ہیں۔

نوشیرواں نے پوچھا: "ان کی گزراوقات کا ذریعہ کیا ہے؟ وہ کھاتے پیتے کیا ہیں؟"

خطیب نے جواب دیا:۔" وہ شکار کا گوشت کھاتے ہیں، بکریوں کا دودھ پیتے ہیں اور کھجوریں بھی کھاتے ہیں۔ کھلی فضا میں رہنے کی وجہ سے حد درجہ چاق و چوبند ہوتے ہیں۔"

کرد، ان کے انساب و مساکن

فارس کے بدنام ترین حکمران ضحاک نے عرب و عجم کے اکثر علاقوں کو عرصے تک اپنے زیرِ اقتدار رکھا اس کے ظلم و جبر، تشدد اور سفاکی و خونخواری کی داستانوں کو مختلف اہلِ قلم نے مختلف انداز سے بیان کیا ہے لیکن اس امرِ واقعہ کی کسی نے تردید نہیں کی کہ قدرت نے اسے زندگی ہی میں ایک ایسے عذاب میں مبتلا کر دیا تھا جو آج تک کسی نے دیکھا تو کیا سنا بھی نہ ہوگا۔ بیان کیا گیا ہے کہ اس کے سر کے دونوں طرف دو سانپ اُگ آئے تھے جنہوں نے اس کا دماغ کھانا

شروع کر دیا تھا۔ اس لیے اطباء نے اسے مشورہ دیا تھا کہ اگر دو سرے آدمیوں کے سروں سے مغز نکال کر ان سانپوں کو کھلایا جائے تو وہ بادشاہ کا مغز کھانے سے باز رہیں گے۔ اطباء کے اس مشورے پر عمل کرتے ہوئے بے شمار بے گناہوں کا مغز نکال کر روزانہ ان سانپوں کے لیے غذا مہیا کی جاتی تھی جس سے ضحاک کا ایک ظالم وزیر لوگوں کو قتل کر کے ان کے سروں کا مغز نکالنے پر مقرر تھا۔ آخر جب لوگ اس ظلم و تعدی سے عاجز آ گئے تو انھوں نے شہری علاقوں سے ادھر اُدھر بھاگ کر پناہ لینی شروع کی۔ وہ زیادہ تر فارس و عراق کے سرحدی پہاڑی علاقوں میں چلے گئے اور پھر وہیں مستقلاً آباد ہو گئے۔ وہیں ان کے ہاں توالد و تناسل کا سلسلہ جاری رہا اور رفتہ رفتہ انھوں نے ایک الگ قوم کی شکل اختیار کر لی۔ یہی لوگ اب کُرد کہلاتے ہیں اور جہاں جہاں وہ آباد ہیں ان علاقوں کو کُردستان کہا جاتا ہے۔ ویسے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ مضر بن نزار کی نسل سے ہیں۔ جو عیسائی ہو گئے تھے، لیکن ان میں کچھ کرد جو شوہجان کہلاتے ہیں وہ ان نصرانیوں سے الگ ہیں اور وہ کوفہ و بصرہ کے درمیانی علاقے عرض دینور و ہمدان میں آباد ہیں ویسے یہ بھی اپنے آپ کو پہلے کردوں کی نسل سے الگ نہیں ظاہر کرتے۔ ان میں کچھ ربیعہ بن نزار بن معد کی شاخوں میں سے ہیں اور وہ آذربائیجان کے علاقہ کنکور سے لے کر ہبانیہ و سراۃ اور شادی خان کے پہاڑی علاقوں زبرہ، مادنجان، مزدکفان، بارسان، خالیہ جارباقیہ، جادانیہ و ستنکان اور شام کے ان علاقوں تک جو دبابلہ کہلاتے ہیں پھیلے ہوئے ہیں۔ وہ کہتے یہی ہیں کہ ہم مضر نزار کی اولاد ہیں۔ ان میں لیعقوبیہ اور جورقان جو نصرانی ہیں وہ بلادِ موصل اور جبل جودی کے قرب و جوار میں اقامت پذیر ہیں۔

کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو انہیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مخالف خوارج اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے خلاف بغاوت کرنے والوں میں شمار کرتے ہیں۔

یہ سب بوادی عرب کا ذکر تھا اور بوادی عالم کا بھی۔ ہم نے یہاں ان غوریوں اور خوارج کے ذکر سے گریز کیا ہے جو ترک ہیں اور بلادِ غرش و بسطام و بست اور ان کے متصل بلاد سجستان کے ان علاقوں میں رہتے ہیں جو ارمن قفص اور بلوچ و جبت میں شامل ہیں۔

ایامِ عرب کے بعض وقائع اور جنگیں

ایام عرب کے وقائع اور جنگوں پر ہم اپنی پچھلی کتابوں میں مفصل گفتگو کر چکے ہیں۔ یہ واقعات زمانہ جاہلیت اور ظہورِ اسلام کے بعد کے زمانے دونوں پر مشتمل ہیں۔ ان میں زیادہ مشہور لڑائیاں وہ تھیں جو عبس اور جملہ عرب کے یمنی اور نزاری قبائل کے درمیان ہوئیں۔ ان کے علاوہ جنگ

واحس وغبراء، جنگ بکر بن وائل و تغلب جسے جنگ بسوس بھی کہا جاتا ہے، یوم کلاب، یوم خزاز مقتل شاس بن زہیر، یوم ذی قار، یوم شعب جبلہ جو بنی عامر وغیرہ کے درمیان ہوئیں اور حروب اوس وخزرج جو غسان وعک کے مابین ہوئیں کچھ کم اہم اور مشہور نہیں ہیں۔

اب ہم اعراب دائرہ وغیرہ، زمانہ جاہلیت میں عربوں کی دیانت، شجاعت، قیافہ شناسی شہسواری اور الہام وغیرہ پر اگلے باب میں گفتگو کریں گے۔

باب (۴۱)

عربوں کی دیانت، زمانۂ جاہلیت میں اُن کی آراء مختلف ممالک میں اُن کا پھیلاؤ، اصحاب فیل اور عبدالمطلب اور اس باب سے متعلق دیگر ذیلی و ضمنی واقعات

زمانۂ جاہلیت میں عربوں کی دیانت

زمانۂ جاہلیت میں عربوں کے کئی فرقے تھے۔ ان میں کچھ ایسے تھے جو اپنے خالق کے وجود کے قائل اور اس کی توحید پر ایمان رکھتے تھے۔ وہ احیاء بعد الموت اور حشر و نشر کو بھی مانتے تھے اور اس پر بھی ایمان رکھتے تھے کہ معصیت کی سزا اور نیکیوں کی قیامت میں جزا ملے گی۔ ہم نے زیر نظر کتاب اور پہلی کتابوں میں ان کا ذکر کیا ہے۔ یہ لوگ جو خدا سے دُعا بھی کرتے تھے۔ قس بن ساعدہ ایادی، رئاب الشنی، بحیرا راہب وغیرہ تھے جن کا نسبی تعلق عبدالقیس سے تھا۔

انہیں عربوں میں وہ لوگ بھی تھے جو وجودِ باری تعالےٰ کے قائل تو تھے، مبادو معاد کا صرف اقرار ہی نہیں کرتے تھے بلکہ اس کے ثبوت میں دلائل کے ساتھ اظہار خیال بھی کرتے تھے لیکن خدا کی طرف سے رسولوں کے آنے کے منکر تھے اور اصنام پرستی پر اصرار کرتے تھے۔ انہی لوگوں کا قول اللہ جل شانہٗ نے قرآن میں بیان فرمایا ہے (مانعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفیٰ۔ آیت) یعنی وہ کہتے تھے کہ ہم ان بتوں کو تقرب الی اللہ کا ذریعہ سمجھتے اور اسی لیے ان کی پرستش کرتے ہیں (ترجمہ تشریحی) یہی وہ لوگ تھے جو بتوں سے حاجت برآری چاہتے ان پر چڑھاوے اور صدقات کی رقم چڑھاتے، ان کو اپنے اجسام اور خون کی قربانی دیتے اور حلال و حرام کا فرق بھی انہیں سے طلب کرتے تھے۔

انہیں میں وہ لوگ بھی تھے جو وجود باری تعالےٰ کا اقرار تو کرتے تھے لیکن بعثت نبوتؐ

رسالت کے منکر تھے۔ ان کے نزدیک آخرت نام کی کوئی چیز نہیں۔ قرآن میں انہیں کے متعلق ارشاد ہوا (وقالوا ما ھی الا حیاتنا الدنیا نموت ونحیا وما یھلکنا الا الدھر) لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید اس طرح فرمائی (ومالھم بذالک من علم ان ھم الا یظنون) یعنی انہیں اس کا کچھ علم نہیں، وہ صرف گمان کرتے ہیں۔

انہیں میں (قبل از اسلام) یہودی بھی تھے اور نصرانی بھی تھے اور کچھ ایسے بھی تھے جو ادھر اُدھر طاقت اور مصلحتوں کے پیش نظر ہوتے رہتے تھے۔

اہل عرب میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو ملائکہ کی عبادت اس لیے کرتے تھے کہ وہ خدا کے سامنے ان کی شفاعت کریں گے، وہ انہیں اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے، قرآن میں ان کی بھی تردید کی گئی ہے

عبد المطلب بن ہاشم عربوں میں جو لوگ توحید خداوندی کا اقرار کرنے والے، عہد میں ثابت قدم اور دوسروں کی تقلید کرنے والے تھے ان میں ممتاز ترین شخصیت عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف کی تھی۔ آپ ہی نے چاہِ زمزم کو کھدوا کر گہرا اور عوام کے لیے مفید بنایا تھا۔ یہ زمانہ فارس کے بادشاہ کسریٰ قباذ کا تھا۔ آپ ہی نے چاہِ زمزم سے وہ طلائی ہرن برآمد کیے تھے۔ جو موتیوں اور جواہرات سے مرصع تھے۔ وہیں سے بہت سے زیورات اور سات سات دھات کے بڑے بڑے پتر دستیاب ہوئے تھے۔ آپ ہی نے ان پتروں سے کعبے کا دروازہ بنوایا تھا اور اس دروازے کے دونوں طرف سونے کے ہرن نصب کرا دیے تھے اور باقی سامان بھی کعبے کے لیے وقف کر دیا تھا۔ وہ عبد المطلب ہی تھے جنہوں نے حاجیوں کے قیام اور انہیں پانی پلانے کا انتظام کیا تھا۔ آپ ہی نے اہل مکہ کے لیے میٹھے پانی کی فراہمی کا بندوبست کیا تھا اور خانہ کعبہ کے دروازے کو مطلا کیا تھا۔

حضرت عبد المطلب کو اللہ تعالیٰ نے دس بیٹے عطا فرمائے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے کرم سے جو ان میں سے اللہ تعالیٰ کی قربت کے لیے منتخب ہوئے تھے ان کا نام عبد اللہ تھا۔ وہی رسولِ عربی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد تھے۔ حضرت عبد المطلب نے انہیں جو اُونٹ دیے تھے وہ بڑھتے بڑھتے سو ہو گئے تھے۔ اس بارے میں تواریخ میں بہت سی طول طویل اطلاعات ملتی ہیں۔

قصہ اصحاب فیل جب ابرہہ حبشہ سے چل کر مقام حب المخضب[1] آیا تھا تو اس نے حضرت

---

[1] بعض نسخوں میں "جنب المخضب" لکھا ہے (مرتب)

عبد المطلب کو بلوا بھیجا تھا کیونکہ اسے اطلاع ملی تھی کہ مکے کے سردار وہی ہیں۔ جب وہ اس کے پاس گئے تو اس نے آپ کی پیشانی پر نورِ نبوت کی چمک محسوس کی۔ اس نے آپ سے کہا "کیا میں آپ سے کچھ مانگ سکتا ہوں ؟"

آپ نے جواب دیا "اس اونٹ کے سوا جس پر سوار ہو کر میں آیا ہوں اور اسی پر واپس جاؤں گا جو چاہو مانگو۔"

ابرہہ آپ کے اس جواب سے مطمئن نہیں ہوا، بولا: یہ اونٹ تو کیا مکے کے سارے اونٹ میرے حوالے کر دو۔ اس کے علاوہ مکے کی سرداری اور خانہ کعبہ کی سربراہی بھی آج سے میری سمجھو۔ کیا تم جانتے نہیں کہ میں حبشہ کا بادشاہ ہوں ؟ یہ سن کر حضرت عبد المطلب اسے کچھ جواب دیے بغیر مکے لوٹ آئے۔

مکے پہنچ کر آپ نے اہل مکہ سے فرمایا کہ وہ وادی مکہ کے اندرونی حصوں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر چلے جائیں۔ اونٹوں کو آپ نے ان کے گھٹنے بندھوا کر خانہ کعبہ کی چار دیواری کے اندر چھڑوا دیا۔ اہل مکہ نے آپ کے مشورے پر عمل کیا۔

ابرہہ جب بے شمار ہاتھی اور ایک لشکر عظیم لے کر مکے پر حملہ آور ہوا اور اس نے خانہ کعبہ کو منہدم کرنا چاہا تو اللہ تعالےٰ نے اس کے اور اس کے لشکر پر ابابیلیں بھیج دیں جو چیلوں سے مشابہ تھیں۔ ان میں سے ہر ایک کی چونچ میں سمندری کنکریاں تھیں جو مٹی میں لت پت تھیں ان بے شمار ابابیلوں نے لشکر ابرہہ پر جب سنگباری کی تو اللہ تعالےٰ کے حکم سے وہ ہلاک ہو گیا۔

ہم نے اپنی پچھلی کتابوں میں اور آگے چل کر زیر نظر کتاب میں بھی نفیل بن حبیب خثعمی کی روایت بیان کی ہے جس کے مطابق ابرہا کا لشکر مکے کے راستے ہی میں تباہ ہو گیا تھا۔ خود ابرہا کسی طرح جان بچا کر حبشہ پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تھا اور اس نے اہل حبشہ کو بتایا تھا کہ ان پر راستے میں ایک آسمانی بلا نازل ہو گئی تھی۔

ہم نے اپنی پچھلی کتابوں میں وہ اشعار بھی نقل کیے ہیں جو حضرت عبد المطلب نے مکے اور خانۂ کعبہ کے محفوظ و مصئون رہنے پر کہے تھے۔

تناسخ ارواح کا مسئلہ

اہل مذاہب و خروج نے اس مسئلے کے بارے میں عقلی استدلال کے علاوہ بہت سے اقوال خصوصًا عباسؓ بن عبد المطلب کے اس شعر سے استدلال کیا ہے جو انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کہا ہے۔ وہ یہ کہ آپ

ہر زمانے میں اپنی نبوت کی ہر دلیل و حجت کے ساتھ تشریف لاتے رہیں گے۔ لیکن یہ استدلال روح کا کسی جسم میں منتقل ہونے کا ثبوت نہیں ہے بلکہ مراد رُوحانی تصرف سے ہے۔ اس استدلال کے راویوں میں جیساکہ بیان کیا گیا ہے۔ قدیم بن اوس بن حارثہ بن لائی طائی بھی ہے جو جنگ تبوک کے دوران میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان لایا تھا اور اس مسئلے پر آپ سے گفتگو کی تھی۔ اس نے اس سلسلے میں اس روایت کا بھی حوالہ دیا تھا کہ عباس بن عبدالمطلب نے آپ سے عرض کیا تھا کہ آپ مجھے اس فیض خداوندی سے مستفید و مستفید ہونے کی بشارت دیں جو بحیثیت نبی آپؐ کے لیے مخصوص ہے یعنی رُوحانی تصرفات کے علاوہ میں جسمانی طور پر بھی بار بار دنیا میں آتا رہوں تو آپ نے انہیں اس فیض خداوندی سے مستفیض ہونے کی تردید فرماتے ہوئے یہ بھی فرمایا تھا کہ اصولِ خداوندی یہ ہے کہ وہ انسان کو پیدا کرنے کے بعد جب موت سے دوچار فرمائے گا تو پھر اسے اس کے اعمال کی جزا و سزا کے لیے صرف روز قیامت جسمانی شکل میں دوبارہ زندہ کرے گا اور بس) اس کے سوا اس مسئلے پر مزید روشنی ڈالنا خارج از بحث ہے۔

اس کے علاوہ بھی بہت سے اصحاب سیر و اخبار و مغازی نے اس مسئلے پر گفتگو کرتے ہوئے زیادہ تر شعر عبدالمطلب اور شعر عباسؓ کا حوالہ دیا ہے جو ان دونوں نے آپ کے ظہور مبارک اور خود آپؐ کی مدح میں کہے ہیں۔ انہوں نے جس انداز میں استدلال کیا ہے اس پر ہم سطور بالا میں گفتگو کر چکے ہیں کہ اس میں غلو کے علاوہ حقیقی و مجازی معانی پر غور نہیں کیا گیا۔ اس سلسلے میں دو الگ الگ فرقے بھی ظہور پذیر ہوئے یعنی محمدیہ اور علیائیہ۔ بعد میں اور فرقے بھی جو ان سے نکلے مختلف فرقوں میں بٹتے رہے۔ ان سے الگ جو فرقہ غلو کی حد تک نہ پہنچا ان میں اسحاق بن محمد نخفی المعروف احمر بھی ہے جس نے اپنی کتاب "کتاب الصراط" میں اس پر تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ اس کتاب اور اس کے موضوع کا ذکر فیاض ابن علی بن محمد بن فیاض نے اپنی مشہور کتاب "قسطاس فی نقیضۃ لکتاب الصراط" میں کرتے ہوئے اس کے مصنف کے دلائل کا مزید مدلل رد پیش کیا ہے۔ اس طرح فرقہ محمدیہ نے بھی اس کتاب کے ردّ میں بہت کچھ کہا ہے جس کا حوالہ نھکینی نے دیا ہے اور فرقہ علیائیہ کے عقائد بھی پیش کیے ہیں۔ بہرحال اس سلسلے میں قدیم یونانیوں، ہندیوں، فرقہ ثنویہ یا مجوسیوں یہودیوں اور نصاریٰ نے جو کچھ اپنے عقائد کے متعلق عقلی دلائل پیش کیے ہوں اسلام اس کے بارے میں ان سب سے الگ رائے رکھتا ہے اور وہ بھی بغیر کسی دلیل کے نہیں بلکہ اس پر علمائے اسلام نے عقلاً قابل قبول باتیں کی ہیں اور اب یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ انسان کا مرنے

کے بعد کسی حیوانی یا انسانی شکل میں دوبارہ یا بار بار نمودار ہونا خارج از بحث اور ناممکن ہے۔ اس سلسلے میں ہم اپنی پچھلی کتابوں میں احمد بن حائط اور ابن یا قوس[۱] نیز جعفر القاضی کے اقوال اور اس کے ساتھ ان لوگوں کے اقوال پیش کر چکے ہیں جو اس مسئلے پر ہمارے زمانے تک موافق و مخالف رائے دیتے چلے آئے ہیں مثلاً ، حسین بن منصور المعروف حلاج ، اصحاب ابی یعقوب مزائلی ، ابی جعفر محمد بن علی شلمغانی المعروف بابن ابی الغرائر وغیرہ جس سے ان لوگوں کے طریق استدلال کا پتہ چلتا ہے۔ ان کی سب سے بڑی دلیل لیل و نہار کی گردش ہے اور اس سے انہوں نے تناسخ (آواگون) کے سلسلے میں ثبوت فراہم کرنے کی کوشش کی ہے اور مزید ثبوت میں عبد المطلب اور عباس بن عبد المطلب کے وہ اشعار جو انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں کہے ہیں پیش کرتے ہیں جن کا ہم سطور بالا میں ذکر کر چکے ہیں۔

ایمان عبد المطلب میں تنازعات

ایمان عبد المطلب کے بارے میں اہل سیر و تواریخ مختلف رائیں رکھتے ہیں۔ ان میں سے بعض یہ کہتے ہیں کہ وہ مومن موحد تھے اور انہوں نے کبھی شرک کا ارتکاب نہیں کیا بلکہ وہ یہاں تک کہتے ہیں کہ آبائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کسی نے بھی ارتکاب شرک نہیں کیا کیونکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے اصلاب مطہرہ میں سے تھے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت عبد المطلب کے والد نے باقاعدہ نکاح کیا تھا اور وہ دوسروں کی طرح زمانۂ جاہلیت میں بھی اہل عرب کی جاری و ساری رسوم کے پابند نہ تھے۔ لیکن ان میں سے بعض کی رائے یہ ہے کہ وہ بھی مشرک تھے لیکن انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوئے نبوت کو بعد میں قبول کر لیا تھا۔ اس کے بارے میں بھی امامیہ ، معتزلہ ، خوارج اور مرجیہ فرقے باہمی اختلاف آراء رکھتے ہیں ہر کیف ہماری زیر نظر کتاب کے موضوعات میں یہ بحث شامل نہیں ہے اس لیے ہم نے سب کی رائیں بلا کم و کاست یہاں نقل کر دی ہیں۔ ویسے ہم نے ان سب کی آراء اور ان میں سے ہر ایک کے دلائل پر اپنی کتابوں " المقالات فی اصول الدیانات " اور الاستبصار" میں گفتگو کی ہے اور اپنی ایک اور کتاب " الصفوة" میں ان اقوال کا بھی ذکر کیا ہے جو لوگوں میں امامت کے بارے میں مشہور چلے آتے ہیں۔

---

[۱] ایک نسخے میں " ابن یالوس" لکھا ہے (مرتب)

عبدالمطلب ہی وہ شخص تھے جنہوں نے اپنے بیٹے (ابی طالب) کو صلہ رحمی اور لوگوں میں کھانا تقسیم کرنے کی ہدایت کی تھی۔ انہوں نے عقائد کفر سے اجتناب کے علاوہ اپنی ساری اولاد کو مبادء و معاد اور حشر و نشر پر عقیدہ رکھنے کی ترغیب دی تھی انہوں نے اپنے بیٹے عبد مناف کو جن کا نام درحقیقت ابی طالب تھا لوگوں کو پانی پلانے اور رفاہ عامہ کے کاموں پر مامور کیا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگہداشت و پرورش کے بارے میں بھی وصیت کی تھی۔

ابوطالب کا نام کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو عبد المطلب کے لائق فرزند ابوطالب کے نام کے بارے میں بھی مختلف رائیں رکھتے ہیں۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ ان کا اصل نام عبد مناف تھا لیکن کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ابوطالب ان کی کنیت بھی ہے اور نام بھی کیونکہ خود انہوں نے واقعۂ خیبر کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے جو کچھ لکھا ہے اس میں اپنا نام اور ولدیت علی بن ابی طالب درج کیا ہے اور اکثر اہل عرب اسی کے قائل ہیں۔

زبانوں کی تعداد اور اختلاط السنہ نمرود بن کوش بن حام بن نوح کے زمانے میں گردش روزگار اس خاندان کو بابل سے عراق لے آئی تھی جب ان کی زبان سریانی تھی اور وہ بھی بہتر مختلف لغات پر مبنی تھی۔ اس وقت اس زبان میں بھی بابل کو بابل ہی کہا جاتا تھا۔ پھر سام بن نوح کی اولاد اسے سولہ طرح بولتی تھی۔ اس کے بعد وہی سریانی زبان یافث بن نوح کی اولاد میں سے ۳۷ طرح بولی جانے لگی جیسا کہ ہم نے زیر نظر کتاب میں آگے چل کر تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ان میں جو لوگ عربی بولنے لگے وہ یعرب، اجرہم، عاد و عبیل و جدلیس، ثمود و عملاق و طسم اور وبار و عبد ضخم تھے۔

یعرب کی یمن کی طرف مسافت یعرب بن قحطان بن عابر ابن شالخ[1] بن ارفخشذ بن سام بن نوح نے اور اس کے ساتھ اس کی اولاد میں جو لوگ اس وقت اس کے ساتھ تھے انہوں نے یمن کا رخ کیا ہم اس کا ذکر اجمالی طور پر پہلے بھی کر چکے ہیں۔

عاد کا سفر احقاف جب عاد بن ارم بن سام بن نوح نے یعرب کے برعکس احقاف کا رخ کیا تو اس کی اولاد اور اس کے دوسرے ساتھی بھی اس کے

---

[1] ایک نسخے میں بن سالخ بن سالم لکھا ہے (مترجم)

ساتھ ہو لیے۔

رم ذات العماد

عاد کی اولاد احقاف کے بعد عمان، حضرموت اور یمن میں پھیل گئی جس کے بعد یہ لوگ کثیر تعداد میں سطح ارضی کے مختلف مقامات میں منتشر ہو گئے۔
انہیں میں جیرودم بن سعد بن عاد بھی تھا جو پہلے دمشق گیا اور پھر مصر میں جا بسا۔ اسی نے وہاں سنگ مرمر سے یکجا بہت سے ایوان و قصر تعمیر کیے اور ان کا نام "اِرم ذات العماد" رکھا۔ کعب الاحبار کی روایت اس سے مختلف ہے۔ اس کے بیان کے مطابق یہ تعمیرات دمشق میں ہیں اور آج بھی دیکھی جا سکتی ہیں۔ اسی آبادی کے بازاروں میں سے ایک بازار جیرون اب بھی موجود ہے جو جامع مسجد کے قریب واقع ہے۔ یہ سب ایوان و قصور بڑے عظیم اور عجیب و غریب ہیں اور ان کے در و بام بھی حیران کن ہیں۔ ہم نے ان سب کا ذکر حضرت ہودؑ کے ذکر کے ضمن میں کیا ہے۔

ثمود کا حجر میں ورود

عاد بن عوص کے بعد ثمود بن عابر بن ارم بن سام بن نوح اپنی اولاد اور ساتھیوں کے ساتھ بابل سے نکلا اور حجر کے قرب و جوار میں اقامت اختیار کی۔ اس کا ذکر ہم آلِ ثمود کی قوم کے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام کے ذکر کے ساتھ کر چکے ہیں جنہوں نے شام و حجاز کے قریب وادی قریٰ میں اقامت اختیار کی تھی۔

جدلیس کا یمامہ کی طرف سفر

ثمود کے بعد جدلیس بن عابر بن ارم بن سام بن نوح نے اپنی اولاد اور ساتھیوں کے ساتھ بابل سے نکل کر باہر کا سفر اختیار کیا۔ یہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ اس نے یمامہ میں مستقل اقامت اختیار کی تھی۔

عملاق کا مختلف مقامات کی طرف جانا

یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے سب سے پہلے بابل چھوڑ کر حرم و تہائم کے اطراف میں قیام کیا تھا۔ یہ جدلیس کے بعد بابل سے نکلنے والے عملاق بن لاوذ بن ارم بن سام بن نوح، اس کی اولاد اور ساتھی تھے۔
انہیں میں سے کچھ مصر کے فرعون بھی ہوئے ہیں۔ عمالیق کو جو واقعات پیش آئے ان کا ذکر ہم عیص بن اسحاق بن ابراہیم خلیل (علیہ السلام) کے ذکر کے ساتھ کر چکے ہیں کیونکہ عمالیق کو جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں عیص ہی کی اولاد لکھا گیا ہے۔ ویسے عمالیق میں جب وہ سطح ارضی پر اِدھر اُدھر منتشر ہوئے بہت سے حکمران ہوئے۔ ہم نے ان کی حکومتوں اور جنگوں وغیرہ کا ذکر اپنی پچھلی کتاب "اخبار الزمان" میں تفصیل سے کیا ہے اور اس کتاب میں بتایا ہے کہ یوشع بن نون عمالیق ہی کے

ایک حکمران کے ساتھ آیا گیا تھا۔ اس حکمران کا نام سمیدع بن ہوبر تھا۔ باقی عمالیق روم کی طرف چلے گئے تھے اور انھوں نے روم کے شرقی علاقوں[1] شام، مغرب اور جزیرہ میں جزفارس اور ثغور شام کے درمیان سے حکومت حاصل کر لی تھی۔

اذینہ بن سمیدع عملاقی

عمالیق میں پہلا شخص جو روم پہنچ کر وہاں کا حکمران ہوا، اذینہ ابن سمیدع تھا جس کا اعشیٰ نے ذکر کیا ہے۔

شعر "اذینہ کی حکومت کو زوال آیا ❊ تو ذا یزن بھی ملک سے نکالا گیا"

اذینہ کے بعد حسان بن اذینہ بن طرب بن حسان روم میں حکمران ہوا۔ یہ شخص اپنی ماں زبّاء کی نسبت سے معروف تھا۔ اس کے بعد عمرو بن طرب حکمران ہوا۔ یہ بھی اپنی ماں زبّاء ہی کے نام سے پہچانا جاتا تھا۔ کہتے ہیں اس کے اور جذیمہ ابرش ازدی ابی مالک[2] کے درمیان کثرت سے لڑائیاں ہوئیں اور جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ آخر الذکر ہی نے اسے قتل کیا تھا۔ یہ وہی تھا جس کی وجہ سے زبّا نے اپنی ہی اولاد کے خون سے ہاتھ رنگے تھے۔

طسم کا سفر بحرین

عمالیق میں طسم بن لاوذ بن ارم بن سام بن نوح نے بابل سے بحرین کا رخ کیا تھا اور اس کے ساتھ اس کی اولاد اور ساتھی بھی وہیں چلے گئے تھے۔

یہ سب جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں بدوی تھے اور اپنے مساکن سے انہیں کی طرح روئے زمین پر ادھر ادھر منتشر ہوتے رہے۔ آل جدلیس کی کمزوری سے اسود بن غفار نے اور طسم کی کمزوری سے عملوق[3] بن جدلیس نے فائدہ اٹھا کر ان پر غلبہ حاصل کیا تھا۔ علبید بن شریّہ جرہمی جب وفد لے کر معاویہ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا تو اس نے معاویہ کو بتایا تھا کہ طسم بن لاوذ بن ارم بن سام بن نوح اور جدلیس بن عابر[4]، سام بن نوح سب کے سب "عرب العاربہ" (عربی الاصل) تھے لیکن انھوں نے یمامہ کو جس کا پہلا نام "جوّ" تھا ٹھکانا بنا لیا تھا۔

---

[1] پہلے نسخوں میں اصل عبارت "مشارق الشام" کی بجائے مشارف الشام تھی (مرتب)

[2] ایک نسخے میں ابی مالک کی جگہ بن مالک لکھا ہے (مرتب)

[3] " " عملیق لکھا ہے (مرتب)

[4] " " توسیعی عبارت نکال دی گئی ہے (مرتب)

طسمی حکمران عملوق الظالم

آل طسم میں ایک حکمران عملوق نام کا ہوا ہے۔ وہ حد سے زیادہ سخت گیر اور ظالم تھا۔ اس کے پنجہ ہوا و ہوس سے کسی کو پناہ نہ تھی لیکن آل جدلیس پر تو اس نے ظلم و تشدد کی انتہا کر دی تھی۔ اس وجہ سے عملوق کی نسل کے ہاتھ سے حکومت چھن گئی حالانکہ انہوں نے اپنی حکومت میں چہار جانب بلند و بالا عمارتیں تعمیر کرنے اور باغات لگانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ عملوق کی سلطنت کو زوال اس وقت آیا جب آل جدلیس کی ایک عورت جس کا نام ہزیلہ بنت مازن تھا اس کی زوجیت میں آئی۔ اس عورت نے عملوق سے علیحدگی اختیار کر کے ایک شخص ماشق سے شادی کر لی۔ پھر اس سے بھی علیحدگی اختیار کی تو اس کے دوسرے شوہر نے اپنا اکلوتا لڑکا اس کی تحویل میں رکھنے سے انکار کر دیا لیکن ماشق نے اس سے اسے زبردستی چھین لیا تو وہ فریاد لے کر عملوق کے پاس گئی اور کہا کہ ماشق سے اسے نو بار استقرار حمل ہوا لیکن آخر میں صرف ایک بچہ پیدا ہوا اسے بھی وہ اپنے پاس رکھنا چاہتا ہے اور میری گود خالی کرنے پر مصر ہے۔ ماشق نے جواب دہی کرتے ہوئے کہا: "میں نے اس کا پورا مہر ادا کر دیا ہے اور جو چیز بھی اس نے مانگی دے دی ہے، البتہ یہ بچہ میں اسے ہرگز نہ دوں گا۔" عملوق نے دونوں کے دعاوی خارج کرتے ہوئے فیصلہ کیا کہ بچے کو ماشق سے لے کر ہمارے حرم میں رکھا جائے لیکن اس کی حیثیت خدمتگاروں جیسی ہوگی۔ اس قبیل کے بہت سے دوسرے ظالمانہ فیصلے عملوق سے منسوب کیے جاتے ہیں۔

جدلیس کا انتقام

جدلیس نے جب اپنے قبیلے کی ایک خاتون کے مقدمے میں عملوق کا یہ ظالمانہ فیصلہ سنا تو وہ غضب ناک ہو کر عملوق سے انتقام لینے پر تیار ہو گیا قبیلۂ جدلیس میں ایک شخص اسود بن غفار بھی جس کا سارا قبیلہ بڑا احترام کرتا تھا اور وہ دانائی میں بھی مشہور تھا۔ اس نے جدلیس سے کہا کہ تلوار کے زور پر عملوق سے انتقام لینا ناممکن ہے جدلیس نے پوچھا "پھر کیا کیا جائے؟" اسود نے طسم کی مثال دیتے ہوئے کہا کہ دیکھو عملوق کے پاس طسم سے زیادہ فوجی طاقت نہیں تھی لیکن اس نے پھر بھی طسم پر غلبہ حاصل کر لیا تھا۔ جدلیس نے پوچھا "کس طرح؟" اسود بولا "تدبیر سے۔" پھر اس نے جدلیس کو مشورہ دیا کہ عملوق کو دعوت پر بلایا جائے، نہ صرف عملوق کو بلکہ اس کے سارے عمائدین سلطنت اور قبیلے کو بھی دعوت دی جائے۔ اس کے بعد بولا: "پھر تم دیکھ لینا کیا ہوتا ہے۔" جدلیس نے اسود کے مشورے کو دانائی پر محمول کرتے ہوئے اس پر عمل کیا لیکن جب عملوق ان کے ہاں پہنچا تو اسود نے آل جدلیس

کے ایک جمِ غفیر کو جسے اس نے ادھر ادھر چھپا رکھا تھا اشارہ کیا اور اس نے عملوق اور اس کے ساتھیوں کو آناً فاناً تہ تیغ کر ڈالا۔ اسود کی بہن عفیرہ کو اس کی اس سازش کا پہلے سے علم ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے بھائی کو اس سے منع کرتے ہوئے کہا تھا کہ غداری اور غداری کا نتیجہ ہمیشہ ذلت و رسوائی ہوتا ہے لیکن اسود نے عملوق کے مظالم کا حوالہ دیتے ہوئے اس سے کہا تھا کہ عملوق نے بھی کوئی ٹھنی بات نہ ہوگی۔ مثل مشہور ہے جیسی کرنی ویسی بھرنی۔ اس واقعے کے بعد اس دین غفار نے جدیس کو پسِ پشت ڈال کر خود حکومت پر قبضہ کر لیا تھا کیونکہ اس وقت ساری قوم بھی اس کے ساتھ تھی۔ اسود کی بہن عفیرہ نے اس واقعے پر بڑے دردناک اشعار کہے ہیں۔

رباح طسّمی کا حمیر کو جدیس پر غالب کرنا

دھرب کے بیان کے مطابق قبیلہ طسم سے ایک شخص رباح بن مرة طسمی تھا۔ وہ حسّان بن تبع حمیری کے پاس جو آج کل حاکم ہے پہنچا اور اس سے فریاد کی کہ جدیس نے اس کی قوم پر ظلم و تشدد کی انتہا کر دی ہے اس کی قوم کو اس کے مظالم سے نجات دلائی جائے۔ اس نے حسّان کو کچھ جادوئی ٹوٹکے دکھا کر اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ جدیس سے حکومت چھین لے۔ حالانکہ حسّان آخر تک اس سے کہتا رہا کہ اپنے ہی عزیز و قریب قبائل میں خونریزی اچھی نہیں ہوتی۔ بہرکیف حسّان کسی نہ کسی طرح اس کے جھانسے میں آ ہی گیا اور جدیس کے دارالحکومت کی طرف بڑھا۔ دوسری طرف رباح طسمی نے جدیس کو یہ چکمہ دیا کہ حسّان کی حکومت کمزور ہو چکی ہے اس لیے وہ آسانی سے اس پر قبضہ کر سکتا ہے۔ چونکہ اس سے قبل اسود اپنی سازش کے ذریعہ اسے عملوق پر غالب کر چکا تھا اس لیے اس نے رباح طسمی کے اس مشورے کو بھی دانائی اور قرینِ مصلحت سمجھ کر اس پر عمل کر ڈالا۔ جدیس اپنا ایک مخصوص رسالہ لے کر حسّان کی طرف بڑھا اور اپنے مسلح سپاہیوں کو اس کے دارالحکومت کے قریب پہنچ کر رباح طسمی کے مشورے کے مطابق درختوں کی آڑ میں چھپا دیا۔ رباح طسمی نے حسان کے پاس خفیہ طریقے سے پہنچ کر اس سے کہا کہ اس کی بہن یمامہ تین رات کی مسافت تک ہر چیز صاف دیکھ سکتی ہے۔ حسّان نے یمامہ کی آنکھوں کا کاجل دیکھ کر کہا: "تمہاری آنکھوں میں یہ کالی لکیریں کیسی ہیں؟" یمامہ نے اپنے بھائی رباح طسمی کے کہنے کے مطابق جواب دیا۔ یہ حجر اسود کی کالک ہے۔ اگر اسے بطور سرمہ آنکھوں میں لگایا جائے تو تین راتوں کی مسافت تک ہر چیز صاف نظر آنے لگتی ہے۔ مثلاً میں دیکھ رہی ہوں کہ یہاں سے تین راتوں کی مسافت پر ایک مسلح فوجی دستہ درختوں کی آڑ میں چھپا ہوا ہے۔ یہ جدیس کے سپاہی ہیں جنہیں بس دیکھ کر صاف طور پر

پہچان رہی ہوں ۔ اگر آپ اس سے قبل کہ جدلیس یہ رسالہ لے کر اسی طرح درختوں کی آڑ میں چھپتا چھپاتا آپ کے دار الحکومت تک آ پہنچے آپ پہلے ہی پیشقدمی کر کے اسے جالیں اور جدلیس سمیت اس کا کام تمام کر دیں ۔"

حسان بڑا مدبّر اور سمجھ دار حکمران تھا ، اس نے رباح طسمی اور اس کی بہن یمامہ کے مشورے پر عمل تو کیا لیکن وہ اس مشورے کے پس پردہ رباح طسمی کی سازش کو تاڑ گیا ۔ اس نے جدلیس کے ساتھ رباح طسمی کو قتل کر دیا اور اس کی مکار بہن یمامہ کو اس جگہ سولی دی جو پہلے جوّ کی بستی کہلاتی تھی اور اس بستی کا نام یمامہ رکھ دیا جو آج تک مشہور چلا آتا ہے ۔

وبار بن امیم کا سفر

طسم بن لاوذ کے بعد وبار بن امیم بن لاوذ بن ارم بن سام بن نوح جب اپنی اولاد اور اپنی قوم کے ان لوگوں کے ساتھ جنہوں نے اس کا ساتھ دیا اپنی اوّلین اقامت گاہ سے نکلا تو ارض وبار میں اس جگہ ٹھہرا جو رمل عالج کے نام سے مشہور ہے ۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اسے اور اس کے ہمراہیوں کو سطح ارضی پر رضائے الٰہی سے بغاوت کی بناء پر عذاب میں مبتلا کر دیا ۔ جیسا کہ ہم نے زیر نظر کتاب کے پہلے حصّے میں عربی اہل سیر کے حوالے سے بتایا ہے وہ لوگ حد معقول و معتاد سے تجاوز کر گئے تھے اس لیے خدا نے اس عظیم قوم کو جو قوم وبار کہلاتی تھی ہلاک کر دیا جس طرح اس نے طسم ، جدلیس اور واسم کو ہلاک کیا تھا ۔ واسم کی سکونت ارض سماوہ میں تھی انہیں کالی آندھی نے جو باد سموم سے زیادہ گرم تھی ہلاک کیا ۔ یہ جگہ ارض لزی کے بلاد حوران و بثنیہ میں دمشق و طبریہ کے درمیان میں تھی جو ارض شام میں شامل ہیں یہیں پہلے عاد و ثمود بھی آ کر ٹھہرے تھے ۔ کہتے ہیں کہ یہ جگہ جو دیار وبار کہلاتی تھی جنّوں کا مسکن تھی اور بنی نوع انسان میں سے کوئی شخص یا گروہ اس علاقے میں آنا یا آنے کا قصد کرتا تو وہ اسے ہلاک کر دیتے تھے ۔ ویسے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے اس سرزمین کو بڑا شاداب کیا تھا جہاں کے اشجار ہمیشہ پُر ثمر رہتے تھے اور پانی کی بھی وہاں بہتات تھی ، اسی لیے یہ جگہ انسانوں کے لیے بڑی کشش رکھتی تھی ۔ وہاں کے پھلوں میں دوسرے خوش ذائقہ اثمار کے علاوہ انگور ، کھجوریں اور کیلے بڑے لذیذ ہوتے تھے ۔ چنانچہ جس وقت کوئی انسان یا انسانی قافلہ اس طرف غلطی سے یا جان بوجھ کر چلا جاتا تھا تو وہاں رہنے والے جنّ ریت کی شکل اختیار کر کے ان پر صورت عذاب بن جاتے تھے ۔ جو لوگ وہاں سے لوٹنے کا ارادہ کرتے تو وہ انہیں راستے سے بھٹکا دیتے یا قتل کر ڈالتے تھے کیونکہ وہ گمراہی بموجب قتل ہی تھی ۔ اہل مباحث اس سرزمین کو

ارض باطل کہتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ وہاں کی حدود تک جانا بھی سخت حماقت ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو جنہوں آپ کے ساتھ مصر سے خروج کیا تھا اس طرف آنے سے روک دیا تھا۔ اس ارض مجہول کو زمانۂ جاہلیت کے لوگ ہوں یا زمانۂ اسلام کے افراد ہوں یہی کہتے ہیں کہ وہ وادی قریٔ دسمان اور دُھنا ورمل کی سرزمین کے قریب واقع تھی جہاں لوگ کھانے اور پانی کی تلاش میں آکر خیمہ زن ہو جاتے تھے۔ اہل سیر کے نزدیک اب وہاں انسانوں کا نام ونشان نہیں پایا جاتا۔ اب وہاں کوئی رہتا ہے تو وہ قوم جنات سے ہیں یا جنگلی اونٹ بلکہ وہ اُونٹ بھی جنّی حیوانات میں سے ہیں یا وہ جنّ ہیں جنہوں نے وحشی اونٹوں کی شکل اختیار کر لی ہے تاکہ وہاں کوئی انسان نہ آسکے کیونکہ انہوں نے اس سرزمین کی سرحدوں پر اس طرح پہرہ بٹھا رکھا ہے۔

ہم نے اس سلسلے میں وجوب وجواز کے متعلق کچھ کہے بغیر اہل سیر کی روایات کو یہاں اور اپنی پچھلی کتابوں میں بھی بحر اختصار و ایجاز نقل کر دیا ہے۔

عبد ضخم کا طائف کی طرف سفر

وبار بن امیم کے بعد عبد ضخم ابن ارم بن نوح نے اپنی اولاد اور قبیلے کے دوسرے لوگوں کے ساتھ طائف کا رُخ کیا لیکن ان میں سے اکثر اشخاص حوادث روزگار کا شکار ہو گئے اور ان کا نام و نشان تک مٹ گیا، تاہم ازدی اور کچھ دوسرے عرب شعراء نے اپنے اپنے اشعار میں ان کا ذکر کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ عبد ضخم ہی کے عزیزوں نے پہلی بار عربی میں کتابت شروع کی تھی اور اس میں حروف معجمہ "اب ت ث" وغیرہ کی بنیاد ڈالی تھی جن کی کل تعداد انتیس ہوتی ہے۔ کچھ لوگ اس بارے میں مختلف رائیں رکھتے ہیں کہ عربی میں کتابت کی ابتدا کب ہوئی۔

جرہم کا سفر مکہ

عبد ضخم بن ارم کے بعد جرہم بن قحطان اپنی اولین اقامت گاہ بابل سے نکل کر اپنی اولاد اور قبیلے والوں کے ہمراہ عرب کی اجنبی راہوں سے ہوتا ہوا مکے میں وارد ہوا جیسا کہ مضاض بن عمرو جرہمی نے اپنے مندرجہ ذیل اشعار میں بیان کیا ہے:۔

اہل عرب کے اقوال کے مطابق — یہ وہی اجنبی راستے اور راہیں ہیں
اے قوم! انہیں اجنبی راہوں پر چل — کہ جرہم جدی اور ابی قحطان کی یہی راہیں ہیں

امیم کا سفر فارس

جرہم ابن قحطان کے بعد امیم بن لاوذ بن ارم نے فارس کا رُخ کیا جیسا کہ ہم اپنی زیر نظر کتاب اور دوسری کتابوں میں پہلے بیان کر چکے ہیں۔ انساب فارس

کے انساب کے بارے میں جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں مؤرخین میں اختلاف آراء پایا جاتا ہے۔ ویسے عموماً اہل فارس کو کیومرث بن امیم بن لاوذ بن ارم بن سام کی نسل سے بتایا جاتا ہے فارس کے مسلم شعراء نے بھی اپنے عربی اشعار میں سب سے پہلے فارس میں امیم کے ورود کا ذکر کیا ہے، جیسا کہ مندرجہ ذیل اشعار سے ظاہر ہے:۔

"ہمارے آباء سب سے پہلے نیک امیم تمر زمین فارس پر قدم رکھا
ہم انہیں ملوک فارس میں سے ہیں جن پر ہمیں فخر ہے
مؤرخین اور اہل سیر نے نوع انسانی کے بارے میں بہت کچھ کہا ہے
لیکن انہوں نے بھی ہمارے ذکر کو افضل و مقدم رکھا ہے"

(ترجمہ مفہومی)

سطحِ ارضی پر عمارتوں کی ابتدا

ہم نے جہاں جہاں اہل سیر و مؤرخین کے حوالے سے امیم بن لاوذ کے قبائل کا ذکر کیا ہے وہیں انہیں کے حوالے سے یہ بھی بیان کیا ہے کہ بنی نوع انسان نے سطح ارضی پر منتشر ہو کر خانہ بدوشی اور خیمہ و خرگاہی زندگی کے بعد جب اپنے مساکن کے لیے عمارتوں کی بنیاد ڈالی تو اس میں سب سے پہلا قبیلۂ امیم بن لاوذ تھا۔ انہیں نے بلند و بالا ایوان و قصور تعمیر کیے ۔جگہ جگہ شجر کاری کی اور قابل دید باغات لگائے نیز ہر جگہ سطح ارضی کو ہموار کیا۔ ہم یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ ان قبائل میں کوش بن کنعان خصوصاً قبائل نوبہ پیش پیش تھے۔ ہم مُروجُ الذہب کے فرانسیسی نسخے کے حوالے سے یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ کنعان بن حام بلادِ افریقہ اور طنجہ کی طرف گیا تھا جو مغرب میں ہیں۔ بہر کیف راقم الحروف کی رائے میں اولاد کنعان بن حام میں وہ شخص بربر تھا جو اپنے ہمراہیوں کے ساتھ سب سے پہلے ان علاقوں میں جا بسا تھا۔

انساب بربر

انساب بربر کے بارے میں مؤرخین مختلف رائیں رکھتے ہیں۔ بعض انہیں یمن کے غسانی بتاتے ہیں اور بعض قیس عیلان سے بتاتے ہیں۔ بہر کیف کچھ بھی ہو یہ وہ لوگ ہیں جو سیلِ عَرِم کے بعد مختلف مقامات میں پھیل گئے تھے۔ کچھ لوگ اس سے اختلاف کرتے ہیں جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔

شام۔ بلاد کنعان

کنعان بن حام کی اولاد کی اکثریت بلاد شام میں آئی اور کنعانی کہلائے۔ شام کو کنعان کی مناسبت سے بلاد کنعان کہا گیا ہے۔

نوبیر کا سفر ہند

ہم زیر نظر کتاب کی پہلی جلد میں ذکر مصر کے تحت بتا چکے ہیں کہ مصر بن حام

لہ فرانسیسی نسخے کے سوا اور کسی نسخے میں نہیں ہے۔ (مرتب)

اور بصیرو انتباط سے قطع نظر توفیر بن فوط ہی تھا جو سب سے قبل ارض سندھ و ہند کی طرف اپنی اولاد اور ساتھیوں کے ساتھ گیا تھا۔ سندھ میں جو لوگ پہلے سے آباد تھے وہ بڑے طویل القامت اور جسیم تھے لیکن کہا یہ جاتا ہے کہ بلادِ منصورہ میں ارض سندھ کے باشندے توفیر بن فوط بن حام بن نوح کی اولاد ہیں۔ حام کی اولاد زیادہ تر جنوب میں اور یافث کی اولاد شمال مشرق و مغرب کے درمیان آباد ہوئی تھی۔

قوم عاد کی عبادات

قوم عاد ہی وہ قوم تھی جس نے فرش زمین پر خدا سے بغاوت کی۔ ان کا (پہلا) حکمران خلجان بن الوہم تھا۔ قوم عاد تین بتوں کی پوجا کرتی تھی جن کے نام صمود، صداء اور ہباء تھے۔ اللہ تعالےٰ نے ان کی اصلاح کے لیے ان میں حضرت ہود علیہ السلام کو مبعوث کیا لیکن وہ انہیں جھٹلاتے رہے۔ ہود علیہ السلام کا سلسلہ نسب یہ ہے، ہود (علیہ السلام) بن عبداللہ بن ریاح بن خالد بن خلود بن عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح (علیہ السلام) قوم عاد کے دس قبیلے تھے۔ ان کے کفر پر اصرار اور بت پرستی پر اڑے رہنے کی وجہ سے ان کے علاقے میں تین برس تک بارش نہیں ہوئی، زمینیں بنجر ہوگئیں، اس لیے ان میں غلے کا ایک دانہ بھی نہ اُگ سکا۔

اصل شرک

جیسا کہ ہم ذکر امیم میں بتا چکے ہیں وہ صانع حقیقی اور خالق کائنات کا تصور رکھتی تھیں، انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ حضرت نوح علیہ السلام خدا کے پیغمبر تھے، وہ یہ بھی جانتی تھیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر عذابِ الٰہی کیوں نازل ہوا تھا۔ وہ اس عذاب سے اس قدر متاثر تھے اور خدا کی ہیبت ان پر اس قدر طاری تھی کہ انہوں نے اسے راضی رکھنے اور اس کی قربت حاصل کرنے کے لیے بہت سے اصنام تراش لیے تھے، گویا وہ ان کے پردے میں خدا کی عبادت کرتے تھے لیکن یہ درحقیقت ان کا وہم تھا۔ خانہ کعبہ میں بتوں کی موجودگی کی بھی یہی وجہ تھی۔ مکہ اس وقت ایک ریتیلا مقام تھا جس کی ریت سُرخ رنگ کی تھی۔ پہلے قوم عاد ہی پانی کی تلاش میں مکے آئی تھی۔ البتہ آج کل مکے میں عمالیق آباد ہیں۔ جو لوگ وہاں پہلے آباد ہوئے تھے انہوں نے پانی سے سیراب ہوکر رفتہ رفتہ شراب اور لہو و لعب کو اپنا منتہائے مقصود بنا لیا تھا اس کے بارے میں معاویہ بن بکر کی متعدد منظومات میں خاصی تفصیل ملتی ہے۔ مرثد بن سعد کے اشعار کا بھی اس سلسلے میں حوالہ دیا گیا ہے۔

قوم عاد کی ہلاکت

قوم عاد پر اللہ تعالےٰ نے زہریلی ہوا کا عذاب نازل فرمایا تھا۔ کچھ

لوگ کہتے ہیں کہ وہ مسلسل موسلا دھار بارش کا عذاب تھا لیکن زہریلی ہوا کا ثبوت خود عاد کے اس قول سے ملتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں نقل فرمایا ہے (عاد نے کہا :- بل ھو ما استعجلتم بہ، ریحٌ فیھا عذابٌ الیم- آیت) یہ زہریلی ہوا انہیں چار دن تک گھیرے رہی۔ ان کے دُوسرے چار دن بھی بڑے عذاب میں گزرے کیونکہ پہلے چار دن میں ان سے اکثر ہلاک ہو چکے تھے اور جو بچ رہے تھے وہ دہشت سے اگلے چار دن تک کانپتے لرزتے رہے۔ ہم نے قوم ہود کی اس کیفیت کو ذکر شہود کے ضمن میں بیان کیا ہے۔ جب ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو عذاب الٰہی سے مطلع کر دیا تھا اس کے بعد آپ دُوسرے مومنین کو لے کر وہاں سے رُخصت ہو گئے تھے۔

قوم ثمود کا آخری حکمران خلجان تھا جس کا ہم نے عاد و ثمود کے حکمرانوں کے ساتھ پچھلے صفحات میں ذکر کیا ہے۔ کچھ مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ قوم عاد کا پہلا حکمران عاد بن عوص تھا (جس نے تین سو سال حکومت کی، اس کے بعد ابن عاد بن عوص حکمران ہوا[1])

جُحفہ جب عرب میں سکونت پذیر قومیں اور قبائل وہاں سے نکل آئے تو دوسری قومیں وہاں آ بسیں قوم بنی حنیفہ یمامہ سے چل کر جب عرب کی سرزمین میں آئی تو سب سے پہلے جُحفہ میں ٹھہری اور وہیں متوطن ہو گئی۔ یہ جگہ مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے۔ انہوں نے وہاں آباد ہو کر کھیتی باڑی اور حصولِ رزق کے لیے دُوسرے کام شروع کر دیے، انھیں کے ایک شاعر نے بطور وطن جُحفہ کی مدح کی ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جُحفہ میں جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے سب سے پہلے عبیل[2] بن عوص ابن ارم بن سام بن نوح آباد تھا جس کے ہمراہ اس کی اولاد اور قبیلے والے بھی تھے مگر وہ سب سیلاب کی نذر ہو گئے تھے۔ اس عذاب سیل ہی کی بنا پر اس جگہ کا نام جُحفہ پڑ گیا کیونکہ اس جگہ کے باشندوں کو دورانِ سیلاب میں اجحاف سخت پریشانیوں سے واسطہ پڑا تھا۔

یثرب کیونکہ یثرب بن قانیہ بن مھلیل بن ارم بن عبیل اپنی اولاد اور قبیلے کے ساتھ مدینے میں آکر مقیم ہوا تھا۔ اس لیے اس مقام کا نام اس کے نام پر یثرب مشہور ہو گیا۔ یثرب اور اس کا قبیلہ بھی حوادث روزگار اور آفات ارضی و سماوی کی نذر ہو گیا۔ اسی قوم کے ایک شاعر نے اس کا ذکر

---

[1] یہ توسیعی عبارت کسی اور نسخے میں نہیں پائی جاتی (مرتب)

[2] ایک نسخے میں عبید بن عوص لکھا ہے (مرتب)

ذکر کیا ہے۔

خدا نے اس قوم کی سرکشی کے نتیجے میں اسے اپنی قدرت کا کرشمہ دکھایا اور اس کا ذکر قرآن پاک میں یوں فرمایا۔ کذبت ثمود وعاد بالقارعۃ، فاما ثمود فاهلكوا بالطاغیۃ، واما عاد فاهلكوا بریح صرصر عاتیۃ)

قوم شعیب

اہل شراۃ قوم شعیب بن نویل بن رعویل[1] بن مر بن عنقا و بن مدین بن ابراہیم خلیل اللہ (علیہ السلام) کے بارے میں مختلف الرائے ہیں۔ بہرکیف ان کی زبان عربی تھی۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وہ عربی الاصل اور دنیا کی ابتدائی اقوام میں سے تھے۔ بعض نے انہیں "اجیال خالیہ" سے بتایا ہے۔ کچھ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ وہ محض بن جندل بن یعصب بن مدین بن ابراہیم کی اولاد سے تھے۔ حضرت شعیب کو نسباً اسی قوم کے اخوان میں شمار کیا جاتا ہے۔

اس قوم میں کچھ بادشاہ بھی ہوئے ہیں جنہوں نے دور و نزدیک کے ممالک میں حکمرانی کی ہے۔ انہیں میں ابی جساد، ہور وحطی، کلمن وسعفص وقرشت وغیرہ بھی ہوئے ہیں جن کے ناموں پر حروف ابجد پڑے ہیں۔ انہیں میں جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں بنو محض بن جندل وغیرہ بھی تھے جن کے ناموں سے حروف جمل منسوب ہیں۔ ان حروف کی تعداد ۲۹ ہے جن کے گرد حساب جمل گردش کرتا ہے۔ ان حروف کی وجہ تسمیہ اس توجیہ کے علاوہ بھی بیان کی گئی ہے جیسا کہ ہم پہلے اپنی دوسری کتابوں میں بتا چکے ہیں۔ زیر نظر کتاب میں ہمارا مقصد مختلف آراء پیش کرنا اور ان پر بحث کرنا نہیں ہے۔

ابجد مکہ اور سرزمین حجاز میں اس کے متصل علاقوں کا حکمران تھا جب کہ ہوز اور حطی بلاد وج کے حکمران تھے جو طائف اور اس سے متصل نجدی علاقہ ہے۔ کلمن، سعفص اور قرشت مدین کے حکمران تھے۔ بعض لوگوں نے انہیں مصر کا حکمران بتایا ہے اور کلمن کو ملک مدین کا حکمران لکھا ہے۔ بعض نے اسے ان تمام ملکوں کا حکمران لکھا ہے جن کا ہم نے سطور بالا میں نام لیا ہے۔

عذاب یوم ظلہ کلمن ہی کے ملک پر نازل ہوا تھا۔ حضرت شعیب نے (علیہ السلام) اسے اور اس کی قوم کو خدائے تعالیٰ پر ایمان لانے کی ہدایت کی تھی لیکن انہوں نے ان کو جھٹلایا تھا۔ اس پر حضرت شعیبؑ نے انہیں عذاب یوم ظلہ کی خبر دی تھی۔ چنانچہ ان پر عذاب نازل ہوا تھا جو آسمان سے باران آتش کی صورت میں تھا۔ اس سے قبل حضرت شعیبؑ اور ان پر ایمان لانے والے مشہور

---

[1] ایک نسخے میں بن نوفل بن رعیل لکھا ہے (مرتب)

موضع ایکہ میں چلے گئے تھے۔ جب مذکورہ بالا قوم آگ کی گرمی کی تاب نہ لاسکی اور مسلسل ہلاک ہونے لگی تو اس نے حضرت شعیبؑ اور ان کے ماننے والے مومنین کو بلا کر امن طلب کی۔ چنانچہ آپ کی دعا سے آگ کی بارش بند ہوگئی اور ٹھنڈی ہوا چلنے لگی۔ اس کم بخت قوم نے یہ دیکھ کر کہ عذاب ختم ہوگیا ہے یہ نہ سمجھا کہ اس کی وجہ بارگاہِ خداوندی میں حضرت شعیبؑ کی دعا تھی۔ انہوں نے بار دیگر آپ کو اور آپ پر ایمان لانے والوں کو اپنے ہاں سے نکال باہر کیا جس کے بعد ان پر وہی عذاب پھر نازل ہوگیا۔ اس پر کلمن کی بیٹی حارثہ بنت کلمن جو حجاز میں مقیم تھی وہاں پہنچی انہیں متنبہ کیا اور حضرت شعیبؑ سے ان کے لیے پھر دعا کرائی۔

مذکورہ بالا ملوک کے سلسلے میں بہت سے عجیب و غریب واقعات اور ان کی محاربات کے قصے بھی بیان کیے گئے ہیں جو ہم اپنی پچھلی کتابوں میں بیان کر چکے ہیں۔

حضورا اور اس کا نسب

بنی حضورا ایک عظیم قوم تھی جس نے سطح ارضی کے مختلف ممالک میں حکمرانی کی۔ لوگوں کا حضورا کے نسبی روابط کے بارے میں جو خیال ہے اس میں اکثر اختلاف و تضاد پایا جاتا ہے۔ بعض لوگ ہماری رائے کے مطابق قوم حضورا کو عربی الاصل بتاتے ہیں۔ بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ قوم یافث بن نوح کی اولاد میں سے تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر شعیب بن مہدم بن حضورا ابن عدی کو بہ حیثیت نبی کے بھیجا تھا۔ یہ شعیب شعیب بن نویل بن رعویل بن مر بن عنفقا بن مدین بن خلیل حاکم مدین سے الگ ہیں جس کی بیٹی سے حضرت موسےٰ علیہ السلام ابن عمران نے شادی کی تھی جس کا پہلے ذکر آچکا ہے۔ ان دونوں میں مدت مدید کا فرق ہے جس طرح حضرت موسےٰ اور حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کے ادوار کے درمیان ایک ہزار سال کا فرق ہے۔ جب یہ دوسرے شعیب بطور نبی بنی حضورا پر ظاہر ہوئے اور انہوں نے اس قوم کو نیک راہ پر چلنے کی ہدایت کی اور خدا کے خوف سے آگاہ کیا تو انہوں نے انہیں قتل کر دیا، حالانکہ ان سے بہت سے معجزات کا ظہور ہو چکا تھا جو اللہ تعالیٰ نے ان کی نبوت کی صداقت کے ثبوت میں ان کے ذریعہ ظاہر فرمائے تھے اور اس طرح وہ اتمام حجت کر چکے تھے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کسی بے گناہ اور مظلوم کا خون ضائع نہیں جانے دیتا اس لیے اس نے ان کی طرف ایک اور نبی اسی زمانے میں بھیجا۔ وہ حضرت برخیا بن اخنیا ابن زرتائیل بن شالتان[1] تھے اور یہود ابن اسرائیل بن اسحاق بن

---

[1] ایک نسخے میں "برخیا بن اخنیا بن زربائیل بن شالیال" لکھا ہے (مرتب)

ابراہیم خلیل اللہ (علیہ السلام) کی اولاد میں سے تھے ——————— آپ کی بخت نصر سے ملاقات ہوئی تھی جو اس وقت شام میں تھا۔ اس نے آپ سے کہا تھا کہ میں نے سات راتوں تک جو خواب دیکھے ہیں ان سے آپ کے دعویٰ نبوت کی تصدیق ہوتی ہے، لہٰذا جو کچھ اب آپ فرمائیں گے میں اس پر عمل کروں گا اور اس ظالم قوم سے مقتول نبی کے خون کا بدلہ ضرور لوں گا۔ اس کے بعد بخت نصر نے قوم حضورا پر ایک عظیم لشکر کے ساتھ چڑھائی کی۔ اور اس طرح وہ ظالم قوم اپنے کیفر کردار کو پہنچی۔

منازل حضورا لوگوں میں اس بارے میں بھی اختلاف ہے کہ بنی حضورا کہاں رہتے تھے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وہ ارض سماوہ میں رہتے تھے۔ یہ آبادی حجاز کی سرحد پر عراق و شام کے درمیان ہے اور اب کھنڈرات کی شکل میں ویران پڑی ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ بنی حضورا بلاد جند قنسرین میں جو تل باسح کی طرف بلاد سوریہ میں ہے، رہتے تھے۔ یہ جگہ اب ارض شام کے علاقہ قنسرین کی اس قلمرو میں شامل ہے جو حلب کا اضافی علاقہ کہلاتا ہے۔

ہم اب تک قدیم عرب کے بارے وہ سب حالات بیان کر چکے ہیں جو ظہور اسلام سے قبل گزرے اور اس کے ضمن میں مختلف مذاہب اور عقائد کا ذکر بھی آچکا ہے۔ ان کے علاوہ کچھ ماضی کے حالات جو باقی رہ گئے ہیں انشاء اللہ اگلے باب میں بیان کریں گے۔

باب (۱۵)

زمانۂ جاہلیت میں انفاس و الہام وصفر اور ظاہر و باطن کے بارے میں عربوں کے خیالات

نفس کے بارے میں اختلافات زمانہ جاہلیت میں عربوں کے درمیان نفس کی کیفیات کے بارے میں اختلاف رائے تھا۔ کچھ لوگ یہ کہتے تھے کہ خون اور سانس الگ الگ چیزیں ہیں، البتہ رُوح جسم انسانی کے اندرونی حصّوں میں ہوا کی طرح خون اور سانس کی روانی میں معاونت کرتی ہے۔ مختلف شہروں کے فقہا کہتے تھے کہ نفس جو شب و روز جسم کے اندر رواں رہتا ہے جسم کے پانی میں پہنچنے کے بعد لمحاتی طور پر ہی سہی ساقط ہو جاتا ہے۔ وہ پوچھتے تھے کہ اس وقوف اور روانی کی آخر کیا وجہ ہے؟ وہ کہتے تھے کہ سانس کی سکتی کیفیت پر غور و خوض لازم ہے۔ وہ کہتے تھے کہ انسان کے مرنے کے بعد جسم میں خون کی روانی جو بحالت حیات موجود ہوتی ہے رُک جاتی ہے کیونکہ مُردہ جسم میں وہ نمی، رطوبت اور حرارت جو زندہ جسم میں ہوتی ہے باقی نہیں رہتی وہ کہتے تھے کہ ہر زندہ شخص کے جسم میں یہ حرارت و رطوبت ہوتی ہے جو بعد از مرگ باقی نہیں رہتی، اگر کچھ چیز باقی رہتی ہے تو وہ یبوست اور برودت ہوتی ہے۔

ان میں سے کچھ لوگ یہ کہتے تھے کہ جسم میں سانس اس پرندے کی طرح ہے جو آزادی کے لمحات میں ادھر ادھر اُڑتا پھرتا ہے۔ انسانی زندگی میں اس پرندے کی آزادی بحال رہتی ہے لیکن جونہی اس کی زندگی ختم ہوتی ہے اس پرندے کی پرواز بھی رُک جاتی ہے۔ انسان طبعی موت مرے۔ کسی حادثے کا شکار ہو جائے یا قتل کر دیا جائے نتیجہ ایک ہی ہوتا ہے یعنی اس طائر نفس یا طائر رُوح کی پرواز کا اختتام۔ البتہ یہ پرندہ انسان کی قبر یا اس کی جائے وفات پر بھٹکے ہوئے پرندے کی طرح چکر لگاتا رہتا ہے۔

الہام مذکورہ بالا طائر نفس یا طائر روح کا نام زمانۂ جاہلیت کے عربوں نے الہام رکھا ہوا تھا لیکن ظہور اسلام کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ ہام یا صَفر توہمات کے سوا کچھ نہیں ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں عربوں کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ طائر نفس نومولود بچے کی طرح ہوتا ہے اور بچے ہی کی طرح بڑھتا اور پروان چڑھتا رہتا ہے۔ یہ پرندہ اس اُلّو کی طرح جو راتوں کو بولتا ہے ہر بالغ انسان کو آواز دیتا اور پل پل کی خبر دیتا رہتا ہے، یہ طائر نفس یا طائر رُوح ہی الہام ہے جو مرگ انسانی کے بعد بھی اس کی جائے مرگ پر بولتا اور اس کی موت کا اعلان کرتا رہتا ہے یہ قول حاتم طائی سے منسوب کیا جاتا ہے جس کے حالات ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔

نقلِ ارواح نقل ارواح کے بارے میں عربوں کے اسلاف زمانہ جاہلیت میں جو عقیدہ رکھتے تھے اور وہ خود بھی ظہور اسلام سے قبل اس سلسلے میں جن باتوں کے قائل تھے اس کا ذکر ہم نے اپنی پچھلی دو کتابوں "سرّ الحیات" اور "دعادی" میں بہ توفیق خداوندی تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔

باب (۱۶)

غیلان و تغول کے بارے میں زمانۂ جاہلیت کے عربوں کے عقائد اور ان کی متعلقہ باتیں

غول بیابانی کے متعلق عربوں کی رائے

عربوں کے نزدیک غول بیابانی کا کام تنہا مسافروں کو گمراہ کرنا ہے۔ ان کے خیال میں وہ مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتے ہیں اور مسافر کو مختلف آوازوں میں مخاطب کرتے ہیں۔ یہ خیالات اکثر عرب شعراء نے اپنے اشعار میں بھی قلم بند کیے ہیں۔

بعض عربوں کے اقوال کے مطابق بھوت پریت اور چڑیلوں کے پنجے اُلٹے ہوتے ہیں، اسی لیے انھیں "پچھل پاوے" بھی کہا گیا ہے۔

غول بیابانی کے اجسام کا گھٹنا بڑھنا

عرب کہتے ہیں کہ غول بیابانی جب شام کے دھندلکوں یا رات کے اندھیروں میں بھولے بھٹکے مسافروں کے سامنے آکر متجسم ہوتے ہیں تو وہ حسب ضرورت اپنی اشکال بدلنے کے علاوہ اپنے اجسام کو بھی گھٹا بڑھا لیتے ہیں۔ جو لوگ ویرانوں میں ان کے وجود کے قائل ہیں وہ ان کے مساکن وادیوں کے اندرونی حصّے اور چٹیل میدان یا خشک پہاڑوں کی چوٹیاں بتاتے ہیں۔

ان عربوں کے علاوہ بعض صحابہ نے بھی اپنے مشاہدات کا ذکر کرتے ہوئے ان سے دوچار ہونے کے واقعات بیان کیے ہیں۔ ان صحابہ میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ آپ نے ظہورِ اسلام سے قبل اپنے سفرِ شام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ اس سفر میں کسی غولِ بیابانی نے آپ کو راستے سے بھٹکانے کی کوشش کی تھی لیکن آپ نے تلوار میان سے نکال کر اسے ٹھکانے لگا دیا تھا۔

فلاسفہ کی رائے

بعض فلاسفہ غولِ بیابانی کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ نادر الوجود حیوان ہیں جن کی جسمانی ساخت طبعی نہیں ہوتی، اسی لیے ان کے افعال طبعی اجسام کے تابع نہیں ہوتے۔ جب وہ فرداً فرداً حالتِ وحشت میں کھانے پانی کی تلاش میں اپنے مساکن سے باہر آتے ہیں تو وہ یا تو وحشی انسانوں کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں جن کی شکلیں خوفناک ہوتی ہیں یا ان کی صورتیں بہائم کی جیسی ہوتی ہیں۔ اہلِ ہند کہتے ہیں کہ غولِ بیابانی درحقیقت کواکب ہیں جو آسمان سے زمین تک آتے آتے مختلف اشکال میں ظاہر ہوتے ہیں۔ مثلاً کلب جبار، سہیل جب وہ برج حمل میں ہو یا کوکب ذنب جب وہ برج دب میں ہو۔ ان کے ظاہر ہونے کے اوقات اور اشکال مختلف ہیں۔ ان کے نزدیک وہ اکثر صحراؤں اور خرابوں میں نمودار ہوتے ہیں۔ ہندوؤں نے ان کواکب کی تعداد ۴۸ بتائی ہے۔ ان کا ذکر بطلیموس اور اس سے پہلے اور بعد کے کچھ فلاسفہ نے بھی کیا ہے۔ ابومعشر نے اپنی مشہور کتاب "المدخل الکبیر الی علم النجوم" میں ان میں سے ہر ستارے کی شکل وقت ظہور پر مفصل گفتگو کی ہے۔

ایک گروہ کا خیال ہے کہ آپ ہر اس شے کو جو عجیب الخلقت ہو "غول" کہہ سکتے ہیں، بہرکیف ان کا حاملِ حیات ہونا ضروری ہے۔ ان میں سے بعض کا خیال ہے کہ وہ نسوانی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں اور اکثر لوگ اپنے مشاہدات کے حوالے سے یہی بیان کرتے ہیں۔ ان میں کچھ لوگ سعلات اور غول میں امتیاز کے بارے میں بھی اپنے مشاہدات کا حوالہ دیتے ہیں۔ بہرکیف اس ضمن میں ان کے مختلف اقوال ہیں۔

ہم نے اس موضوع پر اپنی پچھلی کتابوں میں مفصل گفتگو کی ہے۔ ظہورِ اسلام سے قبل عربوں کا خیال تھا کہ غولِ بیابانی اکثر ذاتوں کو مختلف اشکال میں نمودار ہو کر ہوا میں تحلیل ہو جاتے ہیں۔ ان کے خیال میں یہ شہاب ثاقب ہوتے تھے جو زمین تک آتے آتے متشکل ہو جاتے تھے۔

شیاطین وغیرہ

غیلان کے بارے میں لوگوں کے متعدد اقوال ملتے ہیں۔ ان میں شیاطین، مردہ جن، قطرب، غدار وغیرہ جو سب کے سب غیلان کہلاتے ہیں بنوع شیاطین میں شامل ہیں۔ ان میں وہ بھی ہیں جو انسانی شکل میں ظاہر ہو کر عمل مناکحت بھی کر بیٹھتے ہیں لیکن جلد ہی ان کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ ایسے واقعات اکناف یمن و تہائم اور مصر کے بالائی علاقوں میں سننے میں آئے ہیں لیکن ہم انہیں سوانح فاسدہ میں شمار کرتے ہیں۔

ہم زیرِ نظر کتاب میں کسی شرعی حکم یا اس بارے میں اہلِ شریعت کے اقوال کا ذکر نہیں کریں گے

نہ اہل تواریخ اور دیگر مصنفین کے بیانات پر تنقیدی نظر ڈالیں گے۔ ویسے وہب بن منبہ اور ابن اسحاق وغیرہ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے جنوں کو نارِ سموم سے پیدا کیا ہے اور ان کی زوجاؤں کو انہیں کے جسم سے خلق کیا ہے جس طرح حوا کو آدم سے تخلیق کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جنات کی ہر مؤنث ۸۱ انڈے دیتی ہے ان میں سے جو بیضہ قطربہ سے نکلتا ہے وہ اُم القطارب ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ ان قطارب کے مسکن عموماً سمندر ہوتے ہیں لیکن وہ خرابوں، ویرانوں اور نہروں پر بھی رہتے ہیں۔ قطارب کے علاوہ جنوں کی مختلف اقسام ہیں جو پہلے انڈے سے لے کر ۸۱ ویں انڈے تک پیدا ہوتے اور مختلف ناموں سے پکارے جاتے ہیں۔ اولی الاجنہ بھی انہیں میں سے ہوتے ہیں۔ اسی آخری بیضے سعالی، دواسق اور حمامیص نام کے جن پیدا ہوتے ہیں۔ ہم نے ان کا ذکر مختلف بیانات اور کتب کی روشنی میں کر دیا ہے لیکن ہم ان کے غیر متمتع یا لاواجب ہونے پر کچھ کہنا نہیں چاہتے۔ ویسے کچھ مؤرخین و مصنفین ہمارے ان اذکار پر بھی معترض ہو سکتے ہیں لیکن ظاہر ہے کہ ایک مصنّف کی حیثیت سے ہم نے مخالف و موافق جملہ اقوال اپنے قارئین کے سامنے رکھ کر بحیثیت مصنّف اپنا فرض منصبی ادا کر دیا ہے۔ بہرکیف جنوں کا وجود حقیقت ثابتہ ہے اور ان کے مرائی تک لوگوں نے سنے ہیں۔ جن اشخاص نے اس موضوع پر روشنی ڈالی ہے ہم نے ان کا ذکر نام بنام اپنی کتاب المقالات فی اصول الدیانات میں کر دیا ہے۔

باب (۱۷)

ہاتفانِ غیبی اور جنّات کے متعلق اقوالِ عرب

عرب اور اس کے متصل ملکوں میں ہاتفانِ غیبی کی بہتات تھی۔ یہ بہتات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایام ولادت اور آپ کی بعثت کے زمانے کے متصل ایام میں حد سے زیادہ تھی۔ ہواتف کا مطلب اس غیر مرئی یا نادیدہ شخصیت سے مراد تھا جس کی آواز سنی جاتی تھی۔

ہواتف کے متعلق اقوال عرب

ہواتف اور جنّات کے بارے میں عربوں کے اندر مختلف رائیں تھیں۔ ان میں سے ایک فریق کا خیال تھا کہ کسی نادیدہ شخصیت کی آواز اس وقت سُنی جاتی ہے جب کوئی شخص تنہا کسی ہیبت ناک مقام یا وادی سے گزر رہا ہو اور اس کے دل میں خوف و دہشت یا فضول وسوسے متمکن ہو جائیں اور اسے یہ آواز ان بے جا توہمات اور وسوسوں کے خلاف مشورہ دیتی ہے اور اس کی ڈھارس بندھ جاتی ہے اور غلط تفکرات اس کے دل سے نکال دیتی ہے۔

جنّات کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ اپنی آدھی شکل میں انسان سے مشابہ ہوتے ہیں ان کا خیال تھا کہ مسافروں پر ان کے سفر کے دوران ظاہر ہوتے ہیں۔ وہ انھیں شق کہتے ہیں۔

علقمہ بن صفوان کا جن سے واسطہ

کہتے ہیں کہ علقمہ بن صفوان بن اُمیہ بن محرب کنانی جو مروان بن حکم کا نانا تھا ایک دفعہ مکے جانے کے لیے کچھ مال لے کر نکلا تو اسے راستے میں ایک جنّ سے سابقہ پڑ گیا۔ وہ جن یا جیسا کہ سطور بالا میں بیان کیا گیا وہ شق علقمہ سے بولا:۔

اے علقمہ! میں مقتول ہوں   میرا گوشت کھا لیا گیا ہے

اب میں انہیں مسلول سے غلاموں کی مار مارتا ہوں
چاہے وہ چار آئینہ پہنے ہوں

علقمہ نے جواب دیا :-

اے شق میرا تیرا کیا ہے تو مجھے بے ضرر جانے دے
کیا تو اسے قتل کرے گا جس نے تجھے قتل نہیں کیا ؟

جنّ بولا :-

علقمہ تیرا مال تیرے پاس عقل ہے اسے غنیمت سمجھو
اور جو مصیبت تجھ پر پڑنے والی ہے اس پہ صبر کر !

اس کے بعد دونوں میں لڑائی شروع ہوئی اور دونوں اس میں کھیت رہے - یہ بھی کہا جاتا ہے کہ علقمہ نے جن کو قتل کر دیا تھا یا جنّ نے اسے مار ڈالا تھا -

جنّ کے ہاتھوں حرب بن اُمیّہ کا قتل

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حرب بن اُمیّہ کا بھی جنّ سے سابقہ پڑا تھا تو جنّ نے اسے قتل کر دیا تھا -

حرب نے مرنے سے پہلے مندرجہ ذیل شعر کہا تھا ؎

"حرب کی قبر ایک ویران مقام پر ہے جہاں حرب کی قبر ہے وہاں کوئی دوسری قبر نہیں ہے"

کہتے ہیں کہ جو لوگ جنات کے ہاتھوں قتل ہوئے ان میں مرداس بن ابو عامر سلمی بھی تھا یعنی ابو عباس سُلمی - کہا جاتا ہے کہ ابو عباس جنّ کو شعر سُنا کر قائل کرنا چاہتا تھا لیکن جب وہ شعر سُنا رہا تھا اسی وقت جنّ نے اسے قتل کر دیا -

قبر حاتم طائی کا مہمان سے ہمکلام ہونا

یحییٰ بن عقاب نے یکے بعد دیگرے علی ابن حرب ابی عبیدہ معمر بن مثنیٰ اور منصور بن یزید طائی ثم صامتی کے حوالے سے بیان کیا ہے :-

"میں نے حاتم طائی کی قبر قُبّہ میں دیکھی تھی ، وہ ایک پہاڑ پر ہے جس کی وادی کو خابل کہا جاتا ہے - حاتم کی قبر کے چاروں طرف بڑے بڑے پتھر چُنے ہوئے ہیں جن کا اٹھانا کسی انسان کے بس کا نہیں ہو سکتا - اس کے قریب کسی سبزے کا ہونا حیرت ناک ہے لیکن وہاں ہے - وہاں ایک ناریل کا درخت بھی ہے اس کے پھل لوگ کھاتے ہیں - حاتم کی قبر کے چہار جانب چار چار پتھروں کی چار دیواری ہے جس سے قبر کی حفاظت کی

گئی ہے ۔ حاتم کی قبر پر جنات بھی پائے جاتے ہیں جن کے چہرے اس قدر سفید ہیں کہ جن کی مثال ملنا مشکل ہے ۔ ہم نے انہیں دُور سے دیکھا ، وہ قبر حاتم پر نوحہ کناں تھے ۔ وہ رات کا وقت تھا لیکن جب ہم صبح کو قبر حاتم پر گئے تو وہاں پتھروں کے سوا کچھ نہ تھا ۔"

یحییٰ بن عقاب جوہری نے عبدالرحمن ابن یحییٰ منذری ، ابی منذر ہشام کلبی ، ابو مسکین بن جعفر بن محرز بن ولید اور اس کے باپ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ محرز بن ولید کا باپ ابی ہریرہؓ کا غلام تھا اسے لوگ محمد بن ابی ہریرہ کہتے تھے اس کا بیان ہے کہ ایک شخص جس کی کنیت ابا بختری تھی ایک دفعہ سفر کرتے ہوئے حاتم طائی کی قبر کے قریب سے گزرا ۔ وہ ایک قافلے کے ساتھ سفر کر رہا تھا جو اسی کی قوم کے لوگوں پر مشتمل تھا ۔ یہ قافلہ قبر حاتم کے قریب وادی میں شب گزاری کے لیے مقیم ہوا ۔ قافلے والوں نے ابا بختری کو زور زور سے کہتے سُنا ۔

" اے ابو جعد ! مجھ سے ہمکلام ہو ! "

وہ بولے :۔ کیا تو دیوانہ ہوا ہے جو آدھی رات کو یوں بڑبڑا رہا ہے ؟"

ابا بختری نے جواب دیا :" سامنے کے پہاڑ پر حاتم طائی کی قبر ہے جب کوئی شخص اس کی قبر کے قریب سے گزرتا ہے تو حاتم اس سے ضرور ہمکلام ہوتا ہے ۔ میں اسی لیے اسے ہمکلام ہونے کے لیے پکار رہا ہوں تعجب ہے کہ اس نے ابھی تک کوئی جواب نہیں دیا ۔"

یہ سُن کر قافلے والوں نے اس کا مذاق اُڑایا لیکن رفتہ رفتہ خاموش ہو گئے ۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے ابا بختری کو قافلے سے نکل کر حاتم کی قبر کی طرف جاتے دیکھا تو میں بھی اس کے پیچھے ہو لیا ۔ ابا بختری نے جب قبر حاتم پر پہنچ کر اسے آواز دی تو وہ تلوار ہاتھ میں لیے قبر سے باہر نکلا اور ابا بختری سے دیر تک گفتگو کرتا رہا ۔ جب ابا بختری قافلے میں لوٹ کر آیا تو صبح ہو رہی تھی ۔ اس نے قافلے والوں سے رات کا واقعہ سُنایا تو وہ پھر ہنسنے لگے ۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے ابا بختری کے قول کی تصدیق کی ۔ اس کے علاوہ میں نے ابا بختری نے اور جملہ اہل قافلہ نے دیکھا کہ تھوڑی دُور ایک اونٹ ذبح کیا ہوا پڑا ہے ۔ گویا یہ حاتم طائی کی طرف سے قافلے کو بطور مہمان داری پیشکش تھی ۔

اس راوی کے علاوہ خود ابا بختری کا بیان یہ ہے کہ پہاڑ کی دوسری طرف ایک اور قافلہ ٹھہرا ہوا تھا ۔ وہ اس طرف وہاں گیا تو ایک شخص نے اس سے اس کا نام پوچھا ۔ جب اس نے نام

بتایا اور رات کا واقعہ سُنایا تو وہ شخص بولا: "میں عدی بن حاتم طائی ہوں۔ میں یہاں اکثر آتا رہتا ہوں ——— میرے باپ کی قبر پر ایسے واقعات ہوتے ہی رہتے ہیں۔
خواب میں میں نے کل رات تمہیں دیکھا تھا اور یہ بھی کہ تم میرے والد بزرگوار کو آواز دے رہے ہو باقی سارا واقعہ بھی میں نے خواب میں دیکھا جس کی تم سے تصدیق ہو گئی۔"

اس واقعے کا ذکر سالم بن زرارہ غطفانی نے بھی اپنے اس قصیدے میں کیا ہے جو اس نے عدی بن حاتم طائی کی مدح میں کہا ہے۔ اس کے علاوہ ابوبکر محمد بن حسن بن درید نے ابی حاتم سجستانی اور ابی عبیدہ معمر بن مثنیٰ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ اول الذکر نے اس سے کہا کہ آخر الذکر نے ایک بوڑھے آدمی کو دیکھا جس کی عمر سو سال سے کم نہ ہوگی۔ اس بوڑھے نے اس سے بیان کیا کہ ایک روز اس وادی سے گزر رہا تھا جس کے قریب پہاڑ پر حاتم طائی کی قبر ہے۔ رات اندھیری تھی آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے لیکن کبھی کبھی کوئی تارا ان بادلوں سے جھانکنے لگتا تھا۔ میں اندھیری رات میں راستہ بھول کر اُدھر جا نکلا تھا اور حد درجہ خائف تھا کہ ایک آواز آئی:۔

شعر:۔ "درست! اطمینان سے چلتا رہ اسی راستے سے اپنی منزل پر جا پہنچے گا"

راوی کا بیان ہے کہ اندھیری رات میں اس آواز کو سُن کر ڈر سہم گیا۔ تھوڑی دیر میں کیا دیکھتا ہوں کہ ساری وادی یک دم روشن ہو گئی اور اِدھر اُدھر کچھ طویل القامت لوگ کھڑے تھے جن کے چہرے قندیلوں کی طرح روشن تھے۔ ان کے چہروں سے ساری وادی روشن ہو گئی تھی چنانچہ میں اس کے بعد بے خوف ہو کر اس وادی سے گزر کر صحیح راستے پر آنکلا تو دیکھا کہ مشرق سے آفتاب طلوع ہو رہا تھا۔ اس کے بعد راوی سے لوگوں نے بیان کیا کہ اس پہاڑ پر جہاں حاتم طائی کی قبر ہے جنات رہتے ہیں۔ وہ حاتم کی قبر کی حفاظت کرنے کے علاوہ اس کی قبر پر مرثیہ خوانی اور نوحہ خوانی بھی کرتے رہتے ہیں۔

باب (۱۸)

قیافہ، زجر و عیافہ اور سانح و بارح میں عربوں کے خیالات

قیافہ اور اس کے جواز میں اختلاف

جیسا کہ بیان کیا گیا ہے قیافہ شناسی اور اس کے جواز کے بارے میں عرب مختلف الرائے رہے ہیں۔ کچھ اہل تحقیق کی رائے یہ ہے کہ دوسری چیزوں کے سلسلے میں شباہت سے اندازہ لگانا بجا ہے لیکن اگر کوئی بچہ صورت و شکل میں اپنے باپ پر نہ جائے تو اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ وہ اس کا بیٹا نہیں ہے غلط اور بے جا ہوگا۔ دوسرے تحقیق کنندہ کہتے ہیں کہ صورت و شکل میں مشابہت سے قطع نظر دوسری بہت سی ایسی باتیں ہیں جن کی رُو سے باپ بیٹے میں مماثلت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے اور وہی قیافہ شناسی کا مناسب ترین طریقہ ہے۔ یہ بات صرف کسی شخص اور اس کے صلبی بچوں کے سلسلے میں کہی جا سکتی ہے ورنہ قیافہ شناسی کے اور بہت سے قاعدے اور قرائن ہیں۔ باپ بیٹے کے بارے میں مشابہت پر انحصار کرنا یقیناً غلط ہوگا۔ دوسرے معاملات میں آثار و قرائن دلیل قیافہ شناسی بن سکتے ہیں۔

قیافہ شناسی میں عرب کی خصوصیت

قیافہ، فال، شگون اور اندازوں میں عربوں کا اختصاص و امتیاز درست سہی لیکن اوّل تو یہ خصوصیت عرب کے ہر علاقے میں نہیں پائی جاتی دوسرے صرف عربوں کو اس سلسلے میں خصوصیت دینا غلط ہوگا کیونکہ یہ باتیں عقلاً درست ہوں یا غلط دُوسری قومیں بھی ان خصوصیات سے خالی نہیں ہیں۔ عربوں سے قطع نظر فرنگیوں اور دوسری قوموں میں بھی یہ باتیں پائی جاتی ہیں یہ الگ بات ہے کہ علم قیافہ شناسی دوسری قوموں میں عربوں سے منتقل ہوا ہو کیونکہ جملہ نوع انسانی میں عربی الاصل

اقوام ہی اوّل اوّل سطح ارضی پر پھیلی ہیں، لہٰذا عربوں کی کچھ خصوصیات کا دوسری اقوام میں منتقل ہو جانا کوئی بعید از قیاس بات نہیں ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ چونکہ ظہور اسلام کے بعد عربوں کا بربنائے فتوحات فرنگ فرنگیوں سے زیادہ سابقہ رہا ہے اور وہ بھی عربوں سے قریب تر رہے ہیں لہٰذا انہوں نے یہ باتیں عربوں سے لی ہوں۔ بہرحال ان علوم کے جواز و وجوب سے قطع نظر اور ان پر عمل کرنے کے علاوہ بھی عربوں کی یہ خصوصیات قابل تسلیم ہیں جیسے علم نقاط اور دست شناسی کی ابتدا بربر سے ہوئی اور اسے ان علوم میں اختصاص و امتیاز حاصل ہے۔

قیافہ کا منشاء

اس سلسلے میں اہل بحث و تنقید کہتے ہیں کہ قیافہ کا منشاء کسی شئے کی اصلیت اور اس کی اہمیت معلوم کر کے نتائج تک پہنچنا ہے۔ ایک چیز دوسری چیز سے اس قدر مشابہت رکھتی ہے کہ کسی اور چیز میں اتنی مماثلت و مشابہت نہیں پائی جاتی مثلاً اس سے نسلی و نسبی تشخص کا پتہ چل جاتا ہے۔ تشبیہ نسل تشبیہ نوع کے قریب تر ہے اور دونوں بلحاظ مشابہت مشترک ہیں۔ چنانچہ یہی چیز ان حضرات کے نزدیک قیافے کی اصل ہے کیونکہ کسی شئے کا الحاق اپنی مثل شئے سے ممکنات میں سے ہے اور ان کا مساوی ہونا بھی ممکن ہے۔ یہ مساوات اور اس کی اہلیت و ماہیت تک پہنچنا عقل کی پختگی پر منحصر ہے۔ یہ استدلال اہل قیاس فقہا اور اہل اسلام کا نہیں ہے کیونکہ ایک بیٹا اپنے باپ سے مشابہ ہو یہ ضروری نہیں ہے بلکہ ان کے نزدیک اور بہت سی باتیں ہیں جن میں ان کی مشابہت و مماثلت ہو سکتی ہے مثلاً انفعال وغیرہ جیسے نشست و برخاست چلنا پھرنا اور عادات و اطوار۔ فلاسفہ متقدمین بھی اسی نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اہل قیافہ کے نتائج اخذ کرنے کا طریقہ ہر حال میں درست نہیں ہو سکتا۔ جسمانی ساخت کا انحصار علاقائی آب و ہوا پر بھی ہوتا ہے اور نسلوں پر بھی جیسے رومیوں کی نسل کا پتہ ان کی شکل و صورت سے لگ سکتا ہے اس طرح اہل جبال یا پہاڑی علاقوں میں رہنے والوں کی جسمانی ساخت میں جو خصوصیت ہوتی ہے وہ وہاں کی آب و ہوا کا نتیجہ ہوتی ہے۔ رومیوں کی طرح دوسری کچھ نسلیں بھی نسل در نسل ایک ہی شکل و صورت پر چلے جاتی ہیں۔ ہم نے اس موضوع پر اپنی دوسری کتابوں میں اسرار طبیعہ اور نیز اس امر پر کہ جو ہر عالم ظلمت میں تبدیل ہوتا رہتا ہے اور نور کا استثنا اس سلسلے میں شواذ میں داخل ہے اور یہ کہ چند نفوس ایسے ہیں جن پر جسم کی موجودگی کے بغیر نوری ہونے کا اطلاق ہوتا ہے، تفصیل سے گفتگو کی ہے اس بحث میں آدم کے بیٹے شیث، زرتشت، مسیح ولیوس اور ان دو شخصیتوں کا بھی حوالہ آ گیا ہے جن پر تفصیلی روشنی ڈالنا اور ان کا تعارف بھی ناممکن محسوس ہوتا ہے۔ اس بحث میں نور و ظلمت کی

قدامت پر بھی بحث ہو چکی ہے اور مجوسیوں کے نبی زرتشت کے اقوال پر بھی جو محالات میں شامل ہیں اور جن میں منطقی طور پر تضاد پایا جاتا ہے۔ یا پولس کا قول کہ جناب مسیح (علیہ السلام) انسان بھی ہیں اور الوہیت میں خدا کے شریک بھی۔ یہ سب باتیں ہم نے کتاب استرجاع دابانتہ میں تفصیل سے بیان کی ہیں۔ اس لیے اب صرف موضوعِ زیرِ بحث پر گفتگو کریں گے۔

زجر یا شگون

منقری نے عتبی کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ ایک بار عبید الراعی اپنے ایک ساتھی کے ساتھ اپنے گھوڑے پر کسی ویران جگہ کے قریب سے گزر رہا تھا اس سفر سے ان کا مقصد بنو تمیم کے کسی شخص سے ملاقات کرنا تھا۔ چلتے چلتے وہ کسی جنگل سے گزرے تو عتبی کے بیان کے مطابق عبید کا گھوڑا چلتے چلتے رُک گیا۔ اس نے اس سے شگون لیا کہ آگے خطرہ ہے۔ اس نے اپنے ساتھی کو بھی آگے بڑھنے سے روکا لیکن وہ ہنس کر آگے بڑھ گیا۔ تو اگلے درخت سے لٹکے ہوئے ایک حد درجہ زہریلے سانپ نے اسے ڈس لیا۔ اس واقعے کا ذکر عبید الراعی نے اپنے ایک شعر میں بھی کیا ہے۔

ان امور میں بعض عربوں کی خصوصیت

ان امور کے سلسلے میں عرب کے کچھ علاقے اور قبائل خصوصیت رکھتے ہیں جیسے کہانت یمن کے لیے مخصوص سمجھی گئی ہے۔ اس طرح شگون لینا بنی اسد کے لیے، قیافہ بنی مدلج کے لیے۔ نقصانات کی پیشگوئی ابن نزار بن معد کے قبیلے کے لیے مخصوص ہیں۔ جمل، رمل وغیرہ سب قیافے کی مختلف شکلیں ہیں۔ میں نے کچھ قبائل کو جمل و رمل وغیرہ میں خصوصیت کا حامل پایا ہے۔

قیافہ

ظہور اسلام سے قبل قیافہ شناسی قریش کی خصوصیت سمجھی جاتی تھی۔ ہوا کدھر کی چل رہی ہے، مٹی اُڑ کر کدھر جاتی ہے، پرندہ چھوڑا جائے تو کدھر کا رُخ کرتا ہے۔ ان باتوں سے قیافہ کرنا اور نیک و بد شگون کا اندازہ کرنا ان کے لیے مخصوص تھا لیکن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ان عاداتِ قبیحہ اور خیالات فاسدہ سے نجات دلائی۔ غارِ ثور پر مکڑی کا جالا تن دینا اس سلسلے میں بطور خاص پیش کیا جا سکتا ہے کیونکہ اس موقع پر قریش کی بصارت و بصیرت دونوں زائل ہو کر رہ گئی تھیں۔

اہل شرع کے نزدیک قیافہ کے ذریعہ نتائج اخذ کرنا باطل سمجھا گیا ہے۔ اس سلسلے میں احادیث رسول اللہ موجود ہیں۔ ہم کچھ ملکوں میں اب تک لوگ اس پر عامل ہیں۔ ہم نے اس سلسلے میں اپنی ایک دوسری کتاب "کتاب الرؤس السبعۃ فی الاحاطہ بسیاسۃ العالم و اسرادہ" میں مفصل گفتگو کی ہے (یہ کتاب اس موضوع پر خاصی شہرت یافتہ ہے)

باب (۱۹)

کہانت اور نفس ناطقہ کی وحدانیت کے بارے میں لوگوں کے مشاہدات

دعویٔ علمِ غیب کی اصلیّت

کہانت کے متعلق لوگوں میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے ان میں ایک گروہ یونان وروم کے حکماء کا ہے۔ انہیں علوم غیب کا دعویٰ تھا۔ وہ کہتے تھے کہ اسرارِ طبیعی سے خود ان کے نفوس انہیں مطلع کر دیتے ہیں کیونکہ نفس کلیۃ میں اشیاء کی صورتیں واحد ہیں، جب وہ ان کے مشاہدے کا عزم کرتے ہیں تو وہ مجسم ہو کر ان کی نگاہوں کے سامنے آجاتی ہیں۔ نفوس میں ایک "کدر" ہے جو نفس حسیہ، نفس نزاعیہ اور نفس متخیلہ پر مشتمل ہے۔ یہ نفس کدر" انسانی اجسام کی قوتوں کے علاوہ ایک مزید قوت ہے جس سے انسانی جسم کی قوت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ یہ نفس انسانی میں ایک نوری نسبت ہے جو استخراج غیب میں معاون ہوتی ہے۔ یہ فطانت و ذہانت اور ظن وگمان میں سب پہ غالب ہے اس کے ذریعہ کہانت کی شخصیات شق وسطیح، سلقمہ و زولعہ، سدلیف وہواس، طریقہ کاہنہ وعمران (مزیقیا، حارثہ وجہینہ کا بھائی) اور کاہنہ باہلہ اور ان جیسے دوسرے کاہن وکاہنات غیبی ابھر کر سامنے آجاتے ہیں اور علومِ غیب اور اسرار طبیعی سے واقفیت کے خواہشمندوں کے سامنے آکر انہیں زمانہ مستقبل میں واقع ہونے اور ظہور پذیر ہونے والی باتوں سے آگاہ کر دیتے ہیں۔

عرافہ اور بعض عرافین

عرافت کہانت سے بالکل الگ چیز ہے جو علم غیب سے لوگوں کو آگاہی بخشتی ہے۔ اس کے دعوے داروں میں ابلق ازدی، اجلح دھری، عرزہ بن زید ازدی اور رباح بن عجلہ ہیں جو یمامہ کے عرّاف کہلاتے ہیں اور زیادہ مشہور ہیں۔ یہ

لوگ عروہ کے بقول سب سے قدیم عراق میں سے ہیں۔

عرب میں کہانت

کہانت کی اصل نفسی بتائی جاتی ہے۔ وہ جسم انسانی کی وہ لطافت ہے جو اس کی مادیت پر غالب آکر اعجاز کے قریب پہنچ جاتی ہے۔ یہ چیز عربوں میں بطور ندرت اکثر پائی گئی ہے جو مزاج طبیعی کی لطافت سے حاصل ہوتی ہے اور مادی قوتوں پر نور نفس کو غالب کر دیتی ہے۔ یہ قوت کثرت وحدت کو ابھار کر انسانی جسم کی کثافت کو کم اور عفت نوری کو بڑھا دیتی ہے جس سے بوقت غور و فکر انسان کی نگاہوں کے سامنے جملہ اسرار غیب عینی ہو کر آجاتے ہیں جو نفس انسانی کی عفت و حرمت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اسی قوت سے انسان آئندہ وقوع پذیر ہونے والے اسرار کے بارے میں پیشگوئی کر سکتا ہے۔

حکمائے یونان نے بھی یہی کہا ہے کہ جب انسانی تفکر لطافت و پاکیزگی کی حدود طے کر لیتا ہے تو اسرار غیب اس کے روبرو ہو جاتے ہیں۔ اہل شریعت اس چیز کو رویائے صادقہ سے تعبیر کرتے ہیں اور اسے پاکیزگی نفس کی علامت بتاتے ہیں۔ جب نفس انسانی کی پاکیزگی ان حدود میں داخل ہوتی ہے تو وہ مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کے بارے میں موہوم آگاہی حاصل کر لیتا ہے۔

خواب اور اس کے اسباب

لوگ خواب، اس کے وقوع اور ماہیت و کیفیت کے بارے میں بھی اختلاف رائے رکھتے ہیں۔ ایک فریق کے نزدیک نیند انسان کے امور ظاہری سے ہٹ کر نفس کے اشتغال باطنی کا نام ہے۔ وہ اس کے دو اسباب بتاتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ جب انسان اپنی کھلی آنکھوں سے اشیاء پر نظر ڈالتا ہے تو ان کے فرق کو ظاہری طور پر محسوس کر سکتا ہے۔ دُوسرے یہ کہ جب وہ حالت خواب میں ہوتا ہے تو اس کے حواس ظاہری اور ادراک باطل ہو جاتے ہیں کیونکہ اس وقت رُوح انسانی اشتغال باطنی میں مصروف ہوتی ہے۔ پھر جب حواس خمسہ اور ادراک باطل ہوں تو بچہ ہو یا بوڑھا ان چیزوں کے خوف یا سرور سے بے نیاز ہو جاتا ہے جن سے وہ بیداری کی حالت میں متاثر ہوتا ہے۔ حالت خواب میں وہ چیزیں سامنے آتی ہیں جن کی ضرورت انسان عالم بیداری میں محسوس کرتا ہے جیسے بچہ بھوک کے وقت دُودھ کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ یہ ضرورت طبعی رُو سے اس وقت محسوس ہوتی ہے جب معدہ غذا سے خالی ہوتا ہے۔

دوسرا فریق کہتا ہے کہ اشکال اشیاء کا ادراک دو باتوں پر منحصر ہے یعنی حس اور فکر پر جو اشکال محسوس ہوتی ہیں وہ اپنی ظاہر ہیئت کے بغیر محسوس نہیں ہو سکتیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جب انسان حالت

خواب میں ہوتا ہے تو اس کے احساس کی قوت ضرور باطل ہو جاتی ہے لیکن قوتِ فکر میں اضافہ ہو جاتا ہے جسے اشتغالِ رُوح سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس وقت انسان دیکھتا ہے کہ وہ پرواز کر رہا ہے، بالکل پرندوں کی طرح حالانکہ وہ پرندہ نہیں ہوتا۔ البتہ یہ سب کچھ انسانی نفس کی کدورت اور پاکیزگی پر منحصر ہے۔ اگر نفس میں پاکیزگی ہے تو وہ حالت خواب میں بھی مستقبل میں وقوع پذیر ہونے والے حالات کو کھلی آنکھوں دیکھتا ہے لیکن اگر نفس میں کدورت ہو تو اس کے خواب بھی صرف فاسد خیالات کا نتیجہ ہوتے ہیں اور صداقت سے انہیں دُور کی نسبت بھی نہیں ہوتی۔ اسی لیے ایسے سب خواب جھوٹے ہوتے ہیں۔

ایک اور فریق کا خیال ہے کہ حالت خواب میں بھی حواسِ خمسہ معطل نہیں ہوتے اور اشتغال رُوح کے وقت بھی طبعی طور پر جسم سے ان کا تعلق قائم رہتا ہے جو بصورت مشارکت و ملائیت ادراک اشیاء کے لیے ضروری ہے۔ تاہم رُوح انفصال و انفصال جسدی دونوں حالتوں میں ادراک اشیاء پر قادر ہے جو ویسے ممکن نہیں یعنی بحالت بیداری و خواب جسم انسانی بغیر مشاہدہ مدرکات ان کے متعلق کچھ کہنے پر قدرت نہیں رکھتا یعنی حواس خمسہ صرف بحالت بیداری عمل کرتے ہیں۔

ایک اور فریق جسے آخری فریق کہنا چاہیے۔ یہ رائے رکھتا ہے کہ نیند کا وقت وہ ہوتا ہے جب جسم میں خون ایک جگہ جمع ہو کر جگر کی طرف منتقل ہونا شروع ہوتا ہے۔ ان کے خیال میں خواب، فاسد معدے کی خرابی کی وجہ سے نظر آتے ہیں اور خوش گوار خواب معدے کے سکون و راحت کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

ایک فریق جو مذکورہ بالا ہر فریق سے الگ ہے یہ رائے رکھتا ہے کہ خوش گوار خواب ملکوتی اور بدخوابی شیطانی عمل ہے۔ یہ فریق اپنی رائے کے متعلق مندرجہ ذیل قولِ باری تعالیٰ بطور استدلال پیش کرتا ہے:۔

"انما النجوی من الشیطان لیحزن الذین آمنوا۔"

اس سلسلے میں متعدد اہل علم نے اپنی اپنی رائے کا اظہار کیا ہے اور خوابوں کو مختلف لوگوں کے مزاج سے منسلک بتایا ہے۔ مثلاً بعض لوگوں کے مزاج بلغمی ہوتے ہیں بعض کے سوداوی۔ پھر یہ کہ انسان کی طبیعت پر بہت سی باتیں اثر کرتی ہیں جیسے حالت سکر و سرور، معطر ماحول وغیرہ جو طبع انسانی پر خوشگوار اثر ڈالتی ہے۔

طبعی اثرات پر گفتگو کرنے والے لوگوں میں اس کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ

غم و غصہ، سکر و سرور، فرحت و انبساط انسان کے جسم میں رواں خون پر اثر انداز ہوتے ہیں نیز خوف و دہشت سے بھی انسان کے خون میں تغیر پیدا ہوتا ہے۔ ہم نے اس پر اپنی کتاب الرویا والکمال میں تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ یہاں ہم نے اس بحث میں پڑنے سے اس لیے احتراز کیا ہے کہ زیر نظر کتاب کا موضوع تاریخ ہے نہ کہ بحث و نظر۔ ویسے متکلمین اور دوسرے فلاسفہ نے رُوح و بدن کے متعلقات اور اقسام نفس پر سیر حاصل گفتگو کی ہے جن میں حکمائے یونان و اسلام دونوں شامل ہیں۔ ہم نے ان موضوعات پر افلاطون وغیرہ کے اقوال کے حوالے سے اپنی دوسری کتابوں "سر الحیات" وغیرہ میں مفصل گفتگو کی ہے۔

کاہنوں کے سطیح و شق

کہانت کے سلسلے میں سطیح و شق کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ عرب میں ربیع ابن ربیعہ بن مسعود بن مازن ذئب[۱] بن عدی بن غسان سطیح کاہنان کے نام سے مشہور ہے۔ وہ اپنے جسم کو کپڑے کی طرح موڑ توڑ سکتا تھا یہاں تک کہ سر کی ہڈی کے سوا اس کے سارے جسم میں کسی ہڈی کا نام و نشان بھی محسوس نہیں ہوتا تھا۔ ربیع ابن ربیعہ کے علاوہ ابن مصعب بن شکران بن اترک بن قیس بن عنقر بن انمار بن ربیعہ ابن نزار شق الکاہنہ کہلاتا تھا اور یہ دونوں ہم عصر تھے۔ اسی طرح جمرۃ الکاہنہ بھی ان دونوں کا ہم عصر تھا۔ اور سملقہ و زدلبعہ دونوں ہمعصر ہوئے ہیں، واللہ اعلم۔

---

[۱] ایک نسخے میں ذئب کی جگہ دفیر لکھا ہے (مرتب)

باب (۲۰)

ذکر کاہناں، سیل عرم اور قوم ازد کی مختلف شہروں کی طرف بھاگ دوڑ

ہم پچھلے باب میں کہانت، قیافہ، زجر اور بارح و سانح کا ذکر کر چکے ہیں۔ زیر نظر باب میں اب ہم کچھ باقی ماندہ کاہنوں، سیل عرم اور اولاد سبا کی مختلف شہروں کی طرف بھاگ دوڑ اور وہاں ان کی آباد کاری کا ذکر کریں گے۔

اسدّ و بانیہ اور ان کا محل وقوع

جب تک اولاد قحطان عیش و آرام میں رہی وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلے لیکن سبا کی ہلاکت کے بعد سے ان کی حکومت اور اس کے ساتھ ہی راحت و مسرت پر زوال آگیا۔ وہ صدیوں شہر بہ شہر بھٹکتے اور آوارہ پھرتے رہے۔ ان کے تعیش اور کفر و طغیان کا نتیجہ سبا کی ہلاکت اور سیل عرم کی صورت میں ظہور پذیر ہوا۔ ان کی حکومت کا اختتام عمرو بن عمر مزیقیا جو نسبی اعتبار سے درحقیقت عمرو بن عامر بن ماؤالسماء بن حارثہ فطریف بن ثعلبہ بن امرئ القیس بن مازن بن ازد بن غوث بن کہلان بن سبا تھا اور اس کی جائے قیام ارض یمن میں بلادِ مازن میں تھی۔ یہ سبا کا مقام سکونت تھا جس کا ذکر اللہ تعالےٰ نے قرآن میں فرمایا ہے اور جس کی قوم پر عذاب الٰہی سیل عرم کی صورت میں نازل ہوا تھا۔ ارشادِ خداوندی یہ ہے "و انسد، اَرسل علی اہلہا سہل العرم"۔

یہ مقام سدّ کہلاتا تھا اور طول و عرض میں میلوں پھیلا ہوا تھا۔ سدّ کی بنیاد لقمان اکبر العادی نے ڈالی تھی۔ یہ لقمان بن عاد ابن عاد تھا جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ جب سدّ پر عذاب الٰہی سیل عرم کی صورت میں نازل ہوا تو ان کی حکومت اور مال و اموال سب غارت ہوگئے۔ اس سلسلے میں واقعات بیان کرنے والوں میں تھوڑا بہت اختلاف پایا جاتا ہے اور کہیں کہیں ان کے بیانات متضاد بھی ہیں۔

بلادِ سبا قدیم مؤرخین لکھتے ہیں کہ سرزمینِ سبا یمن کے شاداب ترین علاقے میں تھی ۔ وہاں کے اکثر مقامات پر باغات لگائے گئے تھے جن میں ثمردار درخت اور پھولوں کی کیاریاں تھیں۔ شہر خیاباں در خیاباں تھے جن کی شاہراہوں پر دو رویہ درخت لگائے گئے تھے۔ باغات میں سیر کرنے کے لیے لوگ مختلف قسم کی سواریوں میں آتے تھے ۔ باغات کی کثرت اور سایہ دار اشجار کی کثرت کا یہ حال تھا کہ ہر شہر کے باشندے دھوپ کی تمازت محسوس ہی نہیں کرتے تھے ۔ وہاں کے باشندے بھی ہر طرح کے عیش و آرام میں زندگی بسر کرتے تھے ۔ شادابی و خوشحالی ان کا مقدر تھی ، فضا معطر اور پانی مصفا اور کثرت سے تھا ۔ جہاں بھی جاؤ لوگ شریف اور با اخلاق نیز مہمان نواز اور متواضع پائے جاتے تھے ۔ سد و جبال کے پار ایک عظیم دریا تھا جس سے تیس نہریں نکالی گئی تھیں جو سارے علاقے کے طول و عرض میں گھومتی ہوئی بہتی تھیں ۔ لوگوں میں علم کا زور شور تھا ۔ شہر سبا بڑے بڑے حکماء و علماء کا مسکن تھا جہاں دُور دُور سے لوگ ان کے علم و فضل سے فیضیاب ہونے اور ان سے اپنے مختلف معاملات میں مشورہ طلب کرنے کے لیے آتے تھے ۔ سیل عرم سے پہلے جب کبھی وہاں سیلاب آتا تھا تو لوگ سد (دیوار) یا پہاڑوں کی چوٹیوں پر پناہ لے لیا کرتے تھے اور سمندری طوفان کا پانی انہیں نہروں سے جن سے وہ آتا تھا سمندر ہی میں واپس چلا جاتا تھا ۔ اس سلسلے میں ان لوگوں نے بہت سے بند بھی بنا دیے تھے جو ان سیلابوں سے حفاظت کا آسان طریقہ تھا ۔ دریا پر پُل بنائے گئے تھے جن میں بڑے بڑے پھاٹک بنائے گئے تھے ، یہ پھاٹک بند اور پانی کی نکاس دونوں کے کام آتے تھے ۔ پُلوں کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی تھی اور اس طرح ان پھاٹکوں کی تعداد کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

انہدام کی ابتدا جب ان پر عذاب الٰہی سیلِ عرم کی شکل میں نازل ہوا تو وہ لوگ سرکشی و تمرّد کی انتہا کو پہنچ چکے تھے ۔ عیش و آرام نے ان کی عقلوں پر پردے ڈال دیے تھے چنانچہ جب ان پر مشہور سیلاب آیا تو وہی پُل اور ان کے پھاٹک ، بلند و بالا عمارتیں بلکہ جبل در جبل ان کے لیے غرقاب ہو کر عذاب بن گئے ۔ اس کے بعد وہاں کے بچے کھچے لوگ بھی اُجڑ کر اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے ۔ ان کے اس طرح اُجڑنے اور ان کی تباہ حالی کا حال سیل عرم کی خبروں کے ضمن میں قریب قریب ہر مؤرخ نے کسی اختلاف کے بغیر لکھا ہے۔

عَرِم عَرِم کی تباہی اور وہاں کے باشندوں کی تباہی کے حالات قلمبند کرتے میں کسی مؤرخ نے جیسا کہ ہم نے سطور بالا میں بیان کیا کوئی کوتاہی کی ہے نہ خلاف دیانت کوئی بات لکھی

ہے سیلِ عرم طوفانِ نوح سے کسی طرح کم نہ تھا جب کہ آسمان سے بارش کے تسلسل کے علاوہ تنوروں سے بھی پانی اُبل پڑا تھا، دیارِ سبا کے باشندوں پر جو افتاد پڑی اس نے ان کے دلوں سے اس کی شہرت و عظمت کو بھلا دیا ہے۔

سفّاح کے سامنے قحطانیوں اور عدنانیوں کا اظہارِ مفاخرت

ایک روز اولادِ قحطان میں سے بعض لوگوں نے سفّاح کی مجلس میں حمیر و کہلان کے اوصاف بیان کرتے ہوئے انہیں فخر یہ طور پر اولادِ نزار پر ترجیح دی جن میں نزار بن معد کے خالد بن صفوان وغیرہ بھی شامل تھے اور یہ کہا کہ ان میں سفّاح جیسی شجاعت اور اس کا رُعب و دبدبہ نہیں تھا حالانکہ اس کے ماموں بھی بنی قحطان میں سے تھے۔ اس مجلس میں خالد بن صفوان بھی موجود تھا۔ سفاح نے اس سے کہا: "خالد بن صفوان! تم کیا کہتے ہو؟ کیا واقعی قحطانیوں کو عدنانیوں پر ان کے اوصاف کے لحاظ سے ترجیح حاصل ہے جس پر عدنانی فخر کر سکیں؟" یہ سُن کر خالد بن صفوان بولا! میں ایسی قوم کے بارے میں کیا کہہ سکتا جن میں یا تو چمڑے کی دباغت کرنے والے تھے یا جُلاہے (چادریں بُننے والے) اور سائیس، گدھوں پر سواری کرنے والے اور بھٹی جھونکنے والے جنہیں شہسواری کی ابجد بھی نہیں آتی تھی حتیٰ کہ ان پر ایک عورت حکمرانی کرتی تھی۔" خالد بن صفوان کا اشارہ اس زمانے کی طرف تھا جب یمن کی حکمران ایک عورت تھی اور یمن پر حبشہ کے رہنے والوں نے چڑھائی کر دی تھی۔

شعرِ عرب میں عرم کا ذکر

عرب کے شاعروں نے اکثر عرم کی شادابی، اس کے باغات اور مرغزاروں نیز آب و ہوا کی تعریف کی ہے۔ یہ جگہ پہلے مارب کہلاتی تھی اور صدیوں اسی نام سے مشہور رہی لیکن سبا کے دورِ حکومت میں اس کے مذکورہ بالا اوصاف کی وجہ سے اسے عرم کہا جانے لگا اور یہ جگہ تاحال اسی نام سے یاد کی جاتی ہے۔

طول عمر و عمر لُسور

ہم نے اپنی کتاب اخبار الزمان میں اس بادشاہ کا ذکر کیا ہے جو اپنے حسن و جمال، سیرت و کردار اور طول عمری کی وجہ سے مشہور تھا۔ اس کی عمر عمرِ لُسور سے بھی زیادہ تھی۔ بنی نسر کی طوالت عمر اور ان کے قد و قامت سارے عرب میں ضرب المثل کی حیثیت رکھتے ہیں جس کا ذکر شعرائے عرب میں خزرجی وغیرہ نے اپنے اشعار میں بھی کیا ہے خصوصًا انہوں نے جہاں تہاں قعقاع بن حکیم کے غلام معاذ بن مسلم ابن رجاء کی طول عمری کا حوالہ دیا ہے۔

طوالتِ عمر کی وجہ اور اس میں کمی کے اسباب

اللہ تعالےٰ نے تخلیق کائنات کے بعد نوعِ انسانی

کی تخلیق اس طرح فرمائی کہ اس میں بھرپور قوت رکھتے ہوئے اس کے اعضا و جوارح بھی فطری طور پہ قوی بنائے تھے۔ نوعِ انسانی جب تک کھلی فضاؤں اور پہاڑی علاقوں کی صاف آب و ہوا میں رہتی رہی وہ قدآور مضبوط و توانا رہی اور اسی وجہ سے اس نے طویل سے طویل عمر پائی جس کا ذکر ہم اس کتاب کے علاوہ اپنی دوسری کتابوں میں بھی متعدد مقامات پہ کر چکے ہیں لیکن انسان نے شہر آباد کر کے آراستہ و پیراستہ مگر آب و ہوا کے لحاظ سے مختصر مکانوں میں رہنا شروع کیا اور اس کے علاوہ وہ راحت و آرام کا عادی ہوا تو اسی نسبت سے اس کی عمر مختصر سے مختصر ہوتی چلی گئی اور اسی نسبت سے اس کے بدن اور اعضا و جوارح میں پہلی سی قوت بھی باقی نہ رہی۔

ہم سیلِ عَرِم اور دیارِ سبا کا ذکر کرتے کرتے عمر کی طوالت اور اس میں کمی کے اسباب بیان کرنے لگے ہیں، اسی کی وجہ بنی نسر کی طول عمری کا ذکر ہے جس کا بیان ابھی سطورِ بالا میں ہوا ہے اور جن کا تعلق انہیں مقامات سے تھا اور ان کا آخری بادشاہ عمرو بن عامر تھا۔

ذکرِ سبا کی طرف مراجعت

سرزمین سبا میں اس شادابی و خوش حالی کے دَور میں سب سے پہلی بلا جو اس رشکِ فردوس سرزمین پہ نازل ہوئی وہ سیلِ عَرِم تھی۔ اس زمانے میں سبا کا حکمران عمرو بن عامر مزیقیا تھا۔ جس کا ذکر اس باب میں پہلے آچکا ہے۔ اس کے زمانے میں وہاں اس کے بھائی بندوں میں سے ایک بڑا کاہن عمران تھا اور ایک کاہنہ بھی تھی جو "طریفۃ الخیر" کہلاتی تھی، اس کا تعلق بنو حمیر سے تھا۔ سیلِ عَرِم کی پیشگوئی سب سے پہلے کاہن عمران نے اپنے قریبی عزیز عمرو بن عامر کے سامنے کر دی تھی لیکن عمرو بن عامر کے زمانے میں اس وقت تک سیلِ عَرِم نہیں آیا بلکہ اس کے بعد آیا۔ مزیقیا اپنی قوم کا سب سے زیادہ تشدد پسند حکمران تھا اور گمراہ بھی جس کی تفصیلات کا علم خدا ہی کو ہے۔

کاہنہ طریفہ

کاہنہ طریفہ نے جس کا ہم نے ابھی ذکر کیا ایک رات عجیب خواب دیکھا۔ اس نے دیکھا کہ سرزمین سبا پہ گھنگھور گھٹا چھائی ہوئی ہے، بادل گرج رہے ہیں اور بجلی چمک رہی ہے۔ یہ کیفیت اس سے پہلے اس نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ پھر اس نے دیکھا کہ بجلی کڑک کڑک کر جگہ جگہ گر رہی ہے اور ہر چیز کو جلاتی چلی جا رہی ہے۔ اس کے علاوہ پانی بھی ٹوٹ ٹوٹ کر برس رہا ہے لیکن جو چیزیں جل رہی ہیں وہ برابر جلتی چلی جا رہی ہیں۔ یہ دیکھ کر طریفہ کی سوتے میں چیخ نکل گئی۔ وہ بیدار ہوئی اور پھر کئی راتوں تک سو نہ سکی۔ اس حالت کو بیان کرتے ہوئے اس نے خود کہا تھا کہ اس خواب نے اس کی نیند اچاٹ کر دی تھی اور اس پہ جو خوف

طاری ہوا تھا وہ ناقابل بیان تھا۔ جو چیزیں جل گئی تھیں انہیں پانی کی رَو غرق کرتی چلی جا رہی تھی۔ اس نے خواب میں دیکھا تھا کہ عمرو بن عامر مزیقیا اپنے قصر سے نکل کر ایک باغ میں پہنچا وہ بھی اپنے دروازے سے نکل کر اس کے ساتھ ہو لی لیکن وہ باغ اس وقت تک خلیج بن چکا تھا۔ عمرو بن عامر کے ساتھ اس کے دو ساتھی بھی تھے وہ چلتے چلتے سدّ تک جا پہنچے لیکن پانی بڑھتے بڑھتے ان پہاڑوں تک جا پہنچا تھا جن پر وہ اب چڑھ رہے تھے۔ عمرو بن عامر طریفہ سے سوال کرتا جا رہا تھا اور ہر بڑھتی ہوئی آفت کے بارے میں وہ اسے بتاتی جا رہی تھی۔ عمرو بن عامر نے آخر میں اس سے دریافت کیا کہ ان سب باتوں کا علم اسے پہلے سے کس طرح ہو گیا تھا تو اس نے اپنے خواب کے ذکر کے علاوہ اسے بتایا کہ اس کے کچھ بزرگ جو کہانت کے ماہر تھے کئی بار خواب کی حالت میں اسے تنبیہ کرتے ہوئے ان حالات سے آگاہ کر چکے تھے۔ اس نے یہ بھی بیان کیا کہ اس نے حالتِ خواب میں اپنے ہاتھوں میں بطحا کی خشک مٹی دیکھی تھی اور ایسا مقام بھی جہاں سورج کی روشنی پہنچتی تھی نہ ہوا کا گزر تھا۔ عمرو بن عامر نے اس سے پوچھا تھا کہ ہم وہاں کب تک جائیں گے تو اس نے سات سال کا عرصہ بتایا تھا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عمرو بن عامر مزیقیا نے سیلِ عرم اور اس کی تباہی کا حال بہت پہلے خواب میں دیکھ لیا تھا اور وہ سرزمینِ سبا سے نکل آیا تھا۔ اس کے ہمراہ غسانیوں کے علاوہ اوس و خزرج وغیرہ کے بہت سے لوگ بھی تھے۔

سرزمین سبا کے حکمران قبل سیل عرم اور قوم مارب کی عبادات

سرزمین مارب یا سرزمین مارب کے حکمرانوں کا ذکر

سطور بالا میں آ چکا ہے۔ قوم سبا یا قوم مارب میں اللہ تعالیٰ نے کئی پیغمبر بھیجے جنہوں نے ان کی اصلاح کی کوشش کی۔ وہ قوم سورج کی پرستش کرتی تھی۔ پیغمبروں نے خدائے واحد کو ماننے اور اس کی عبادت کی تلقین کی۔ انہوں نے انہیں خدا کی نعمتوں کی طرف بھی متوجہ کیا جو اللہ تعالیٰ نے انہیں دے رکھی تھیں۔ لیکن وہ ضدی قوم ان کی بات ماننے پر تیار نہ ہوئی بلکہ یہ کہنے لگی کہ جن نعمتوں کے خداداد ہونے کا وہ یقین دلاتے تھے وہ خود انہوں نے اپنی محنت اور اپنے زورِ بازو سے حاصل کی ہیں وہ یہ بھی کہتے تھے کہ یہ چیزیں اور مال و متاع اگر انہیں اس خدا نے دیا ہے جس کی پرستش پر وہ زور دیتے ہیں تو وہ اس خدا سے کہیں کہ وہ سب نعمتیں وہ ان سے چھین کر دکھائے اور جب وہ کسی طرح راہِ راست پر نہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر سیلِ عرم کی شکل میں عذاب

نازل فرمایا اور ان کے سرسبز و شاداب شہر، بلند و بالا عمارتیں، قصر و ایوان بھرے پڑے بازار اور مال و اسباب کے سب چشم زدن میں تباہ و برباد ہو کر رہ گئے۔ یہ دیکھ کر انہوں نے پیغمبروں کی طرف رجوع کیا اور ان سے درخواست کی کہ وہ خدا سے دُعا فرمائیں کہ وہ ان کی نعمتیں اور ان کی سرزمین کی شادابی بحال فرما دے۔ انہوں نے یہ وعدہ بھی کیا کہ وہ اس کے بعد صرف خدائے واحد کی عبادت کیا کریں گے۔ چنانچہ پیغمبروں کی دُعا سے خدا نے ان کی ساری چیزیں انہیں از سرِ نو عطا فرما دیں لیکن وہ اپنی سرکشی سے باز نہ آئے بلکہ احسان فراموشی کی حد کرتے ہوئے اور زیادہ کفر کی طرف مائل ہو گئے۔ خدا نے ان کو پہلی سی خوشحالی اس وقت دی تھی جب وہ اپنے قدیم ملک سے اُجڑ کر سرزمین فلسطین میں جا بسے تھے اور مفلوک الحال تھے۔

ان کا کاہن سطیح

ان میں پہلی بار کہانت کا آغاز سطیح غسّانی سے ہوا تھا جس کا قصہ بڑا طویل ہے ہم نے اس کا تفصیلی ذکر اپنی ایک پچھلی کتاب "اخبار الزمان" اور "کتاب الاوسط" میں کیا ہے۔

باب (۲۱)

عرب و عجم کے مہینے اور ان میں اتفاق و اختلاف

عرب ہو یا عجم دونوں جگہ ایک سال کے بارہ مہینے ہوتے ہیں۔

یہاں مختلف ملکوں اور اقوام کے سنوں، مہینوں اور دنوں کا ذکر کریں گے یعنی عرب و فارس اور سریانی و رومی اور قبطیوں نے ان کا کیا حساب رکھا ہے اور یونانیوں نے ان کے بارے میں کیا رائے دی ہے اور کیا فیصلہ کیا۔ البتہ ہم یہاں اس ضمن میں یہ ذکر نہیں چھیڑیں گے کہ ہندیوں نے ان کے بارے میں کیا حساب لگایا ہے اور یہ کہ چینیوں اور کشمیریوں نے ان سے اختلاف کیا ہے یا اختلاف نیز یہ کہ بنی نوع انسان میں جمہور کا کس حساب پر اتفاق ہے۔

سب سے پہلے ہم اس سلسلے میں قبطیوں کو لیں گے جو اس موضوع پر سریانیوں سے متفق ہیں۔ اس کے بعد ہم رومیوں کے سنین و شہور و ایام کے ساتھ سریانیوں کے سنین و شہور و ایام سے ان کی موافقت کا ذکر کریں گے۔ پھر عرب کے سنین و شہور و ایام کا ذکر آئے گا۔ اس کے بعد ہم فارس کے سنوں اور دنوں کا ذکر کریں گے اور یہ بھی بتائیں گے کہ انہوں نے اپنے سن، مہینے اور دن کس طرح مقرر کیے ہیں۔ اس سلسلے میں ہم بطور تقابل عرب کے انہیں سنوں، مہینوں اور دنوں کا دوبارہ ذکر کریں گے اور ان شاء اللہ بتائیں گے کہ انہوں نے شمس و قمر کے تاثر کو کس طرح جملہ عالم میں پائے جانے والے حیوانات و نباتات و جمادات پر منطبق کیا ہے اور اپنے ایام و لیالی کے نام کس مناسبت سے رکھے ہیں۔ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللّٰہ۔

قبطیوں اور سُریانیوں کے مہینے اور اُن کے ناموں میں تاریخی اختلاف

قبطیوں کے مہینے اور سُریانیوں کے مہینوں سے ان کا تقابل

پہلا سریانی مہینہ توت ہے جسے ایلول بھی کہتے ہیں۔ اس کے بعد بابہ ہے جو تشرین اوّل ہے۔ پھر ہا تور ہے جو تشرین ثانی ہے۔ اس کے بعد کیہک ہے جسے کانون اوّل کہا جاتا ہے، پھر طُوبہ ہے جو کانون ثانی کہلاتا ہے۔ پھر امشیر یا شباط ہے، پھر برمہات یا آذار آتا ہے۔ اس کے بعد برمودہ ہے جو نیسان کہلاتا ہے، پھر بشنس یا ایار آتا ہے۔ اس کے بعد بوُونہ ہے جو حزیران کہلاتا ہے، پھر اُبیب یا تموز آتا ہے۔ اس کے بعد مسری آتا ہے جو آب کہلاتا ہے۔

قبطی ان مہینوں کے دنوں میں پانچ دن کا اضافہ کر لیتے ہیں اور انھیں "عُمیاء"[1] کہتے ہیں۔ ویسے ان کے ایک سال میں تین سو ساٹھ دن ہوتے ہیں جو ان پانچ دن کے اضافے سے ۳۶۵ دن ہو جاتے ہیں۔

قبطیوں کا سَن

قبطیوں کے سَن کا پہلا دن ان کے حساب سے ۲۹ واں دن ہوتا ہے یہ آب کے مہینے میں آتا ہے۔ اُس کا ان کا یہ مہینہ عموماً ۲۸ دن کا ہوتا ہے جس کے بعد دوسرا مہینہ شروع ہو جاتا ہے۔ جس طرح قبطیوں کے سال میں ۳۶۰ دن ہوتے ہیں جن میں وہ پانچ دن کا اضافہ کرتے ہیں بالکل اسی طرح اہلِ فارس بھی کرتے ہیں لیکن ان کے ہاں توت اوّل آذر ماہ ہوتا ہے اور اس کے بعد ان کے مہینے قبطیوں کے مہینوں کے مطابق ہوتے ہیں۔ یہ بات کتاب نجوم زیجات میں ہے۔

اہلِ مصر اور سارے قبطی اس زمانے میں یعنی ۳۳۲ ہجری میں اپنے مہینوں کا حساب اس کے بالکل برعکس لگاتے ہیں جس کا ہم سطور بالا میں ذکر کر چکے ہیں۔ وہ آج کل سریانیوں کی طرح ہر سال کے دنوں میں چار دن کا اضافہ کرتے ہیں۔ رومی اس کے خلاف جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ قبطیوں اور اہلِ فارس میں موافقت پائی ہے، عمل کرتے ہیں اور ان کا حساب قبطیوں کے برعکس سریانیوں سے زیادہ ملتا جلتا ہے۔ قبطیوں کا حساب سال کے دنوں کے سلسلے میں

---

[1] بعض نسخوں میں عمیاء کی جگہ عمائہ لکھا ہے (مرتب)

جو کتاب مجسطی میں تحریر ہے اس کی ابتدا بخت نصر نے کی تھی۔ اس لحاظ سے ان کے سال کا پہلا دن "یوم الاربعاء" (یعنی بدھ) کہلاتا ہے۔

مبدائے تواریخ اگر تاریخی لحاظ سے دیکھا جائے تو بطلیموس کی کتاب "زیج" قبطیوں کے سال کا پہلا دن یکشنبہ یا اتوار لکھا ہے۔ ویسے بخت نصر اور یزدجرد کے زمانے میں فارسی تاریخ کے لحاظ سے ۱۳۹۹ سال اور تین مہینے کا فصل ہے جب کہ فیلقوس یونانی اور یزدجرد ایرانی کے زمانوں میں ۹۵۵ سال اور تین مہینے کا فصل پایا جاتا ہے۔ اگر یزدجرد اور سکندر کے زمانوں کو دیکھا جائے تو دونوں میں ۹۴۲ سال کا فرق پایا جاتا ہے جب کہ رومیوں کے سال اور سکندر کے تاریخی سال میں صرف ۲۵۹ دن کا فصل ہے جب کہ سن ہجری اور سن یزدجرد میں ۳۶۲۴ دن کا فصل ہے۔ بہرکیف سنین کا حساب لگانے کے لیے پہلے تاریخ بخت نصر اس کے بعد تاریخ فیلقوس، پھر اس کے بیٹے سکندر کی تاریخ۔ اس کے بعد تاریخ ہجرت اور آخر میں یزدجرد کی تاریخ کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔

جملہ تواریخ کی ابتداء تاریخ عرب کا پہلا سال رسول عربی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکے سے مدینے کو ہجرت کے دن سے شروع ہوتا ہے اور اس سال کا پہلا دن یوم الخمیس (یعنی جمعرات) تھا جب کہ اہل فارس کا پہلا تاریخی سال اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب یزدجرد بن شہریار بن کسریٰ پرویز فارس کا بادشاہ تھا۔ ان کے سال کا پہلا دن یوم الثلاثاء (منگل) تھا۔

رومیوں اور سُریانیوں کا پہلا تاریخی سن سکندر کے زمانے سے شروع ہوتا ہے اور اس کا پہلا دن یوم الاثنین (دوشنبہ یا پیر) تھا۔ باقی حقیقت کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔

باب (۲۲)

سُریانی مہینے، عربی مہینوں سے ان کی مماثلت اور موسموں کی پہچان

مہینے اور ہر مہینے کے دن

سریانی میں اوّل اوّل ہر مہینے کے اور ہر سال کے دنوں کا حساب یوں تھا کہ ہر سال کے ۳۶۵ دن ہوتے تھے اور ان میں ایک چوتھائی دن کا اضافہ کیا جاتا تھا۔ مہینوں کے دنوں کا حساب یوں تھا کہ ماہ نیسان کے ۳۰ دن، ماہ ایار کے ۳۱ دن ماہ حزیران کے ۳۰ دن مگر اس مہینے کی راتوں کا حساب سُورج کے شمال کی جانب جھکنے سے لگایا جاتا تھا اور وہ راتیں ۳۸ راتوں تک جا پہنچتی تھیں۔ یہاں دنوں اور راتوں کا اوسط نکالا جاتا تھا جو ہندیوں کے حساب سے ملتا جلتا تھا۔ سُورج جب شمال کی طرف راجع ہوتا تھا تو وہ دن یہاں بھی ہندی دن کی طرح سال کا سب سے طویل دن ہوتا تھا۔ ماہ تموز کے ۳۱ دن ہوتے تھے اور ماہِ آب کے بھی ۳۱ دن شمار کیے جاتے تھے۔ جب ماہِ آب کا آخری دن (سلخ) آتا تھا تو گرمی کا موسم بالکل ختم ہو جاتا تھا۔ اس خوشگوار موسم کی کیفیت محمد بن عبدالملک "الزیات" نے اپنے ایک شعر میں یوں بیان کی ہے:-

"پانی خنک، رات سہانی اور شراب لذیذ ہو گئی ہے

حزیران و تموز جا چکے ہیں اور اب ماہِ آب بھی جا رہا ہے"

ماہ ایلول کے ۳۰ دن شمار کیے جاتے تھے جن میں سے پانچواں دن "عید ذکریا" کہلاتا تھا۔ اس مہینے کا تیرھواں دن "عید صلیب" کہلاتا تھا جو درست حساب سے جس میں گزشتہ ماہ کا آخری دن بھی شمار ہوتا تھا درحقیقت چودھواں دن ہوتا تھا۔ اس روز اور مہینے کے باقی دنوں میں خصوصًا بیسویں دن جیسا کہ ہم اپنی ایک دُوسری کتاب میں بیان کر چکے ہیں رات اور دن برابر ہو جاتے تھے۔

ابونواس کہتا ہے :-

"ایلول گزر گیا ، گرمی ختم ہوئی !　　ایلول کی جھلسانے والی گرمی ٹھنڈی پڑ گئی"

مہرجان کے نام کا راز تشرین اوّل ۳۱ دنوں کا ہوتا تھا ، ماہ مہرجان بھی اسی تشرین کے زمانے میں آتا تھا - مہرجان اور نوروز میں ۱۶۹ دن کا فصل ہوتا تھا - اہل فارس کے نزدیک مہرجان کا نام ان کے ایک قدیم بادشاہ کے نام پر پڑا تھا جس کے ظلم وستم سے عوام وخواص میں کوئی بھی محفوظ نہ تھا - اس لیے اہل ایران اس بادشاہ کو مہر یعنی سورج کہتے تھے جس کی تمازت اس مہینے میں حد سے گزر جاتی تھی - اس بادشاہ کو اس نام سے منسوب کرنے کے ساتھ ساتھ اس حد درجہ گرم مہینے کو اہل ایران نے مہرجان کہنا شروع کر دیا تھا ، مہرجان بمعنی مہر صفت یعنی سخت گرم - اس بادشاہ کی موت بھی جس نے بڑی طویل عمر پائی تھی اس مہینے کے درمیانی دن واقع ہوئی تھی - اس کے بعد یہ مہینہ مہرماہ کہلانے لگا جس کے دونوں لفظ اہل فارس نے عربی لغت کے برعکس مقدم وموخر کر دیے ہیں جوان کی قدیم زبان پہلوی کے مطابق ہے - عراق میں کچھ علاقوں کے لوگ اور تمام عجمی لوگ اس دن کو گرمی کے موسم کا پہلا دن سمجھتے ہیں - اس مہینے میں وہ ہلکا پھلکا لباس پہننا شروع کر دیتے ہیں اور جملہ فرش فروش اور دوسری استعمال میں آنے والی اشیاء بھی موسم کے لحاظ سے بدل جاتی ہیں اس مہینے کے پانچویں دن جس سے تشرین اوّل شروع ہوتا ہے بیت المقدس میں "عید کنیسہ القیامہ" منائی جاتی ہے جو نصرانیوں کا خاص تہوار ہے ، اس روز ساری دنیا کے عیسائی بیت المقدس میں آکر جمع ہوتے ہیں - نصرانیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ اس رات کو آسمان سے آگ اُترتی ہے جس سے بیت المقدس کے بڑے کلیسا کی شمع روشن ہوتی ہے -

نصرانیوں کی اس عید کے عجیب وغریب مناظر دیکھنے کے لیے مسلمان بھی بڑی کثیر تعداد میں اس روز بیت المقدس میں جمع ہو جاتے تھے - اس روز رات کے وقت زیتون کی شاخیں روشنیوں سے جگمگا اُٹھتی تھیں - اس عید کے سلسلے میں قوم نصاریٰ میں بہت سی کہانیاں مشہور ہیں - رات کے وقت آگ کا آسمان سے اُتر کر بڑے کلیسا کی شمع کو روشن کرنا بھی ان کے نزدیک معجزات میں شمار ہوتا ہے اور وہ اس کے بارے میں بہت سے دلچسپ قصّے سُناتے ہیں - اس کے اسباب جو بیان کیے جاتے ہیں ان کا ہم اپنی ایک دوسری کتاب " القاضا والتجارب" میں ذکر کر چکے ہیں -

تشرین ثانی کے سریانیوں میں ۳۰ دن شمار کیے جاتے تھے ، اسی طرح وہ کانون اوّل کے بھی ۳۰ دن گنتے تھے جس کا انتیسواں دن پونے آٹھ گھنٹے کا ہوتا تھا جو سال کا چھوٹے سے چھوٹا

دن سمجھا جاتا تھا اور رات سوا چودہ گھنٹے کی ہوتی تھی جو سال کی طویل ترین رات سمجھی جاتی تھی۔ تشرین ثانی کی پچیسویں شب کو عید میلاد مسیح علیہ السلام منائی جاتی تھی۔

کانون ثانی کے ۳۱ دن ہوتے تھے جس کا پہلا دن "القلندس"[۱] کہلاتا تھا۔ شام کے نصرانی اسے عید کے طور پر مناتے ہیں اور وہاں بھی گرجوں میں وہی آگ کی رات والی رسوم ادا کی جاتی ہیں جن کا ذکر ہم سطور بالا میں کر چکے ہیں۔ یہ رسوم انطاکیہ کے شہر میں بھی پوری کی جاتی ہیں جہاں عیسائیوں کا مقدس کلیسا قیسان واقع ہے۔ یہ عید میلاد مسیح علیہ السلام شام کے علاوہ مصر، بیت المقدس بلکہ ان تمام شہروں میں منائی جاتی ہے جہاں نصرانی کثرت سے آباد ہیں۔ انطاکیہ میں اس روز بڑی خوشی منائی جاتی ہے۔ دعوتیں ہوتی ہیں جن میں فواکہات پیش کیے جاتے ہیں اور مشروبات کے جام لنڈھائے جاتے ہیں۔ انطاکیہ کی خصوصیت یہ ہے کہ عیسائیت کی تشہیر کی ابتدا اس شہر سے ہوئی تھی۔ یہاں نصرانیوں کے بطریق اعظم کا مرکز ہے۔ یہ بطریق نصرانیوں میں حد سے زیادہ دیانت دار سمجھا جاتا ہے۔ نصرانی انطاکیہ کو "اللہ کا شہر" کہتے ہیں اور اسے بادشاہ کا شہر اور ام المدن شہروں کی ماں بھی کہا جاتا ہے کیونکہ جیسا ہم نے ابھی بیان کیا نصرانیت کی ابتدا اس شہر سے ہوئی تھی۔

نصاریٰ کے بطریق

نصرانیوں کے بطریق یا لاٹ پادری چار ہوتے ہیں یا ہیں۔ ایک تو روم کے شہر کا مذہبی حاکم کہلاتا ہے، دوسرا شہر قسطنطنیہ کا جو اُقسس یعنی سب سے بڑا پادری ہوتا ہے، قسطنطنیہ کا پہلا یا قدیم نام بوزنطیا تھا۔ نصرانیوں کا تیسرا لاٹ پادری اسکندریہ میں رہتا ہے اور وہاں کا مذہبی حاکم سمجھا جاتا ہے۔ ان کا چوتھا لاٹ پادری انطاکیہ میں رہتا ہے اور وہاں کا مذہبی حاکم ہوتا ہے جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا عیسائیت کی ابتدا انطاکیہ سے ہوئی تھی اس لیے عیسائیوں کا سب سے بڑا پادری پہلے وہیں رہتا تھا اور اسے سب سے بڑا پادری سمجھا جاتا تھا۔ نصرانیوں کے ان عہدوں کی ایک کرسی اب بیت المقدس میں بھی ہے جو زمانۂ قدیم میں نہیں تھی۔ یہ ایلیا کے لیے رکھی گئی جو بیت المقدس اور اس کے قریب فلسطین کے ایک دوسرے مقام کورہ کے لیے تھی اور ایلیا کے نام کی وجہ سے بیت المقدس کے پادری کو تعظیماً اسقف اعظم کہا جاتا تھا۔

نصرانیوں کے کلیسا

نصرانیوں کے کلیساؤں میں ایک کلیسا انطاکیہ میں ہے جو عام عیسائیوں

---

[۱] ایک نسخے میں "الغطاس" لکھا ہے (مترتب)

ہیں کنیسہ بولس کے نام سے مشہور ہے لیکن انطاکیہ والے " دیر البراغیث " کہتے ہیں - یہ کلیسا فارس کی سرحد پر واقع ہے - ایک دوسرا کلیسا "اشمونیت" کہلاتا ہے جہاں نصرانیوں کی بڑی عید ہوتی ہے - ایک اور کلیسا "کنیسہ بارا" ہے جسے کنیسہ مریم بھی کہتے ہیں ، یہ کلیسا مدورہ میں ہے -

اس کلیسا کی عمارت اپنی پختگی اور بلندی کی وجہ سے دُنیا کے عجائبات میں شمار ہوتی ہے - اس کلیسا کے سنگِ مرمر اور سنگِ رخام جو عمارت کے قریب فالتو رہ گئے تھے انہیں ولید بن عبد الملک بن مروان عجوبۂ روزگار سمجھ کر سمندری راستے سے جامع مسجد دمشق کے لیے دمشق کے ساحل تک لے گیا تھا لیکن اس کلیسا کی عمارت جو مرورِ ایام سے باقی رہ گئی ہے اب بھی حیرت ناک ہے -

کنیسہ اشمونیت کی یہودیوں کے ہاتھوں بربادی کے عجیب و غریب قصے مشہور ہیں ، البتہ یہ واقعہ درست ہے کہ روم کے علاوہ انطاکیہ پر یہودیوں کے تسلط کے بعد اس شہر کی رونق اور شادابی بھی وہاں سے رخصت ہو گئی تھی - یہودیوں نے کنیسہ اشمونیت کو منہدم کر کے اپنے حکمران کے لیے اس جگہ " دار الامیر " تعمیر کیا تھا - یہودیوں نے کئی حیلوں بہانوں سے انطاکیہ میں قتلِ عام کر کے لاکھوں عیسائی قتل کر ڈالے تھے -

اس سے قبل ہم بطرس و بولس اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوسرے حواریوں کا ذکر کر چکے ہیں جو یہودیوں سے جان بچانے کے لیے ادھر اُدھر منتشر ہو گئے تھے - ہم اس بادشاہ کا ذکر بھی کر چکے ہیں جس نے انطاکیہ کی بنیاد رکھی تھی - اس کا نام انطیخش تھا - رومی انطاکیہ کا نام پہلے پہلے اسی کے نام سے انطیخش پڑا تھا لیکن جب مسلمانوں نے اس شہر کو فتح کیا تو اس نام کے باقی حروف حذف کر کے اسے انطاکیہ رہنے دیا اور اب وہ اسی نام سے مشہور ہے -

نصرانیوں کی حکمرانی کی اور دوسری تاریخ سے جو اس وقت تک یعنی سن ۳۳۲ ہجری تک لکھی گئی ہے اس کی رُو سے ولادت مسیح علیہ السلام کو اب تک ۹۴۰ سال ہو چکے ہیں ، سکندر کے زمانے سے اب تک ۱۲۵۸ سال اور سکندر کے زمانے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت تک ۳۶۹ سال گزر چکے تھے -

یہ سب کچھ اس تاریخی کتاب کے اندراجات ہیں جو انطاکیہ کے کنیسہ قیسان کی ملکیت ہے - اب ہم اس تاریخی سلسلے کی باقی باتیں آگے چل کر اس باب میں بیان کریں گے جو ہم نے ان کے لیے مخصوص کر رکھا ہے -

ان کے مہینے اور دِن اب ہم پھر ان کے مہینوں اور دنوں کی طرف آتے ہیں - ان کے حساب سے

"شباط" کے ۲۸ دن اور تیرہ سن کے بعد دیگرے آتے تھے۔ "رابعہ کبیسہ" ۲۹ دن ہوتے تھے۔ سال کا سن ۳۶۶ دن کا ہوتا تھا لیکن جمرہ اولیٰ میں سات دن نکال دیتے تھے اور اسے "جبّہ" کہتے تھے۔ جمرہ ثانی میں ۲۴ رکھ کر باقی دن نکالے جاتے تھے اور اسے "زبرہ" کہتے تھے۔ جس مہینے میں کل ۱۲ دن رکھے جاتے تھے اسے "صرفہ" کہتے تھے اور ایام سرما میں شمار کر لیتے تھے۔ "ایام عجوز" کے آخر سے تین دن نکالے جاتے تھے لیکن "آذار" کے پورے ۳۱ دن شمار کیے جاتے تھے۔ اس کے شروع سے "ایام عجوز" پورے کرنے کے لیے چار دن نکالے جاتے تھے۔ ان سات ایام عجوز کو عرب صنّا، صنبرا، وبرا، آمرا، موتمرا، معللا اور مطفی الجمر کہنے لگے ہیں۔

ماہ آذار کے پندرھویں ان کے حساب سے برابر ہو جاتے تھے کیونکہ انہی کے حساب سے سورج اس روز برج حمل میں چلا جاتا ہے۔ اب ساری دنیا میں یہی دن ہے جب رات اور دن برابر ہوتے سمجھے جاتے ہیں۔ ابو نواس کہتا ہے ؎

"کیا دیکھتے نہیں کہ سورج برج حمل میں چلا گیا ہے   دنیا کا وزن (رات دن) برابر ہو گیا ہے"

رومیوں کے مہینے

رومیوں کے مہینے تعداد میں سُریانیوں کے مہینوں کے برابر ہوتے ہیں رومیوں کا پہلا مہینہ یوادریوس کہلاتا جو کانون ثانی میں شمار کیا جاتا ہے ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ ان کا پہلا مہینہ قلندس ہوتا ہے۔ پھر شباط قبیرادیوس، آذار مارتیوس، نیسان ابریلیس، ایار مایوس حزیران یونیوس، تموز یولیوس، آب اغسطوس، ایلول ستمبر، تشرین اول اکتوبر تشرین ثانی یعنی نومبر اور کانون اول یعنی دسمبر آتے ہیں۔

باب (۲۳)

اہل فارس کے مہینے

مہینوں کے نام اور ان کے دن

اہل فارس کے سارے مہینے تیس دن کے ہوتے ہیں۔ ان کا پہلا مہینہ فرور دین ماہ کہلاتا ہے جس کا پہلا دن نو روز اور روز مہرجان کے درمیان ۱۷۴ دن کا فصل ہے۔ اہل فارس کے سال کا دوسرا مہینہ اُردیبہشت ہے، پھر اس کے بعد یکے بعد دیگرے خرداد ماہ، تیر ماہ، تیر روز (جس میں روز مہرجان پڑتا ہے) آبان ماہ (جس میں روز آبان پڑتا ہے) اور عید آبان گاہ آتی ہے اور اس کے آخری پانچ دن ایام فرودجان کہلاتے ہیں) آذر ماہ کے پہلے روز سے دس روز تک ماتمی جلوس نکلتے ہیں جو فارس سے عراق تک جاتے ہیں جس کی وجہ عجمیوں اور اہل عراق کے سوا اہل شام، اہل جزیرہ یا مصرو یمن کے لوگوں میں سے کوئی نہیں جانتا۔ ان ایام میں اہل فارس کے لیے یا دوسرے تازہ پھل اور پرندوں کا گوشت کھاتے ہیں یا ٹھنڈے مشروبات استعمال کرتے ہیں کیونکہ اس مہینے میں گرمی زیادہ پڑتی ہے اور وہ لوگ پھر بھی "ہائے گرمی ہائے گرمی" اور "ہائے پیاس ہائے پیاس" کرتے رہتے ہیں۔ اس کے بعد عجمیوں کی جو عید آتی ہے اس پر وہ لوگ حد درجہ خوشی مناتے ہیں یہ ایام سرور و مسرت ان کے سال کے آخری مہینوں اذرخش، دیماہ، بہمن ماہ اور اسفندیار مز ماہ تک چلتے ہیں۔ اس طرح اہل فارس کے سال کے بارہ مہینوں کے ۳۶۵ دن گزر جاتے ہیں۔

باب (۲۴)

ایامِ اہلِ فارس کی وجہ تسمیہ

اہلِ فارس نے اپنے مہینوں اور دنوں کے نام مندرجہ ذیل شخصیتوں سے منسوب کر رکھے ہیں جنہیں خوش بختی اور نحوست کی علامات سمجھتے ہیں۔

ہرمز و بہمن و اردی بہشت، شہریور و اسفندیار، خرداد و مرداد و دیبا ذرد آذر و آبان و خورشید (خور) و ماہ و تیر و جوش و دیبر و مہر و مل اور اسروش و فروردین بہرام و ارام۔ ایک فارسی شاعر نے عربی میں کہا ہے ؎

شعر　ہماری دائمی لذت و (مسرت)　　یوم شبت اور یوم رام پر منحصر ہے

ان ایام کی خصوصی علامتیں یہ ہیں :-

دیا و دیبا دین، آذر و اشتاد، آسمان و دامار، مار و سفند اور ایزان - یہ علامتیں قدیم اہل فارس نے کچھ اپنے قدیم اسلاف سے اور کچھ قدیم ہندی رسوم و روایات سے لی ہیں - اہل فارس (ایران) کی طرح عربوں میں بھی قدیم زمانے میں پانچ دن خوش بختی یا نحوست کی علامت سمجھے جاتے تھے - ان کے نام یہ ہیں :-

الہریر، البیبر، قالب الفہر، حافل الفزع اور مدحرج البعیر[۱]

اہل فارس ایک سو بیس سال کے فصل سے دنوں کی بھلائی اور نحوست کا اندازہ کرتے اور ہر سال کا پہلا دن نوروز رکھتے ہیں -

---

۱ ایک نسخے میں "مزحرج البعیر" لکھا ہے (مرتب)

باب (۲۵)

عربوں کے مہینے، دن اور ان کے نام

عربوں کے مہینوں کے نام

عربوں کے سال کا پہلا مہینہ محرم ہوتا ہے اور سال کے جملہ دن ۳۵۴ شمار ہوتے ہیں جو سریانی دنوں سے سوا گیارہ دن کم ہیں۔ یہ فرق ہر ۳۳ سال کے دنوں کا حساب کرنے سے پڑ جاتا ہے۔ ہر مہینے کے آخری دن کے لحاظ سے بھی دونوں میں یہ فرق واضح ہے۔ عربی دنوں میں نوروز بھی نہیں ہوتا۔ عربوں کے ہاں ہر تیسرے سال ایک مہینہ آتا تھا جسے وہ "نسیئ یا تاخیر" کہتے تھے۔ ان کے اس فعل کی اللہ تبارک وتعالیٰ نے مذمت کی ہے (انما النسیئُ زیادۃ فی الکفر) عربوں کا پہلا مہینہ محرم سے شروع ہوتا ہے۔ اس نام کی وجہ یہ ہے کہ اس مہینے میں وہ لڑائیوں اور قتل و غارت کو حرام سمجھتے ہیں۔ ان کا دوسرا مہینہ صفر ہے۔ اس نام کی وجہ یہ ہے کہ اس مہینے میں یمن میں بازار لگتے ہیں جنہیں "صفریہ" کہتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ اس کی مخالفت کرنے اور اس سے روگردانی کرنے والا بھوکوں مر جاتا ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس مہینے میں شہر خالی ہو جاتے ہیں اور لوگ لڑائیوں کے لیے نکل پڑتے ہیں۔ اس لیے اس مہینے کو صفر کہتے ہیں کیونکہ لوگ اس مہینے میں مکان خالی کر جاتے ہیں۔ ربیع کے ایک سال میں جو مہینے شمار کیے جاتے ہیں وہ اس لیے کہ ان مہینوں میں لوگ اور ان کے جانور کھیتی باڑی میں مصروف ہوتے ہیں۔ ان مہینوں کا یہ نام زمانۂ قدیم سے کسی اختلاف کے بغیر چلا آتا ہے۔ اس کے بعد جمادی الاوّل اور جمادی الثانی جو سال میں دو مہینے آتے ہیں ان کی وجہ تسمیہ یہ بتائی جاتی ہے کہ ان مہینوں میں اکثر پانی منجمد ہو جاتا ہے۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب ان مہینوں میں عرب میں پانی منجمد ہو جاتا ہوگا۔ بہر کیف ان دو مہینوں کے یہ نام عرب میں ابھی تک چلے آتے ہیں

رجب کو رجب کہنے کی وجہ اس مہینے میں کوئی خوف تھا۔ اس لیے عربوں میں "رَجِبْتُ الشّی" ابھی تک بطور محاورہ مستعمل ہے۔ ایک محاورہ "فَلَا تَهْتبْهَا وَلَا تَرْجَبْهَا" بھی ہے۔ ماہ شعبان کا نام شعبان اس مہینے میں عربوں کی مہم جوئی کی وجہ سے پڑا ہے اور یہی نام زمانۂ قدیم سے اب تک علیٰ حالہ چلا آتا ہے۔ رمضان کو رمضان اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس مہینے میں کبھی موسم سخت گرم ہوتا ہوگا حَرُّ الرَّمَضَا (موسم کی گرمی) عربوں میں اب تک زبان زد خاص و عام ہے۔ اس نام کی ایک وجہ اب یہ بھی ہے کہ اس نام کو عرب اسمائے باری تعالیٰ کے ذکر کردہ ناموں میں سے سمجھتے ہیں (شہر رمضان) اسی لیے اب تک اس مہینے کو اسی نام سے موسوم کرتے چلے آرہے ہیں۔

شوال کو شوال کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس مہینے میں اُونٹ مستی پر آتے ہیں اور عرب اس مہینے میں شادی بیاہ سے پرہیز کرتے ہیں۔ بہرکیف اس مہینے کو اب بھی عرب شوال ہی کہتے ہیں ماہ ذی قعدہ کا نام ذیقعدہ اس لیے پڑا تھا کہ اس مہینے میں عرب لڑائیوں کی تیاری کرتے تھے اور دوسرے کاموں سے فارغ رہتے تھے۔ تاہم اس مہینے کا یہ قدیم نام بھی اب تک عربوں کے سال کے بارہ مہینوں میں اسی نام سے شمار ہوتا چلا آرہا ہے۔ ذالحجہ کا نام ذالحجہ اس لیے ہے کہ اس مہینے میں حج ہوتا ہے۔

حُرمت کے مہینے عربوں میں محرم، رجب اور ذی قعدہ حُرمت کے مہینے سمجھے جاتے ہیں۔

حج کے مہینے عربوں میں ایام حج شوال و ذیقعدہ کے دو مہینے اور ذالحجہ کے دس دن ہوتے تھے۔ عربوں میں اب تک ایآم معلومات اس دن ہیں اور ایام معدودات ایام تشریق کہلاتے ہیں۔ ان کے ہاں یوم تعجیل بالاتفاق قربانی کا تیسرا دن ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حج کا دوسرا دن قربانی کا پہلا دن ہے۔ اگر اسے قربانی کا پہلا دن سمجھا جائے تو یوم تعجیل تیسرا دن ہو جائے گا جو حکم قرآنی کے خلاف ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ کے ارشاد کے مطابق یوم تعجیل درحقیقت ایام معدودات کے دونوں دنوں پر مشتمل ہے (اِنَّ التعجیل فی یومین من المعدودات)۔

اس طرح معدودات ہی میں ایام معلومات داخل ہیں اور قربانی کا دن بھی انہیں میں سے ہے۔

عربوں میں قربانی کے دن روزہ نہیں رکھتے اور نہ یوم فطر (عید کے دن) میں روزہ رکھتے ہیں ایام منیٰ میں بھی روزہ نہیں رکھا جاتا۔ یہ حکم جو احکام نبوی میں سے ایک حکم ہے جو فرض روزوں کے بارے میں ہے۔ نفلی روزے اس سے خارج ہیں۔

عقبہ بن عامر نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول مبارک نقل کیا ہے کہ ایام تشریق کے تین دنوں میں روزہ رکھنے کی ممانعت ہے۔ اس کے علاوہ ان جملہ دنوں میں بھی یعنی ایام معلومات و معدودات میں روزے کی ممانعت ہے جو ایام تشریق میں شامل ہیں۔ ایام تشریق کے بارے میں لوگوں میں اختلاف رائے ہے۔ بہرکیف ایام تشریق حج کا پہلا دن قربانی کا دوسرا دن اور حج کا تیسرا دن عصر کے وقت تک شمار کیا جاتا ہے۔

ایام تشریق کی وجہ تسمیہ

ایام تشریق کی وجہ تسمیہ کے بارے میں لوگ مختلف الرائے ہیں۔ یعنی لوگوں کا خیال ہے کہ منیٰ میں قیام کی راتوں اور دنوں کو ایام تشریق کہتے ہیں، بعض لوگ کہتے ہیں کہ لوگ منیٰ میں قربانی کرتے تھے اور قربانی کے جانوروں کو ذبح کرنے کے بعد ان کا گوشت سورج کی دھوپ میں پھیلا دیتے تھے اس لیے ان ایام کو ایام تشریق کہا جانے لگا۔ کچھ لوگوں کی رائے یہ ہے کہ چونکہ حج کے بعد اہل مکہ اور دوسرے لوگ اپنے اپنے وطن کو واپسی کے لیے ان دنوں میں اِدھر اُدھر پھیل جاتے تھے اس لیے انہیں ایام تشریق کہا جانے لگا۔ بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ ایام حج میں لوگ عبادات کے لیے منیٰ اور مزدلفہ میں قیام کرتے ہیں اور جہاں جہاں وہ قیام کرتے ہیں ان مقامات کو مشارق کہا جاتا ہے جس کا واحد مشراق ہے اس لیے ان ایام عبادات کو ایام تشریق کہا جانے لگا۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ جانوروں کے ذبح کرنے کو کیونکہ عربی میں تشریق[1] کہتے ہیں اس لیے قربانی کے ایام ایام تشریق کہلاتے ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن دنوں میں مشرقہ کے طلوع میں "ضحیہ" کی ممانعت کی ہے اس لیے وہ دن ایام تشریق ہیں۔

دینی عالموں اور فقہاء نے اس سلسلے میں بہت طول طویل بحث کی ہے جس پر ہم اپنی دوسری کتابوں میں تفصیلی گفتگو کر چکے ہیں۔ اس لیے یہاں اس کو مختصر طور پر پیش کیا گیا ہے۔

ایام نحسات

عربوں میں ہر مہینے کے چار دن "موافق"، چار دن "رخلون"، چودہ دن "خلت" اور باقی دن "یقین" کہلاتے ہیں جنہیں "ایام نحسات" بھی کہا جاتا ہے۔

قدیم عرب میں دنوں کے نام

عربوں میں ہفتے کے دن یہ ہیں:-

یوم الاحد (پہلا دن) یوم الاحد پہلے دن کو اس لیے کہتے

---

[1] ایک نسخے میں تشریق کی جگہ شرق لکھا ہے (مرتب)

ہیں کہ اس روز تخلیق عالم کی ابتدا ہوئی تھی اور توریت بھی اسی روز کا تخلیق عالم کے بارے میں تذکرہ کرتی ہے۔ "یوم الاثنین" یا ثان (دوسرا دن) "ثلاثاءُ" (تیسرا دن)، اربعاءُ (چوتھا دن)" یوم الخمیس" (پانچواں دن) "یوم الجمعہ" (چھٹا دن) جمعہ کو جمعہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس روز لوگ عبادت کے لیے جمع ہوتے ہیں۔ "یوم السبت" (ساتواں دن) اسے "یوم السبت" اس لیے کہتے ہیں کہ اس روز تخلیق عالم ختم ہوئی اور اس روز حضرت آدم علیہ السلام کو خدا نے پیدا کیا۔

قدیم عرب میں مہینوں کے نام

عرب قدیم میں مہینوں کے نام یہ تھے:۔
ناتق (محرم)، ثقیل (صفر) اس کے بعد علی الترتیب طلیق، ناجر، اسلخ[1]، ایمح[2]، احلک، کسح، زاہر، برک[3]، حرف اور نعس جسے اب ذالحجہ کہتے ہیں۔

عرب کے موسم

عربوں میں موسموں کے متعلق اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ ویسے وہاں عموماً ایک سال میں چار موسم ہوتے ہیں۔

(۱) وسمی، جو خریف کا موسم ہوتا ہے (۲) شتا (۳) صیف (۴) قیظ

کچھ لوگ ایک سال کے چار موسم تو مانتے ہیں لیکن انہیں فصلوں کے لحاظ سے تقسیم کرتے ہیں اور اس مناسبت سے ان میں فصلوں کے نام مشہور ہو گئے ہیں۔

رومیوں کے موسم

رومی سال کے چاروں موسموں کو عربوں کے برعکس صرف فصلوں پر تقسیم کرتے ہیں جب کہ عرب صرف دو موسم ربیع و خریف فصلوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

وہ اپنے سال کے مہینوں کا حساب سورج کے برجوں میں منتقل ہونے اور ستاروں کے نظر آنے اور نظر نہ آنے کے اوقات سے لگاتے ہیں جب کہ عرب اس سلسلے میں چاند کے تغیرات کا لحاظ رکھتے ہیں رومیوں کے بارہ مہینوں کے نام ہم سطور بالا میں بتا چکے ہیں۔ ان کی فصلیں بھی عربوں کے فصل بونے اور کاٹنے سے مختلف ہیں لہذا فصلی موسم بھی مختلف ہیں۔

---

[1] ایک نسخے میں سماج لکھا ہے (مرتب)
[2] 〃 〃 〃 امسح 〃 〃 (〃)
[3] 〃 〃 〃 برط 〃 〃 (〃)

باب (۲۶)

عربوں کی راتوں کا قمری حساب

عربوں نے چاند کے طلوع سے لے کر مہینے کی آخری رات تک اس کے بڑھنے اور گھٹنے کی مناسبت سے راتوں کا حساب لگا رکھا ہے جو سوال وجواب کی صورت میں ہے اور اس کی دلچسپی کے پیش نظر درج ذیل کیا جاتا ہے۔

س۔ ابن لیلہ کسے کہتے ہیں۔

ج۔ رضاع سخیلہ کو جو برمیلہ کے نام سے بھی موسوم ہے۔

س۔ لیلتین کیا ہے ؟

ج۔ حدیث اُمتین ہے یعنی اِفک اور مَین کا امتزاج۔

س۔ ثلاث کا کیا مطلب ہے ؟

ج۔ ثلاث حدیث فتیات ہے جو شتات اجتماع ہے جب چاند افق پر کم ٹھہرتا ہے۔

س۔ اربع یا چوتھی رات کو آپ کیا کہتے ہیں ؟

ج۔ ہم اسے غنمہ رتع کہتے ہیں جب چاند مسلسل بڑھتا ہے۔

س۔ پانچویں رات کو کیا کہو گے۔

ج۔ حدیث وانس۔

س۔ لَست کیا ہے یعنی چھٹی رات کو کیا کہو گے ؟

ج۔ ہم اسے سروبت کہتے ہیں۔

س۔ اور ساتویں رات کو ؟

ج ۔ تنصفر فی الشفع چونکہ اس رات کو چاند ٹھہرا ہوا نظر آتا ہے اسے دُلجتہ القنبع بھی کہا جاتا ہے۔

س ۔ آٹھویں رات کو کس نام سے یاد کرتے ہو؟

ج ۔ وہ قمر اصحیان ہے جب چاند صبح تک ٹھہرتا ہے ۔

س ۔ اور نویں رات ؟

ج ۔ وہ جرع کہلاتی ہے ۔

س ۔ اور دسویں رات ؟

ج ۔ وہ محق فجر ہوتی ہے ۔

س ۔ اور گیارھویں رات ؟

ج ۔ سادُبجرہ جب چاند کا دائرہ مکمل ہو جاتا ہے ۔

س ۔ اور بارھویں رات ؟

ج ۔ یہ چاند کی لطیف روشنی میں سفر و حضر کی رات ہوتی ہے ۔

س ۔ اور چودھویں شب ؟

ج یہ چاند کے بھرپور شباب کی رات ہوتی ہے اور مقتبل الشباب کہلاتی ہے ۔ جب چاند بادلوں سے بھی جھانکتا رہتا ہے ۔

س ۔ اور پندرھویں شب ؟

ج ۔ یہ تم التام ہوتی ہے جب چاند اُٹھ بیٹھتا ہے اور اس کے بڑھنے کے دن پورے ہو جاتے ہیں ۔

س ۔ اور سولھویں شب ؟

ج ۔ یہ ناقص الخلق کہلاتی ہے ۔ کیونکہ اس رات عروج ماہ میں کمی آجاتی ہے ۔

س ۔ اور سترھویں شب ؟

ج ۔ رکب الفقیر کہلاتی ہے یعنی رخصتی شروع ہوئی ۔

س ۔ اور اٹھارہویں شب ؟

ج ۔ یہ قلیل البقا یا سریع الفنا کہلاتی ہے کیونکہ زوال ماہ کا تسلسل اس رات سے بڑھتا ہے ۔

س ۔ اور انیسویں شب ؟

ج ۔ یہ بطی الطلوع ہے ۔ جب چاند آسمان پہ کسی قدر تاخیر سے نمودار ہوتا ہے یعنی روشن ہونا شروع ہوتا ہے ۔

س - اور بیسویں شب ؟

ج - یہ "اطلع السحر" کہلاتی ہے۔

س - اور اکیسویں شب ؟

ج - یہ اطیل السریٰ ہے جب چاند زیادہ دیر روشن نہیں رہتا۔

س - اور بائیسویں شب ؟

ج - یہ "سفح خطب" اور لیث حرب بھی کہلاتی ہے۔

س - اور تیئیسویں شب ؟

ج - اسے قبس کہتے ہیں کیونکہ چاند اب افق کی طرف مائل ہوتا نظر آتا ہے۔

س - اور چوبیسویں رات ؟

ج - یہ اطلع المقسمۃ کہلاتی ہے کیونکہ چاند اب ایک ٹکڑا ہو کر رہ جاتا ہے اور تاریکی کو بھی دور نہیں کر سکتا۔

س - اور پچیسویں شب ؟

ج - یہ شب ہلالی ہے نہ قمری، اس لیے اس کا نام بتانا مشکل ہے، اسے بس رات کہہ لیجیے۔

س - اور چھبیسویں شب ؟

ج - یہ "دنا الاجل" ہے یعنی چاند کی وہ رات جب اس کی موت قریب ہوتی ہے اور امید عروج منقطع ہو جاتی ہے۔

س - اور ستائیسویں شب ؟

ج - اسے "دنا نادنا" کہیے کہ اب چاند کم سے کم ہو جاتا ہے۔

س - اور اٹھائیسویں شب ؟

ج - یہ طلوع نو ہے (چاند کی نسبت سے) روشن باقی ہو یا نہ ہو۔

س - اور انتیسویں شب ؟

ج - یہ چاند کی آخری شب ہے جب سورج کا عکس اس پر پڑنے ہی والا ہوتا ہے۔

س - اور تیسویں شب کو کیا کہیے گا ؟

ج - ہلال کی نوید۔

مہینے کی راتوں کی تین تین راتوں میں تقسیم

عربوں نے مہینے کی راتوں کو تین تین میں تقسیم

کر رکھا ہے۔ پہلی تیسری کو وہ "ثلاث تمر" کہتے ہیں، اور اس کے بعد کی تین راتیں "ثلاث سمر" کہلاتی ہیں پھر اس کے بعد کی تین راتیں ثلوث زہر کہی جاتی ہیں۔ اس کے بعد کی تین راتیں "ثلاث دُرر" کہی جاتی ہیں۔ اس کے بعد جو تین راتیں آتی ہیں وہ "ثلاث قمر" کہلاتی ہیں اور ان کے بعد کی تین راتیں ثلاث بیض کے نام سے پکاری جاتی ہیں۔ آدھا مہینہ گزرنے کے بعد پہلی تین راتوں کو عرب "ثلاث درع" کہتے ہیں اور اگلی تین راتوں کو "ثلاث ظلم" کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد جو تین راتیں آتی ہیں وہ انہیں "ثلاث حنادلیس" کہتے ہیں۔ اس کے بعد کی تین راتوں کو "ثلاث دواری" اور اس سے اگلی تین راتوں کو "ثلاث محاق" کہتے ہیں۔

ہلال کی رُو سے چاندنی راتیں

عربوں میں طلوع ماہ سے چاندنی راتوں اور اس کے بعد کی راتوں کے یہ نام ہیں:۔

"ہلالی راتیں" وہ راتیں ہیں جب چاند اپنے ابتدائی ایام میں ہوتا ہے، اس کے بعد کی راتیں "قمری راتیں" کہلاتی ہیں جب چاند پوری طرح روشن ہوتا ہے اور جب چاند رو بہ زوال ہوتا ہے تو عرب ان راتوں کو شبہائے قمیر کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

باب (۲۷)

شمس و قمر کے بارے میں حکماء کے اقوال اور اس باب سے متعلق دوسری باتیں

یونانی اور دوسرے حکماء نے افعال قمر کے بارے میں جو کچھ کہا ہے اس میں یہ بھی بتایا ہے کہ اس کے افعال افعال شمس سے کم ہوتے ہیں نیز یہ کہ چاند کا درجہ اجرام سماوی میں سورج کے بعد آتا ہے۔ بہرکیف چاند کے افعال کے تحت جہاں سال کے مہینوں اور مہینوں کے دنوں کا شمار ہوتا ہے وہیں اس کے افعال کے تحت سمندر کا مدوجزر، نباتات کی نشوونما اور پھلوں کی پختگی بھی آتی ہے اور ان کا اثر سمندری حیوانات پر بھی ہوتا ہے۔ حیوانات کے ایام حمل اور عورتوں کے ایام حیض بھی محدود اوقات میں ان کے زیر اثر آتے ہیں۔

نطفے کی رحم مادر میں نشوونما

رحم مادر میں نطفے کی نشوونما کے بارے میں لوگ مختلف الرائے ہیں کہ آیا اس پر چاند کی حرکات کا کچھ اثر پڑتا ہے یا نہیں۔ لوگ اس بارے میں بھی اختلاف رائے رکھتے ہیں کہ جنین کی صورت پذیری صرف منی سے ہوتی ہے یا عورت کے ایام حیض کے خون کا بھی اس میں کچھ حصّہ ہوتا ہے۔ کچھ لوگوں کی رائے یہ ہے کہ عورت کے رحم میں ایک حصّہ ایسا ہوتا ہے جس میں نطفہ صورت پذیر ہوتا ہے۔ جالینوس نے اپنی کتاب میں بقراط کے حوالے سے لکھا ہے کہ فاعل و مفعول کی منی میں جو جراثیم ہوتے ہیں وہ خود جنین کی صورت پذیری اور نشوونما میں معاونت کرتے ہیں۔

صاحب المنطق کی رائے میں جنین کا انحصار فاعل کی منی سے شروع ہو کر عورت کے حیض کے خون پر ہے البتہ اس کی صورت پذیری کا انحصار شریانوں کے خون اور اس ریح پر ہے جو اسے رگوں ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جنین کی نشوونما کا اصول وہی ہے جو نباتات

میں کام کرتا ہے۔ جس طرح زمین سے بیج اُگ کر پہلے پودے کی جڑ بنتا ہے پھر اسی جڑ سے شاخیں پھوٹتی ہیں جو جڑ سے غذا حاصل کرتی ہیں اور جڑ زمین میں پیوست رہ کر اس سے غذا حاصل کرتی رہتی ہے جنین بھی بالکل اسی طرح رحم مادر میں شریانوں میں رواں خون سے اور اس خون سے جو استقرار حمل کے بعد جسم سے خارج نہیں ہوتا غذا حاصل کرتا ہے اور جسم میں جو ریح دوڑتی رہتی ہے وہ اس تغذیہ میں ممد و معاون ثابت ہوتی ہے۔ غرض جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا جنین کے صورت پذیر ہونے اور ولادت تک اس کی غذا کی وہی صورت ہے جس طرح پودے کی ننھی شاخیں پہلے اس کی جڑ سے جو زمین سے پیوست ہوتی ہے اور پھر بڑی شاخوں سے اوپر کی شاخیں اس کی بلندی تک سیراب ہوتی رہتی ہیں اس کے بعد المنطق کا مصنف انہیں حوالوں سے کہتا ہے کہ جنین کا وجود عورت و مرد کی وطی کے نتیجے میں خارج شدہ منی اور عورت کے طمث یعنی حیض کے رُکے ہوئے خون پر منحصر ہے۔ آخر میں جالینوس کا قول ابندقلس کے حوالے سے نقل کرتے ہوئے المنطق کا مصنف بتاتا ہے کہ وجود عالم کے مختلف درجات کی بھی یہی صورت تھی۔

کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ انسان کے جسم کا جوہر لطیف صنف نازک کے رحم میں داخل ہونے کے بعد بھی جنین کے وجود میں آنے کا ذریعہ ہوتا ہے اور پھر صورت پذیری تک وہ جنین اس جوہر لطیف کے ذریعہ نشو و نما پاتا ہے بلکہ آخر تک اس کی غذا کا ذریعہ مرد کا وہی جوہر لطیف ہے جو ابتدا میں رحم کے اندر استقرار حمل کا سبب ہوتا ہے۔

بیٹے کی اپنے باپ اور اس کے خاندان سے مشابہت

آخر میں ہم ان لوگوں کی رائے نقل کر رہے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ مرد اور عورت کے اتصال کے وقت جو مرد کا جوہر لطیف اس کے جسم سے خارج ہو کر مادہ منویہ کی شکل میں عورت کے رحم میں داخل ہوتا ہے وہ عورت کے مادہ منویہ پر غالب ہوتا ہے اور جنین کے وجود میں آنے سے لے کر اس کی صورت پذیری اور نشو و نما کی تدریجی کیفیات میں اس پر غالب رہتا ہے اس لیے نومولود اپنے باپ اور اس کے خاندان والوں کی شکل و شباہت پر جاتا ہے۔ یہ بات پچھلے باب میں علم القیافہ کا ذکر کرتے ہوئے بیان کی جا چکی ہے اور یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ کسی شخص کے نسب کا یقین کرنے کے لیے جو کچھ قیافہ شناس کہتے ہیں وہ سب اسی پر منحصر ہے جو سطور بالا میں بیان کیا گیا ہے تاہم ہمارا ایمان ہے کہ بچے کی تخلیق ذکور و اناث دونوں صورتوں میں خالق کائنات کی رضا پر منحصر ہے جو ارشاد فرماتا ہے کہ کس طرح انسان کو

اس نے پہلے نطفے کی شکل دی، پھر علقہ کی اور پھر مضغہ کی اور آخر میں اس کی نشو و نما کر کے اسے انسان کی شکل دے دی۔ خود خالق کائنات کا کلام اس کی تصدیق کرتا ہے۔ پہلے ارشاد ہوا: "ھو الذی یصورکم فی الارحام کیف یشاء، لا الہ الا ھو العزیز الحکیم۔" پھر اس نے یہ ارشاد فرمایا "یا ایھا الناس انا خلقنا کم من ذکر و انثیٰ" اور آخر میں تدریجی کیفیات کے بارے میں ارشاد فرمایا: "یا ایھا الناس ان کنتم فی ریب من البعث فانا خلقنا کم من تراب ثم من نطفۃ ثم من علقۃ ثم من مضغۃ مخلقۃ و غیر مخلقۃ لنبین لکم و نقر فی الارحام ما نشاءُ الیٰ اجلٍ مسمّیٰ، ثم نخرجکم طفلاً، ثم لتبلغو اشدّ کم، و منکم من یتوفّیٰ، و منکم من یرد الیٰ ارذل العمر۔ (الآیۃ)

سورج اور چاند کی تاثیروں میں اختلاف آراء

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ چونکہ مرد عورت کے منویہ مادّوں میں مرد کا مادّہ منویہ یا جوہر لطیف عورت کے رحم میں ابتدا ہی سے غالب رہتا ہے اور اس کا یہ غلبہ بچے کی ولادت تک قائم رہتا ہے اس لیے بچے کی شکل و صورت اور اس کے اعضاء و جوارح عموماً اس کے باپ اور اس کے آباء سے مشابہت رکھتے ہیں۔ اس طرح ان کا خیال ہے کہ انسان حیوانات، نباتات اور سمندری مدوجزر وغیرہ کے علاوہ جو چاند کے زیر اثر ہوتے ہیں اور انسان کے اعضاء و جوارح کی نشو و نما پر بھی سورج کی مختلف حرکات کا اثر پڑتا ہے۔

چاند کے اثرات کے سلسلے میں وہ کہتے ہیں کہ چاند کے طلوع کے پہلے ہفتے تک اس کے اثرات کچھ اور ہوتے ہیں کہ وہ اس وقت تک صرف نصف کی حد تک روشن ہوتا ہے، پھر دوسرے ہفتے میں چودھویں شب تک جب وہ پورے طور روشن ہوتا ہے اس کے اثرات مختلف ہوتے ہیں اس کے بعد تیسرے ہفتے میں جب وہ گھٹتے گھٹتے پھر آدھا رہ جاتا ہے تو اس کے اثرات میں بھی تغیر آجاتا ہے اور پھر چوتھے ہفتے میں جب وہ گھٹتے گھٹتے بالکل غائب ہو جاتا ہے تو اس وقت بھی وہ مذکورہ بالا چیزوں پر اثر انداز ہوتا ہے لیکن اس وقت اس کے اثرات پہلے تین ہفتوں سے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ ہم نے اپنی دو پچھلی کتابوں "الزلف" اور "المبادی والتراکیب" وغیرہ میں چاند اور سورج کے اثرات پر مفصل گفتگو کی ہے۔

ارضی و سماوی کرّے

یہ استدلال کہ آسمان اپنے دائرۂ وجود میں کرّہ در کرّہ ہے اور جملہ کواکب بھی اسی طرح ہے بے سبب نہیں ہے۔ زمین بھی اپنے بحری و برّی

اشکال میں جیسا کہ ہم اس کتاب میں پہلے بیان کر چکے ہیں مختلف کُرّوں میں بٹی ہوئی ہے۔ کُرّۂ ارض کا مرکز درحقیقت وسطِ آسمان میں ہے جس طرح کوئی چھوٹا نقطہ اپنے دائرہ کے بیچ میں ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ زمین کی گردش جب اپنے مرکزی نقطے پر ہوتی ہے تو اس کے نتیجے میں کبھی دن ہوتا ہے اور کبھی رات اور آفتاب کے طلوع و غروب اور وقفے وقفے سے کہیں اس کے نظر آنے نہ آنے کا انحصار بھی زمین کی اپنے مرکز پر گردش کرنے پر ہے۔ بعض مہینوں میں سورج کے طلوع و غروب کا وقت کچھ اور ہوتا ہے اور بعض مہینوں میں کچھ اور اس کا سبب بھی زمین کی یہی گردش ہے۔ ہم نے اس سلسلے میں لوگوں کے اقوال اور ان کے دلائل و براہین ایک ایک کر کے اپنی ایک پچھلی کتاب "اخبار الزمان" میں من وعن بیان کر دیے ہیں۔ ہم نے اپنی طرف سے ان دلائل و براہین کی توضیح کرتے ہوئے یہ بھی بتایا ہے کہ زمین آسمان کے جوف و شکم میں بالکل اسی طرح ہے جس طرح انڈے کی زردی اس کی سفیدی اور اس کے خول کے درمیان ہوتی ہے۔ وہاں ہم نے انسان کے جسم کی مثال دیتے ہوئے یہ بھی بیان کیا ہے کہ انسانی اجسام کا مرکز جو خصنہ کہلاتا ہے اس کے اعضا و جوارح کے لیے کشش ثقل کا کام کرتا ہے، بالکل اسی طرح آسمان زمین کی گردش کو نظم و ضبط کی صورت میں رکھنے کے لیے وہی کام کرتا ہے۔ پتھر اور لوہے کی جو صورت تغیرات میں ہوتی ہے وہی لوہے اور مقناطیس میں بھی ہے یہی نظام زمین کی گردش کو صحیح شکل میں قائم رکھنے کے لیے آسمان کے ذریعہ رکھا گیا ہے۔

زمین پر سمندروں اور دریاؤں کی ابتداء اور آسمان کے بروج اور اس کے منطقوں کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ زمین پر قطب جنوبی سے قطب شمالی کا فصل اور میلوں اور گزوں میں سطح ارضی کی پیمائش کا ذکر بھی پہلے آچکا ہے۔ منطقہ حارہ اور منطقہ باردہ، خط استواء نصف النہار کے سلسلے میں آسمان کے دوائر کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ کچھ لوگوں نے زمین کی پیمائش گزوں، میلوں اور انگلوں میں کی ہے اسے بھی ہم نے اس کی صحت پر اپنی رائے ظاہر کیے بغیر ان کی کتابوں سے من وعن نقل کر دیا ہے جو ایک مورخ کی دیانت کا خاصہ سمجھا جاتا ہے۔ بہرکیف یہ حقیقت ثابتہ ہے کہ خط استوا سے قطب شمالی اور قطب جنوبی دونوں طرف نوّے ڈگری کا فصل ہے۔ بعض لوگوں نے خط استوا سے دونوں جانب یہ فصل صرف چوبیس ڈگری بتایا ہے کیونکہ انہوں نے اس میں سے سمندری حصوں کو خارج کر دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ زمین کے شمال میں چوتھائی حصے میں آبادی ہے، جنوبی چوتھے حصے میں گرمی کی شدت ہوتی ہے اس لیے وہاں آبادیاں کم ہیں۔ ان کے بیان کے مطابق باقی زمین یعنی زمین کا نصف حصہ غیر آباد ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ زمین کے شمال اور جنوب

ہیں سات اقالیم ہیں - ان کا ذکر اور زمین کے مشرق و مغرب نیز شمال و جنوب کا احوال ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کتاب جغرافیہ کے مصنف کے مطابق شمال و جنوب کی سات اقالیم میں چار ہزار دو سو شہر ہیں ان سب کا حال بھی ہم اپنی ایک دوسری کتاب "اخبار الزمان" میں تفصیلاً بیان کر چکے ہیں -

ہماری بیان کردہ باتوں کی تصدیق ابو حنیفہ دینوری کی کتاب سے ہو سکتی ہے - یہ باتیں ابن قتیبہ نے ابو حنیفہ دینوری کی کتاب سے اپنی کتاب میں بغیر کتاب دینوری کے حوالے کے اس طرح نقل کی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا انحصار اس کی اپنی تحقیقات پر ہے - بہر کیف ابو حنیفہ ایک بڑا عالم ہے اور اس کی تحقیق مسلم الثبوت ہے - اس کی کتاب کا نام بھی "علم الکبیر" ہے - اس سے قبل اس سلسلے میں بطلیموس کے بیانات توجہ کے قابل ہیں - ظہور اسلام کے بعد اس سلسلے میں الکندی ابن منجم، احمد بن طیب، ماشاء اللہ، ابی معشر، خوارزمی، محمد بن کثیر فرغانی، ثابت بن قرہ، تبریزی اور محمد بن جابر تبانی کی کتابیں بھی علوم ہیئت پر تحقیق کے لحاظ سے کچھ کم قابل قدر نہیں ہیں - ہم ان کے حوالے سے ان علوم پر آگے چل کر مختصر گفتگو کریں گے - انشاء اللہ تعالیٰ -

باب (۲۸)

دُنیا کے چار گوشے، ان کے خواص، آبؔ وہوا اور سُلطان الکواکبؔ (سُورج) کے اُن پر اثرات

زمین کے چار خواص یا مزاج زمین کا پہلا اور دُوسرا مزاج گرمی اور خشکی ہوتا ہے یعنی اس خطّے کی آب وہوا گرم خشک ہوتی ہے۔ زمین کے دوسرے دو خواص یا مزاج سردی اور رطوبت ہیں۔ یعنی اس خطّے کی آب وہوا سرد اور مرطوب ہوتی ہے۔ یا یوں کہیے کہ پہلا مزاج گرم وخشک، دوسرا سرد و مرطوب، تیسرا گرم و مرطوب اور چوتھا سرد خشک ہوتا ہے۔ اکناف عالم میں زمین کے یہی چار اجزاء ہیں جنہیں ربع مسکون کہا جاتا ہے۔
مشرق زمین کا ربع اوّل ہے جس میں گرمی و رطوبت دونوں ہوتے ہیں، یہ ہوا اور اجسام کے خون پر دلالت کرتے ہیں۔ یہ زمین کا وہ چوتھائی حِصّہ ہے جس میں پُروا ہوا چلتی ہے اور اس کی بلحاظ وقت تین ساعتیں ہوتی ہیں، پہلی، دوسری اور تیسری ساعت۔ یہاں قوائے بدن میں قوت ہاضمہ اور قوت ذائقہ ہوتی ہے، آخر الذکر لذت حلاوت پر مبنی ہوتی ہے۔ اس خطّہ زمین کے ستارے قمر اور زہرہ ہیں، اس کے برج حمل، ثور اور جوزاء ہیں۔ اس پر حکمائے عصر قدیم وجدید کے متعدد اقوال پائے جاتے ہیں۔

مغرب زمین کا ربع ثانی ہے۔ یہاں کی آب وہوا سرد و مرطوب یعنی آبی و بلغمی اس کے گرم موسم اور اس کی ہوا کو "دبور" کہتے ہیں۔ اس کی ساعتیں دسویں، گیارہویں اور بارہویں ہوتی ہیں۔ اس کے ستارے مشتری و عطارد ہیں اور برج جدی دُلو اور حُوت ہیں۔ وہاں کے ذائقے الح یعنی نمکین وغیرہ ہیں اور قویٰ میں قوت مدافعت غالب ہے۔

زمین کا تیسرا چوتھائی حِصّہ اس کا شمالی حِصّہ ہے۔ وہاں کی آب وہوا گرم خشک اور

کسی قدر صفراوی ہوتی ہے۔ وہاں کی ہوا کو صبا کہتے ہیں۔ دن کے وقت وہاں کی ساعتیں یا گھڑیاں چوتھی پانچویں اور چھٹی ساعتیں ہوتی ہیں۔ وہاں کے بدنی قوی قوائے نفسانیہ وحیوانیہ کہلاتے ہیں۔ وہاں کے ذائقوں پر تلخی یا کڑواہٹ غالب ہے۔ وہاں کے کواکب مریخ اور سورج ہیں اور اس کے بُرُوج سرطان وسنبلہ اور میزان ہیں۔ زمین کا چوتھا اور آخری چوتھائی حصہ اس کا جنوبی خطہ ہے جہاں کی آب وہوا سرد وخشک اور زمین کا مزاج تلخ وسوداوی ہے اور فصل خریف ہوتی ہے۔ وہاں کی ہوا کو ہوائے شمال کہا جاتا ہے۔ اس لیے کہ وہ جنوب سے شمال کی طرف چلتی ہے۔ وہاں کی ساعتیں آٹھویں اور نویں ہوتی ہیں اور قوائے بدن میں قوت ماسکہ غالب ہے وہاں کے کھانوں اور اس کے مزوں پر پھیکا پن غالب ہے۔ اس کے کواکب میں زحل ہے اور اس کے بروج میزان عقرب اور قوس ہیں۔ اس کے بعد جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ زمین اپنی ہیئت وخواص میں بدلتی چلی گئی ہے۔ یعنی جو خطے ایک دوسرے کے قریب ہیں ان کے خواص قریب قریب ایک ہیں اور جو دُور دُور ہیں وہاں زمین کی ہیئت اور اس کے خواص مختلف ہیں۔ زمین کا بہترین خطہ وہ ہے جہاں سُورج کی کرنیں زیادہ پڑتی ہیں۔ وہ علاقہ چوتھی اقلیم ہے جہاں سُورج کی کرنیں زمین کی کدورت کو صاف کر کے اسے جلا بخشتی ہیں اور وہ اقلیم عراق ہے۔

زمین کے غیر آباد ہونے کی وجوہ

زمین جہاں غیر آباد ہے اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ وہاں سُورج کی کرنیں براہِ راست پڑ کر اس خطہ ارضی کو اس قدر گرم بنا دیتی ہیں کہ وہاں زمین جل کر سیاہ پڑ جاتی اور پانی اُبل کر ایسا ہو جاتا ہے کہ پینے کے قابل نہیں رہتا۔ وہاں نباتات کے اُگنے کا تو ذکر ہی کیا حیوانات کے جسم کی رطوبت تک زائل ہو جاتی ہے۔ دُوسری وجہ یہ ہے کہ وہاں سورج کی شعاعیں پہنچ ہی نہیں پاتیں اور زمین کا وہ خطہ صرف چاند کی زد میں رہتا ہے۔ وہ جگہ اس قدر سرد ہوتی ہے کہ نہ تو وہاں کوئی چیز اُگ سکتی ہے اور نہ سردی کی شدت کی وجہ سے انسان وحیوان سانس لے سکتے ہیں ان کے اجسام میں حرارت باقی نہیں رہتی، وہاں پانی بھی ہر وقت منجمد رہتا ہے۔

اس سلسلے میں علماء وحکماء کے بہت سے بیانات ملتے ہیں جو زمین کے نقائص اور اس عالم بر رودت پر جو زمین کی فنا کے مساوی سمجھی گئی ہے روشنی ڈالتے ہیں۔ اس جگہ بُرج سُنبلہ میں سُورج کا قیام سات ہزار سال بتایا گیا ہے جو عالم بشریت کی تمام عمر سمجھی گئی ہے۔ اس خطہ ارضی کی یہ حالت ابدی ہے۔

سورج کی برجوں میں قیام کی مدتیں

سورج کے برج حمل میں قیام کی مدت بارہ ہزار سال بتائی گئی ہے، برج ثور میں گیارہ ہزار سال، برج جوزاء میں دس ہزار سال، برج سرطان میں نو ہزار سال، برج اسد میں آٹھ ہزار سال، برج سنبلہ میں سات ہزار سال، برج میزان میں چھ ہزار سال، برج عقرب میں پانچ ہزار سال، برج قوس میں چار ہزار سال، برج جدی میں تین ہزار سال، برج دلو میں ایک ہزار سال اور برج حوت میں ایک ہزار سال۔ اس طرح مجموعی طور پر جملہ برجوں میں سورج کے قیام کی مدت ۷۸ ہزار سال ہوتی ہے اور یہی مجموعی مدت تخلیق عالم سے لے کر اس کی فنا تک بتائی جاتی ہے۔

مذکورہ بالا دونوں فریقوں نے ان حالات کا ذکر کیا ہے جب سورج شمال سے جنوب کی طرف اور جنوب سے شمال کی طرف اپنے اثرات منتقل کرتا ہے۔ ہم نے اسے اپنی کتاب "الزلف" میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

اجسام کی اقسام

اہل خبر کے بیانات کے مطابق جملہ خطہ ہائے ارضی میں اول سے آخر تک اجسام کی تین اقدار ہوتی ہیں اور انھیں کی نسبت سے وہاں کے باشندوں کی شکل وصورت اور قد وقامت کے علاوہ ان کی عقول، ان کے نفوس اور ہیولے بھی مختلف ہوتے ہیں۔ جیسا ہم نے اپنی کتاب "الزلف" میں بتایا ہے اجسام کی درحقیقت چھ قسمیں ہوتی ہیں۔ وہ یہ ہیں:۔

جسم سماوی، جسم ارضی، جسم حیوانی ناطق، جسم حیوانی غیر ناطق، جسم نباتاتی اور جسم حجری یعنی معدنی۔ ان اجسام کے چار عناصر ہیں۔ وہ آگ، پانی، ہوا اور مٹی ہیں۔

ان جملہ باتوں کا ذکر ہم نے ان میں فرفوریوس، افلاطون اور ارسطو کے مختلف بیانات کے حوالے سے اپنی کتاب "الرؤوس السبعیہ، فی باب السیاستہ المدنیہ، وعدد اجزاتُہا وعللہا الطبیعہ" میں تفصیل سے کیا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ مختلف خطہ ہائے ارضی میں لوگوں کی شکل وصورت، ان کے مزاج، ان کی طبیعتیں اور ان کی مناسبت سے ان کے پسندیدہ اذواق مختلف کیوں ہوتے ہیں ہم نے اس کی مثال سوڈانی، ترکی وغیرہ کے متعلق دی ہے۔ اسی طرح موسم گرما میں ہندوستان کی گرمی اور سوڈان میں گرمی کی شدت کی وجہ بھی ہم بتا چکے ہیں کہ اس موسم میں وہاں سورج ان خطہ ہائے ارضی کے قریب ہوتا ہے اور موسم سرما میں ان خطوں سے اس کا بُعد بڑھتا جاتا ہے۔ بہرکیف جو کچھ اوروں نے بیان کیا ہے اور جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں ہمیں ازروئے تحقیق اس پر اصرار نہیں ہے

ویسے لوگوں نے انسانوں، حیوانوں اور جنّات کی بھی مختلف اقسام بیان کی ہیں مغرب کے حوالے سے انہوں نے نوعِ انسانی کی تین قسمیں بتائی ہیں۔

ناس، نسناس اور نسانس

لیکن یہ اس لیے محال ہے کہ ناس و نسناس کے علاوہ باقی رہ جانے والی قسم ارذل ترین ہو جاتی ہے۔

اس طرح انہوں نے جنّات کی دو قسمیں بتائی ہیں: "اعلام" و "انشد" ان کے نزدیک جو طاقتور جن ہیں "راجن" کہلاتے ہیں اور جو ضعیف ہیں وہ "رحن" ہیں۔

بہرکیف جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں جنّات کی یہ تقسیم اجسام عربوں کے توہمات کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

انسان کی تقسیم اجسام کے بارے میں بھی عبداللہ بن سعید ابن کثیر بن عفیر مصری وغیرہ کے مختلف بیانات ملتے ہیں۔

ہم نے اس کتاب سے پہلی کتاب میں بتایا ہے کہ خلیفہ عباسی المتوکل نے حنین بن اسحٰق اور اپنے زمانے کے دوسرے حکماء کو حکم دیا تھا کہ وہ مختلف خطّہ ہائے ارضی کی مٹی کے نمونے لاکر بتائیں کہ وہاں نوعِ انسانی میں نسناس وغیرہ کس طرح پیدا ہوتے ہیں اور پھر اس تحقیق کا کیا نتیجہ نکلا تھا۔ بہرکیف ہم ان بیانات کی ذمّہ داری نہیں لیتے جیسا کہ ان راویوں نے نہیں لی جنہوں نے یہ روایات دوسروں سے نقل کی ہیں۔ لہٰذا ہم نے بھی ان روایات کو یہاں نقل کر دیا ہے۔ جن کی صحت و عدم صحت کا علم خدا ہی کو ہے۔

ہم نے اپنی پہلی کتاب میں خالد بن سنان عبسی کی روایات بھی نقل کی ہیں۔ یہ راوی جناب عیسیٰ بن مریم اور محمد علیہما السلام کے زمانوں کے درمیانی وقفے میں گزرا ہے۔ ہم نے اس راوی کا آگ اور اس کے بجھنے کے متعلق بیان بھی اپنی اس کتاب میں تفصیل سے نقل کیا ہے۔

عنقا

عنقا کے بارے میں خالد بن سنان عبسی کی روایت اور اس کے مآخذ کا ذکر یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے نیز ان کے بعد جو اطلاعات اس سلسلے میں ہم تک پہنچی ہیں ان کا ذکر بھی یہاں ضروری سمجھا گیا ہے جن کا اہم ماخذ ابن عفیر کی روایت ہے۔

حسن بن ابراہیم کہتا ہے:۔ ہم سے محمد بن عبداللہ مروزی نے یکے بعد دیگرے اسد بن سعید بن کثیر بن عفیر کے حوالے سے بیان کیا کہ اوّل الذکر نے اپنے باپ کثیر اور اس نے اپنے عفیر کی

روایت ابن عباس کے حوالے سے عکرمہ کی زبانی یوں نقل کی ہے کہ ابن عباس سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے زمانے میں ایک پرندہ پیدا فرمایا تھا جو سب پرندوں سے اچھا تھا۔ اس کے اعضاء درجہ بدرجہ حسن میں ڈھلے ہوئے تھے۔ اللہ نے اس کا منہ انسان کی شکل کا بنایا تھا۔ اس کے بازوؤں کے پر طرح طرح کے رنگوں پر مشتمل تھے۔ اس کے دونوں جانب چار چار بازو یا پنکھ تھے۔ اس کے دونوں پنجوں میں (تیز اور لمبے) ناخن بھی تھے۔ اس کی چونچ عقاب کی چونچ کی طرح مضبوط تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس پرندے کی مادہ بھی پیدا کی تھی اور ان دونوں کا نام عنقا ہی رکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسےٰ بن عمران (علیہما السلام) پر وحی بھی نازل فرما کر ارشاد فرمایا تھا کہ میں نے یہ عجیب و غریب پرندہ پیدا کر کے اس کی مادہ بھی پیدا کی ہے اور ان کی خوراک بیت المقدس کے جنگلی پرندے بنائے ہیں۔ تم ان سے انسیت رکھو اور اسے بنی اسرائیل کے لیے ہماری طرف سے عزت افزائی سمجھو۔ چنانچہ اس کے بعد اس پرندے کی نسل بڑھتی رہی یہاں تک کہ موسیٰ و ہارون (علیہما السلام) تیہ میں چلے گئے اور انہیں وہاں گئے ہوئے چالیس سال گزر گئے تو موسےٰ، ہارونؑ اور ان کے ساتھ بنی اسرائیل کے جو لوگ وہاں گئے تھے سب وفات پا گئے اور وہاں اس نسل پر چھ ہزار سال گزر گئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں یوشع بن نون شاگرد موسےٰؑ اور ان کے وصی کے ساتھ تیہ سے نکالا۔ اسی اثنا میں مذکورہ طائر بھی وہاں سے نجد و حجاز کی طرف اس سرزمین کی طرف جو بلاد قیس عیلان میں واقع ہے منتقل ہو گیا لیکن اس کو اب جنگلی چڑیوں کو کھانے کی عادت کے علاوہ چھوٹے بچوں اور لوگوں کے پالتو جانور کھانے کی بھی عادت پڑ گئی۔ اس زمانے میں بنی عبس میں اللہ تعالیٰ نے ایک نبی کو مبعوث فرمایا تھا۔ اب جیسا خالد بن سنان کی روایت سے پتہ چلتا ہے اور اس نے مختلف حوالوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ لوگ اس نبی کی خدمت میں اس پرندے کی (ظالمانہ) عادتوں کی شکایت لے کر گئے تو نبی نے اللہ تعالیٰ سے اس پرندے کی نسل ختم کر دینے کے لیے دعا کی اور اس کے نتیجے میں اس پرندے کی نسل اللہ تبارک و تعالیٰ نے ختم فرما دی۔ اسی لیے اب اس پرندے (یعنی عنقا) کا ذکر صرف قصوں کہانیوں میں باقی رہ گیا ہے۔" چنانچہ اب اگر کوئی شخص عنقا کا لفظ استعمال کرتا ہے تو اس کا مطلب عجیب و غریب چیز، نادر الوجود چیز یا نہ پائے جانے والی چیز ہوتا ہے ویسے عُنق کے معنی سُرعت کے ہوتے ہیں۔

خالد بن سنان عَبسی | ابن عباس کہتے ہیں کہ "خالد بن سنان عَبسی بنی عبس میں نبی ہوئے

ہیں۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عرب میں مبعوث ہونے کی بشارت دی تھی۔ جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنی قوم کو وصیت کی کہ انہیں وفات کے بعد انہیں اطراف میں کہیں دفن کر دیا جائے۔ یہاں ایک عظیم رملی ٹیلہ تھا۔ انہوں نے یہ بھی وصیت کی کہ چند روز ان کی قبر کی وہاں حفاظت کی جائے، پھر لوگ جمع ہو کر میری قبر کھولیں اور میری میت کو قبرستان میں لے جا کر دفن کرنے لگو تو اس وقت کسی کاتب کو بُلا لانا وہ ان واقعات کو لکھتا جائے جو میں لکھاتا جاؤں اور وہ قیامت تک پیش آنے والے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ان کی قبر کی تین تین کر کے نو دن تک حفاظت کی۔ اس وقت ایک گدھا ان کی قبر کے قریب آ کر گھاس چرنے لگا۔ ان لوگوں نے اس روز خالد بن سنان عبسی کی قبر کھولنا چاہی تاکہ ان کی وصیت کے مطابق ان کی لاش قبرستان میں منتقل کر دی جائے کہ اچانک خالد کا بیٹا ننگی تلوار لے کر وہاں آ پہنچا اور ان لوگوں سے بولا۔

"خبردار! جو تم نے اس قبر کو کھولا۔ کیا تم چاہتے ہو کہ بعد میں آنے والی عربی نسلیں یہ کہیں کہ مبنوش کی اولاد ایک قبر کی حفاظت بھی نہ کر سکے۔"

چنانچہ ان لوگوں نے خالد بن سنان عبسی کی قبر کو وہیں رہنے دیا۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ اس کے برسوں بعد خالد کی نسل کی ایک بڑھیا نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپؐ کو بڑے احترام سے سلام کیا اور آپ کی سلامتی کے لیے دُعا کی۔ آپؐ نے اسے نبی کی بیٹی کہہ کر خطاب فرمایا اور اسے مرحبا کہا۔

ابن عفیر کی بیان کردہ اور بہت سی باتیں کتابوں میں ملتی ہیں۔

چوپایوں کی تخلیق

عفیر کی بیان کردہ باتوں میں ایک چوپایوں کی تخلیق کے بارے میں بھی اسے حسن بن ابراہیم شعبی القاضی نے نقل کیا ہے۔ وہ کہتا ہے: "ہم سے ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ مروزی نے بیان کیا کہ مجھ سے ابوالحارث اسد بن سعید بن کثیر بن عفیر نے اپنے باپ، دادا اور پردادا کے حوالے سے کہا کہ اس کے پردادا عفیر نے بیان کیا ہے کہ اس سے عکرمہ نے اپنے آقا ابن عباس کے حوالے سے کہا کہ آخر الذکر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جب اللہ تعالٰے نے سواری کے جانوروں کی تخلیق کا ارادہ فرمایا تو جنوبی ہوا سے ارشاد ہوا: "میں نے تجھ سے ساری مخلوق پیدا کی ہے۔ اب تو ہر طرف سے ایک جگہ جمع ہو جا۔" چنانچہ ہوا ایک جگہ اکٹھی ہو گئی۔ پھر اللہ تعالٰے نے حضرت جبریلؑ سے ارشاد فرمایا کہ اس پر قبضہ کریں تو جبریلؑ نے اس پر قبضہ کر لیا۔" اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تب

اللہ تعالےٰ نے گھوڑا پیدا کیا اس سے ارشاد فرمایا: "ہم نے تجھے عربی گھوڑا بنایا ہے جہاں جہاں سواری کے جانور پیدا کیے ہیں اور ان کے لیے رزق اتارا ہے ان سب جانوروں پر تجھے فضیلت بخشی ہے۔ تجھے ہم نے برکت بخشی ہے۔ تیری پیٹھ پر مالِ غنیمت آیا کرے گا، تیری پیشانی پر چمک دار نشان ہو گا اور تیری آواز ایسی ہو گی کہ اسے سُن کر مشرکین پر رُعب بیٹھے گا۔ ان کے کان پھٹنے اور ان کے قدم ڈگمگانے لگیں گے۔" پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "اللہ تعالےٰ نے اس گھوڑے کی نسل کا نام "عزّہ" اور "تجیل" رکھا۔ اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا: "پھر جب اللہ تعالےٰ نے آدمؑ کو پیدا کیا تو ان سے پوچھا: "اے آدمؑ! تو گھوڑا پسند کرتا ہے یا بُراق؟ بُراق خچر کی شکل کا ہے لیکن نر یا مادہ دونوں میں سے کوئی نہیں ہے" آدمؑ نے عاجزی کے ساتھ عرض کیا کہ اللہ تعالےٰ تو نے مجھے ان دونوں میں سے کسی ایک کو پسند کرنے کا اختیار دیا ہے، لہٰذا میں گھوڑے کو پسند کر کے وہی لیتا ہوں۔" چنانچہ آدمؑ نے گھوڑا لے لیا۔"

اس کے بعد اللہ تعالےٰ نے آدمؑ سے ارشاد فرمایا: "تیرا پسند کردہ یہ گھوڑا تیرے لیے اور تیری اولاد کے لیے قیامت تک عزت کا نشان بنا رہے گا۔" ابن عباس کہتے ہیں اب یہ اصلی نسل کے وہی عربی گھوڑے "عزّہ" اور "تجیل" کے نام سے ہمیشہ دنیا میں مشہور رہیں گے۔"

عیسٰی بن لبیعہ مصری نے اپنی کتاب "الحلائب والجلائب" میں اسلام کے دور اور قبل اسلام کے دور یعنی زمانہ جاہلیت کے زمانے کے گھوڑوں کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ جب بنی ازد میں سے ایک شخص گھوڑے پر سوار ہو کر حضرت سلیمان بن داؤد (علیہما السلام) کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس گھوڑے کا نام "زاد الراکب" رکھا۔ اس واقعہ کا ذکر ابن درید نے بھی اپنی کتاب "الخیل" میں کیا ہے۔ کاش یہ مصنف اپنی تصنیف میں گھوڑوں کی نسلوں کا تذکرہ کرتے ہوئے مذکورہ بالا نسل کے عربی گھوڑوں کا ذکر بھی شامل کر لیتا تو لوگ اس کے بیان کو یقیناً علیٰ وجوہ قبول کر لیتے۔

اخبارِ عالم پر تبصرہ

دنیا کی تاریخی خبروں پر جہاں تک تبصرات کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ ایسی تمام اطلاعات جو علم و عمل دونوں کی مناسبت سے مفید خلائق ہوں ان پر یقین کرنا واجبات میں شامل ہے اور اگر وہ اس کے برعکس ہوں تو انہیں یقین کی حدود میں شامل کرنا ضروری نہیں ہے۔

کچھ دوسرے لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر ایسی اطلاعات مختلف شہروں کے فقہا اور علمائے دین کے ذریعے تواتر کے ساتھ ملتی ہوں تو وہ علم و عمل دونوں اعتبار سے قابلِ قبول ہیں چہ جائیکہ وہ مفید

خلائق بھی ہوں - یہ آخری بات ان کے علم میں آنے کے بعد واجب العمل ہونے میں امتیازی حیثیت رکھتی ہے -

دُنیا کی تاریخی خبروں کی قبولیت اور عدم قبولیت نیز علم کے ساتھ ان پر عمل کے سلسلے میں بعض لوگوں نے ان اسباب کے علاوہ جو سطور بالا میں پیش کیے گئے کچھ اور اسباب بھی بتائے ہیں -

مثلاً ہم نے نسناس ، عنقا اور تخلیق خیل کے بارے میں جو ذکر کیا ہے اس کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ چونکہ یہ روایات علی التواتر احادیث نبوی کے ذریعہ بیان کی گئی ہیں اس لیے انہیں علم الیقین کے علاوہ حق الیقین کا درجہ دینا واجبات میں داخل ہیں - ان روایات کے علاوہ جو ایسی روایات ہمارے علم میں آئیں جن پر عمل ضروری ہو بتایا گیا اور ان کے راویوں کی ثقاہت بھی پایہ ثبوت کو پہنچ جائے تو ان پر عمل واجب ہے جب کہ دوسری روایات خواہ وہ علی التواتر ہم تک پہنچیں اور ان کے راوی بھی چاہے ثقہ ہی کیوں نہ ہوں انہیں حق الیقین کا درجہ دینا ضروری نہیں ہے - بلکہ ان کے سلسلے میں راویوں کی ذاتی تحقیقات کا علم ہونا ضروری ہوگا - ہم نے اس کتاب میں ایسی جملہ روایات جمع کر دی ہیں لیکن ان پر تفصیلی تبصرے اختصار کے پیش نظر چھوڑ دیے ہیں - یہاں صرف کچھ مثالیں پیش کی جاتی ہیں -

روایات کی مثالیں

ان روایات کی ایک مثال "روایت قرد" ہے جو بنی اسرائیل کے عہد میں ایک کشتی اور ایک ایسے شخص کے بارے میں ہے جو کشتی میں شراب فروخت کر رہا تھا اور اس میں پانی ملا کر ان لوگوں کو دے رہا تھا جو اس کے ساتھ اس کشتی میں سوار تھا اور ان سے کثیر تعداد میں درہم وصول کر رہا تھا - قرد عراق میں لوگوں کی جیبوں سے ناجائز طور پر نقدی نکالنے کو کہتے ہیں - چونکہ وہ شخص کشتی کی سواریوں سے کشتی کا کرایہ بھی وصول کر رہا تھا اور اس پانی کی قیمت بھی جو وہ انھیں شراب میں ملانے کے لیے دے رہا تھا - وہ پانی الگ سے قیمت پر بھی نہیں دیتا تھا بلکہ اس کے ساتھ شراب خریدنا لازم کر رکھا تھا ، اس لیے اس کا یہ تمام عمل قرد کے تحت آتا ہے -

اسی طرح ایک دوسری روایت ہے جو شعبیؒ نے فاطمہ بنت قیس کے حوالے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارک کے طور پر بیان کی ہے - وہ روایت یوں ہے کہ شعبیؒ نے فاطمہ بنت قیس سے اسے سنا اور فاطمہ بنت قیس نے نیز چند دیگر صحابیوں نے بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ تمیم داری نے آپ سے بیان کیا :-

"میں اپنے کچھ چچازاد بھائیوں کے ساتھ سمندر میں ایک کشتی میں سفر کر رہا تھا کہ سمندر میں طوفان آگیا اور سمندر کی لہروں نے ہماری کشتی کو بہا کر ایک جزیرے پر لے جا ڈالا۔ جب ہم کشتی سے اس جزیرے میں اُترے تو ہم نے وہاں ایک بہت بڑا چوپایہ دیکھا جس کے جسم پر لمبے لمبے بال تھے جو اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے تھے۔ میں نے اس چوپائے سے پوچھا "اے چوپائے تو کون ہے" اس نے جواب دیا میں جساسہ ہوں جو عام لوگوں کو آخری زمانے میں نظر آؤں گا۔ پھر وہ چوپایہ تمیم کے بقول تمیم اور اس کے ساتھیوں کو قریب کے ایک محل میں لے گیا جہاں انہوں نے ایک شخص کو زنجیروں میں سر سے پاؤں تک جکڑا ہوا دیکھا۔ وہ شخص ان لوگوں سے مخاطب ہوا اور انھیں بتایا کہ میں دجال ہوں، زنجیروں میں جکڑے ہونے کے باوجود سر پر گوشت کے لوتھڑے اُٹھائے پھرتا ہوں لیکن مدینے میں (کوشش کے باوجود) داخل نہیں ہو سکتا۔

یہ حدیث اور ایسی بہت سی احادیث بڑی طویل طویل شرحوں کے ساتھ بیان کی گئی ہیں۔ اب ہم پھر اکنافِ عالم کی آب و ہوا اور اس کے خواص کی طرف آتے ہیں جو ہم اس سے قبل سطور بالا میں بیان کر رہے تھے۔ ہم نے انھیں زیر نظر کتاب سے پہلے اپنی ایک اور کتاب میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ یہاں ان کا ذکر موضوع کی مناسبت کے لحاظ سے بالاختصار کیا جا رہا ہے۔

اطبائے قدیم و جدید اور علوم طبیعات پر کتابوں کے مصنف لکھتے ہیں کہ جسم میں خوراک کے قوائے انہضام تین ہیں۔ ان میں پہلا معدہ ہے جو خوراک ہضم کرکے اسے مقطر پانی بنا دیتا ہے اور اس مقطر پانی کو جگر کی طرف منتقل کر دیتا ہے جو دوسری قوت انہضام ہے۔ یہ دوسری قوت انہضام اس پانی کو جسم کے دوسرے اعضا تک اس طرح پہنچاتا ہے جیسے کوئی نہر یا کنوئیں کا پانی لوگوں تک پہنچاتا ہے۔ یہ پانی دراصل خوراک کا نچوڑ ہوتا ہے جس سے جسم میں گوشت اور چربی کی قوت میں اضافہ ہوتا ہے۔ جن رگوں کے ذریعے جگر خوراک کے اس نچوڑ کو جسم کے مختلف حصوں میں پہنچاتا ہے وہ قوائے انہضام میں تیسری قوت کہلاتی ہیں۔ اگر قوائے انہضام کا یہ عمل دُرست حالت میں کام کرتا رہے تو انسان خدا کے فضل سے تندرست رہتا ہے۔

سال کی مختلف فصلیں سال بھر میں عموماً چار فصلیں (موسم) ہوتی ہیں۔ سردی، گرمی، جاڑے اور برسات کے فصل۔ عربی میں ان کے نام یہ ہیں:۔

"صیف، خریف، شتا اور ربیع"

صیف کی فصل صفراوی، خریف کی سوداوی، شتا کی بلغمی اور ربیع کی فصل دمی کہلاتی ہے کیونکہ اس میں خون زیادہ مقدار میں پیدا ہوتا ہے۔

یہی حال انسان کی عمر کا ہے یعنی اس کی عمر بھی چار حصوں میں تقسیم ہوتی ہے انسان کی عمر کا پہلا حصہ صبا ہے جو تولید و تقویت خون کا حصہ ہے، دوسرا حصہ شباب ہے جو صفراویت کے غلبہ کا حصہ ہوتا ہے۔ تیسرا حصہ کہولت کہلاتا ہے جس میں سوداویت بڑھتی ہے اور چوتھا حصہ شیخوخت یا بڑھاپا کہلاتا ہے اور اس حصے میں بلغم کا غلبہ رہتا ہے۔

اسی طرح دنیا کی سمتیں بھی چار ہیں جو یہ ہیں:۔

مشرق۔ یہ طبعاً حرارت اور رطوبت میں مشہور ہے اور اس جگہ خون کا دباؤ زیادہ ہوتا ہے

جنوب۔ یہ سمت طبعاً برودت اور خشکی میں شہرت رکھتی ہے۔ یہاں سوداویت کا دباؤ زیادہ ہوتا ہے۔

مغرب: دنیا کی یہ سمت طبعاً برودت و رطوبت میں خصوصیت رکھتی ہے اور اس خصوصیت کی وجہ سے بلغمی کہلاتی ہے۔

شمال: دنیا کی اس سمت میں حرارت و خشکی کا غلبہ ہوتا ہے اور وہ صفراوی کہلاتی ہے۔

ویسے انسان کے جسم میں عموماً ان سمتوں کے لحاظ سے مادوں میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے لیکن قدرتاً اس میں توازن و اعتدال قائم رہتا ہے کیونکہ اس میں ان جملہ مادوں کا اختلاط پایا جاتا ہے۔

بقراط کہتا ہے کہ کائنات ارضی و سماوی کے سات حصے ہونا فطرتاً لازمی ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ دیکھو نظام شمسی میں ستارے بھی سات ہیں، دنیا کی اقالیم بھی سات ہیں۔ ہفتے کے دن بھی سات ہیں اور انسان کی عمر کے بھی سات حصے ہیں۔ ان میں پہلا بچپن ہے جو ۱۴ سال کی عمر تک رہتا ہے۔ اس کے بعد لڑکپن ہے جو ۲۱ برس کی عمر تک رہتا ہے۔ اس کے بعد شباب ہے جس کی فطری حد ۲۲ سال سے ۳۵ سال تک ہے۔ اس کے بعد چالیس سال تک کہولت کا زمانہ ہوتا ہے اس کے بعد بڑھاپا شروع ہو جاتا ہے جو ۴۷ سال تک رہتا ہے۔ اس کے بعد دو حصے کمی زیادتی کے اعتبار سے انتہائی بوڑھاپے کے ہیں جو آخر عمر تک چلتے ہیں۔

انسان اور حیوان میں ہوا کے اثرات

انسانوں اور حیوانوں کے مزاج میں جو تغیر پیدا ہوتا ہے اس کا انحصار ہوا پر ہے۔ بقراط کا کہنا

ہے کہ ہوا کے تغیر سے انسان کے مزاج میں غضب اور سکون کی کیفیات پیدا ہوتی ہیں۔ یہی حال مہم جوئی اور مسرت و سرور کی کیفیات کا ہے جو ہوا ہی کے تغیر سے پیدا ہوتی ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ اگر ہوا میں اعتدال ہو تو انسان کا مزاج بھی معتدل رہتا ہے اور اس کے اخلاق پر بھی اس کا اچھا اثر پڑتا ہے۔

بقراط نے یہ بھی کہا ہے کہ نفس کی قوت بدن کے مزاجوں کے تابع ہوتی ہے اور بدن کے مزاج ہوا کے زیر اثر ہوتے ہیں۔ ہوا کے مزاج بھی مختلف ہوتے ہیں، وہ کبھی تیز و تند ہوتی ہے، کبھی نرم رو، کبھی سرد ہوتی ہے کبھی گرم، ہوا کے یہی تغیرات انسان کے مزاج پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اگر ہوا میں اعتدال ہو تو انسان کا مزاج بھی معتدل رہتا ہے لیکن یہ زمین کے مختلف حصوں کی ہوا پر منحصر ہے۔

انسانی اشکال پر ہوا کی تاثیر

انسانی اشکال کے اختلاف کے بارے میں بھی اہل علم کا استدلال یہ ہے کہ ان کا اختلاف زمین کے مختلف خطوں کی ہوا کے اختلاف کی وجہ سے ہے۔ ظاہر ہے کہ دنیا کی ہفت اقلیم کے باشندوں کی نہ صرف شکل وصورت بلکہ ان کے قد و قامت، ڈیل ڈول وغیرہ بھی ہوا کے اختلاف کی وجہ سے مختلف ہوتے ہیں۔ سرد خطوں کے افراد پر وہاں کی ہوا کا اور گرم خطے والوں کے مزاج بلکہ اخلاق و عادات تک پر وہاں کی ہوا کا اثر پڑتا ہے۔ مصر ہو یا کوئی اور جگہ سب کا یہی حال ہے۔ سرد ملکوں کے مردوں کے مزاج بھی عورتوں کے مزاج کی طرح نرم و نازک ہوتے ہیں۔ وہاں کے مردوں کی شکل وصورت میں بھی نزاکت پائی جاتی ہے جب کہ گرم ملکوں کے مردوں کی طرح وہاں کی عورتیں بھی گرم مزاج ہوتی ہیں۔ لوگوں کا رنگ روپ بھی ہواؤں کے زیر اثر ہوتا ہے۔ سرد ملکوں کے لوگوں کا رنگ سفید ہوتا ہے، ان کی انگلیاں بھی گرم ملکوں کے لوگوں کے برخلاف نرم و نازک ہوتی ہیں اور ان کی ساخت بھی گرم ملکوں کے باشندوں کی انگلیوں کی ساخت سے مختلف ہوتی ہے۔ یہ سب ہوا ہی کے اثرات ہیں۔

حکیم بقراط نے یہ بھی کہا ہے کہ ہوا کا اثر نہ صرف انسانی اجسام تک محدود ہے بلکہ اس کا اثر نباتات اور اشجار تک پر ہوتا ہے جہاں جہاں کی ہوا معتدل ہے وہاں کے لوگوں کے اجسام ہی میں توازن و اعتدال نہیں پایا جاتا بلکہ وہاں کے حیوانات بھی اسی نسبت سے ڈیل ڈول میں خوب صورت ہوتے ہیں۔ ایسی خوش گوار ہوا کا اثر پانی تک پر ہوتا ہے جو اس ہوا کے اثر

سے خوش گوار اور شیریں اور خنک ہوتا ہے۔

اس نے حفظان صحت کے سلسلے میں بھی آب وہوا کے اثرات کا ذکر کیا ہے اور اس کا استدلال علم و تجربے کی کسوٹی پر پورا اُترتا ہے۔

ہوائے جنوب کے اثرات

حکیم بقراط نے جنوب کی ہوا کے بارے میں یہ کہا ہے کہ اس ہوا سے سمندروں اور دریاؤں کی طغیانی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ وہاں کے لوگوں کے رنگ و روپ پر بھی اس کا اثر پڑتا ہے۔ لوگوں کے اجسام و اعصاب بھی اس سے متاثر ہوتے ہیں۔ اعصاب میں کسلمندی پیدا ہوتی ہے اور ثقل سماعت کی وجہ بھی وہاں کی ہوا ہی ہے۔ آنکھوں کی بینائی بھی اسی وجہ سے کم ہو جاتی ہے کہ رطوبت کی کمی جملہ اعصاب کی حرکات کو کم کر دیتی ہے کیونکہ اعصاب حِس کی کمی بیشی سے متاثر ہوتے ہیں۔

ہوائے شمال کے اثرات

ہوائے جنوب کے برعکس ہوائے شمال میں اجسام مقوی، اذہان قوی تر، رنگ صاف، حواس مجتمع، قوت رجولیت میں اضافہ، حلق صاف اور سینہ مکدر سے خالی رہتا ہے۔

حکمائے اسلام نے عراق کے حوالے سے ہوا کے اثرات پر جو گفتگو کی ہے وہ کم و بیش اس سلسلے میں بقراط کے اقوال سے مطابقت رکھتی ہے۔

بقراط نے چو طرفہ ہواؤں کا ذکر کرتے ہوئے ان کے بھلے بُرے اثرات پر بھی روشنی ڈالی ہے اور مشرقی، مغربی جنوبی اور شمالی ہواؤں کے اثرات اور ان کی نرمی و گرمی کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

ہم نے اس کتاب میں ہوا کے مختلف اثرات کے اجمالی ذکر کے علاوہ ان کا ذکر اپنی دوسری کتابوں میں کسی قدر تفصیل سے کیا ہے۔ اب زیرِ نظر باب کے اختتام سے پہلے ہم سطح ارضی کی مساحت پر گفتگو کرتے ہوئے فرازی مصنف کتاب "الزیج والقصیدہ فی ہیئت النجوم والفلک" کے حوالے سے دنیا کے مختلف حصوں کے درمیان قرب و بُعد پر روشنی ڈالیں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

مساحات ممالک اور ان کے مابین مسافت کا قُرب و بُعد

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اسلامی حکومت کے ممالک میں جو پیمائش کرائی گئی تھی اس کی رُو سے فرغانہ سے اقصائے خراسان اور وہاں سے مغرب میں طنجہ تک طول میں تین ہزار سات سو فرسخ ٹھہری تھی اور عرض میں باب الابواب

سے لے کر جدہ تک چھ سو فرسخ نکلی تھی۔ اس کے علاوہ باب الابواب سے بغداد تک تین سو فرسخ اور مکے سے جدہ تک ۲۳ میل ٹھرائی گئی تھی۔

اسی زمانے میں دوسرے ممالک محروسہ کی مساحت حسب ذیل ٹھرائی گئی تھی۔

چین کی مساحت :	مشرق سے شروع کر کے ۳۱ ہزار فرسخ	×	۱۱ ہزار فرسخ
ہندوستان کی مشرقی مساحت :	۱۱ ہزار فرسخ	×	۷ ہزار فرسخ
تبت کی پیمائش :	۵ سو //	×	۲۳۰ //
کابلشاہ کی پیمائش :	۴ سو //	×	۶۰ //
تغزغز کاتر کی علاقہ :	۱۰۰ //	×	۵۰۰ //
ترکستان کا خاقانی علاقہ :	۷۰۰ //	×	۵۰۰ //
خزدلان :	۷۰۰ //	×	۵۰۰ //
برجان :	۱۵۰۰ //	×	۳۰۰ //
صقالبہ :	۳۵۰۰ //	×	۴۲۰ //
رومی مساحت قسطنطنیہ میں :	۵ ہزار //	×	۴۲۰ //
شہر روم کی مساحت :	۳ ہزار //	×	۷۰۰ //
عبدالرحمن بن معاویہ کے زمانے میں اندلسی مساحت :	۳ سو فرسخ	×	۸۰ //
ادریس فاطمی کی قلمرو :	بارہ سو فرسخ	×	۱۲۰ //
ابنیہ کی مساحت :	۲۵۰۰ //	×	۷۰۰ //
ساحل سجلماسہ بنی منتصر کے زمانے میں :	۴۰۰ //	×	۸۰ //
غانہ (بلاد الذہب) :	۱۰۰۰ //	×	۸۰ //
ودام کی مساحت :	۲۰۰ //	×	۸۰ //
نخلہ // // :	۱۲۰ //	×	۶۰ //
واح // // :	۶۰ //	×	۴۰ //
نجبہ // // :	۲۰۰ //	×	۸۰ //
علاقۂ نجاشی :	۱۵۰۰ //	×	۴۰۰ //
زنجبار کی مساحت :	دمشق میں ۷۰۰ //	×	۵۰۰ //

اُسطولا (احمد بن منتصر کے زمانے میں): ۴۰۰ فرسخ x ۲۰۰ فرسخ

اس طرح اسلامی ممالک محروسہ کی مساحت مجموعی طور پر طول میں ۴۸۰ ر ۲۷ فرسخ اور عرض میں ۲۵۰ ر ۲۵ فرسخ بتائی گئی تھی۔

جہاں تک زیر نظر باب میں اصول طب پر گفتگو کا تعلق ہے اس کی خبریں ریاضی و قیاس وغیرہ پر مبنی ہیں، اس میں لوگوں میں باہم اختلافات کا ذکر بھی کر دیا گیا ہے اور اس باب میں اس کی شمولیت پر ہمیں کوئی تامل نہیں ہوا کیونکہ ہم نے جو کچھ یہاں درج کیا ہے وہ واثق باللہ کے زمانے کی ان اطلاعات پر مبنی ہے جس کی توضیح جرئی نے اس کے سامنے کی تھی۔ واثق باللہ کی مجلس میں اس وقت حنین بن اسحٰق ابن ماسویہ، بختیشوع اور میخائیل جیسے ماہر فلاسفہ اور ماہرین طب موجود تھے۔ لہٰذا ہم نے ان کی تصدیقات پر اعتماد کیا ہے اور ان مذاکرات کو بلا تامل اس باب میں شامل کر لیا ہے۔

ان مذاکرات کی تفصیل ہم نے اپنی دوسری کتابوں "اخبار الزمان" اور "کتاب الاوسط" میں بھی انہیں تصدیقات پر اعتماد کرتے ہوئے دی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

باب (۲۹)

متبرک عبادت گاہیں، مقدس ہیکل، شمس و قمر اور بتوں کی پرستش گاہیں، کواکب اور دیگر عجائب عالم

ہندوستان میں عبادت اور اس کے اصنام

ہندوستان، چین اور ان کے اطراف کے اکثر لوگوں کا اعتقاد یہ تھا کہ خدا جسم رکھتا ہے اور فرشتے بھی جسم رکھتے ہیں جن کی اقدار مختلف ہیں۔ ان کا یہ بھی اعتقاد تھا کہ چونکہ باری تعالیٰ آسمان پر مخفی ہے اس لیے انھوں نے اس کی خیالی صورت پر بُت تراش لیے تھے اور ان کے لیے بُت خانے تعمیر کر رکھے تھے۔ بعض بُت انھوں نے ملائکہ کی خیالی صورتوں پر بھی تراش کر انھیں بُت خانوں میں رکھا تھا اور دونوں کی اَن دیکھے خدا کی طرح پرستش کرتے تھے۔ کچھ بُت انھوں نے انسان کی شکل و شباہت کے بھی بنائے تھے اور ان کی بھی اسی طرح پرستش کرتے تھے۔ ان کے خیال میں قرب خداوندی کے حصول کا یہی طریقہ تھا۔ وہ اس طریقے پر مدتوں چلتے رہے اور ان کے تمام شہروں میں عبادت کا یہی طریقہ رائج رہا۔

کواکب کی پرستش اور ان کے لیے اصنام تراشی

ان کے کچھ حکماء نے انہیں یقین دلایا کہ پتھروں کے بتوں کے علاوہ ستارے بھی معبودِ حقیقی کی شکل رکھتے ہیں اور ان کی شکلیں زمین سے نظر بھی آتی ہیں۔ چنانچہ ان کی یقین دہانی پر اہل ہند اور چین نے ستاروں کی شکل کے بُت بھی تراش لیے اور ان کے لیے عبادت خانے انہیں ستاروں کے نام پر تعمیر کر کے وہاں ان کی پوجا پاٹ میں مشغول ہو گئے کیونکہ انہیں یقین تھا کہ ستارے خدا کے حکم سے حرکت کرتے ہیں اس لیے وہ انہیں بھی قربت خداوندی کا ذریعہ سمجھتے رہے۔ وہ اس طریقے پر مدتوں چلتے رہے لیکن جب انھوں نے محسوس کیا ستارے دن کے وقت اور رات کے بعض اوقات

میں روپوش ہو جاتے ہیں تو انہوں نے کچھ بڑے ستارے خصوصاً سات ستارے عبادت کے لیے مخصوص کر لیے اور ان کے نام پر عظیم بُت خانے تعمیر کر کے وہاں ان کے بُت تراش کر رکھ دیے۔ اُنھوں نے پرستش کے لیے مختلف ستارے انتخاب کیے تھے، اس لیے ان کے بُت خانے یا منادر بھی ان ستاروں کے نام پر مختلف ناموں سے یاد کیے جاتے تھے۔

اپنے حکماء، منجموں اور ہیئت دانوں کے اقوال کے مطابق وہ زحل کو سب سے بڑا اور متبرک ترین ستارہ سمجھتے تھے، اسی لیے اُنھوں نے اس کی شکل کے بُت تراش کر ان کی پرستش کے لیے جو عبادت گاہیں تعمیر کی تھیں وہ انہیں بیت الحرام سمجھ کر ان کی حد سے زیادہ تعظیم کرتے تھے۔ یہ عبادت گاہیں اُنھوں نے قریب قریب ہر بڑے شہر میں تعمیر کر رکھی تھیں۔ وہ ستارہ زحل کے جو اوصاف بیان کرتے تھے ہم نے اسے ایک فعل شنیع سمجھ کر اس کے ذکر سے یہاں احتراز کیا ہے۔

پہلا خدا پرست مہاتما بدھ

مذکورہ بالا طور پر بت پرستی کرتے ہوئے ہندیوں اور چینیوں کو مدتیں بیت گئی تھیں کہ وہاں ایک ایسا شخص پیدا ہوا جس نے بت پرستی سے منہ موڑ کر خدا پرستی کی تلقین کی۔ وہ ہندوستانی تھا جسے ہندی و چینی دونوں مہاتما بدھ[1] کے نام سے یاد کرتے تھے۔ وہ سرزمین ہند سے پہلے سندھ کی طرف گیا پھر سجستان و زابلستان گیا جو اس وقت فیروز بن کبک کی قلمرو میں تھے۔ وہ پھر کرمان ہوتا ہوا سندھ میں داخل ہوا۔ وہ اپنے نزدیک خود کو خدا کا فرستادہ انسان سمجھتا تھا جسے خدا نے اس کے بقول اپنے اور اپنی مخلوق کے درمیان ہدایات کا واسطہ بنایا تھا۔

جب وہ سرزمین فارس میں پہنچا تو اس وقت طہمورث[2] وہاں کا حکمران تھا۔ بعض لوگوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ اس وقت وہاں جمشید کی حکومت تھی۔ بہرکیف بوداسف (بدھ) پہلا شخص تھا جس نے ان اطراف میں خدا کی پرستش اور زہد و عبادت کی لوگوں کو تلقین کی بلکہ اس لحاظ سے اسے ساری دنیا میں بُت پرستی کے اس دور میں بُت پرستی چھوڑ کر خدا کی پرستش کی تلقین کرنے والا پہلا شخص سمجھنا چاہیے۔

---

[1] عربی نسخے میں اس کا نام بوداسف لکھا ہے (نشاداتی)

[2] ایک نسخے میں طیموث لکھا ہے (مرتب)

بعض لوگوں نے بوداسف (بدھ) کو بھی خدا کا اوتار سمجھ کر اس کے نام پر بُت تراش لیے اور ان کی پرستش کے لیے اب تک مختلف حیلے بہانے تراش رکھے ہیں۔

جمشید اوّل جس نے لوگوں کو آتش پرستی کی ترغیب دی

ان اہل خبر نے جنھوں نے اس دنیا کے حالات اور اس کے حکمرانوں کا ذکر کیا ہے یہ بھی بتایا ہے کہ جمشید پہلا بادشاہ تھا جس نے دنیا میں پہلی بار آگ کی تعظیم و تکریم شروع کی اور اپنی رعایا کو بھی اس کی تعظیم و تکریم کی جانب رغبت دلائی۔ اس نے یہ کہا کہ آگ روشنی میں سُورج اور ستاروں سے مشابہ ہے اور چونکہ نور کو ظلمت پر بہرحال ترجیح ہے اس لیے نور قابلِ تعظیم ہے۔

اس کے بعد لوگوں نے ناموں کی مناسبت سے قربت الٰہی کے حصول کے لیے نوری اشیاء کی پرستش شروع کر دی تاہم لوگ ایک مدت تک اس بارے میں مختلف الرائے رہے۔

عمرو بن لحی کا مکے میں اصنام لانا

عمرو بن لحی نے مکے میں بیت اللہ پر تسلط کے سلسلے میں لوگوں کو لڑتے جھگڑتے دیکھا تو وہ جب سرزمین شام میں شہر بلقاد گیا اور اس نے وہاں لوگوں کو بتوں کی پرستش کرتا پایا تو ان سے اس کا سبب دریافت کیا۔ وہ بولے۔

"ہم نے انھیں پرستش کے لیے اس لیے منتخب کیا ہے کہ ہم جب بھی ان سے مدد کے خواستگار ہوتے ہیں تو وہ ہماری مدد کرتے ہیں۔ جب ہم ان سے پانی کے لیے دُعا کرتے تو وہ ہمیں پانی بھی دیتے ہیں اور جو بھی کچھ ہم ان سے مانگتے ہیں وہ مل جاتا ہے۔"

وہاں کے لوگوں سے یہ سُن کر اس نے ان سے ایک بُت مانگا جسے وہ ہُبل کہتے تھے اور ان سے وہ بُت لے کر وہ مکے آیا اور اسے خانہ کعبہ میں نصب کر دیا۔ ہُبل کے ساتھ ہی وہ بلقاء سے اساف اور نائلہ نام کے بُت بھی لایا تھا اور اس نے ہُبل کے ساتھ انہیں بھی خانہ کعبہ میں نصب کر کے اہلِ مکہ کو ان کی پرستش کی دعوت دی۔ مکے میں یہ بُت پرستی ظہورِ اسلام اور بعثت نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک ہوتی رہی لیکن آپؐ نے مکے کے بُت خانے سے بُت ہٹا کر اسے پاک کر دیا اور خدائے واحد کی عبادت گاہ بنا دیا۔

بیت الحرام

اہل خبر نے یہ بھی بتایا ہے کہ لوگوں کے نزدیک ان لائق تعظیم سات عبادت گاہوں میں سے جو چاند، سُورج اور باقی پانچ بڑے ستاروں کے نام پر تعمیر کی گئی

تھیں ایک عبادت گاہ تھی جسے کچھ دوسرے ممالک کے باشندوں کی طرح اہل عرب بھی تعظیماً بیت الحرام کہتے تھے۔

اصفہان میں مجوسیوں کی عبادت گاہ

مکّے کی عبادت گاہ کے علاوہ ایک دوسری عبادت گاہ اصفہان کے اس پہاڑ کی چوٹی پر تعمیر کی گئی تھی جسے "مارس" کہتے تھے۔ اس عبادت گاہ میں بھی اصنام پرستی ہوتی تھی۔ وہاں اصنام پرستی اس وقت ختم ہوئی جب فارس کے بادشاہ لیتاسف نے اپنے مجوسی ہونے کا اعلان کیا اور وہاں سے بُت نکال کر اصنام پرستوں کی اس قدیم عبادت گاہ کو آتش کدہ بنا دیا۔ مجوسی[1] اس عبادت گاہ کی آج تک تعظیم کرتے ہیں۔

ہندی معبد

اصنام پرستی کے لیے دُنیا میں تیسری عبادت گاہ ہندوستان میں تھی جسے مندوستان[2] کہا جاتا تھا۔ اس عبادت گاہ میں مقناطیسی پتھروں اور دُوسرے خصوصی خواص سے متصف پتھروں سے تراشیدہ بُت نصب کیے گئے ہیں۔ ان بُتوں کی پرستش کی وجہ وہی قربت الی اللہ بتائی جاتی ہے۔ ان بتوں کے بھی طرح طرح کے اوصاف بیان کیے جاتے ہیں جن کے بارے میں کوئی بحث میں پڑنا چاہے تو پڑے۔ ہم نے زیر نظر باب کے موضوع کے لحاظ سے یہ کہنا ضروری سمجھا کہ بُت پرستوں کی مشہور تیسری عبادت گاہ ہندوستان میں ہے۔

بلخ میں برامکہ کی عبادت گاہ

دنیا میں چوتھا بُت کدہ بلخ میں تعمیر کیا گیا تھا جو بلاد خراسان میں ہے۔ یہ بُت خانہ بیت البرامکہ کہلاتا تھا۔ اسے "نوبہار" بھی کہتے تھے۔ اسے چاند کے نام پر فارس کے بادشاہ منوچہر نے تعمیر کرایا تھا اور اسی کے حکم سے وہاں اہلِ فارس بتوں کی پرستش کرتے تھے، اس بُت خانے میں کچھ سندات بھی رکھی گئی تھیں جن میں تحریر کردہ احکام کی پیروی اطراف وجوانب کے ہر حکمران کے لیے لازم تھی اور وہ اس بُتکدے کے ساتھ ان کی تعظیم بھی کرتے تھے۔ اس بُت خانے میں ان حکمرانوں کے علاوہ جو وہاں اموال کثرت سے بھیجتے تھے عوام کی طرف سے بھی چڑھاوے چڑھائے جاتے تھے نیز اس معبد کے لیے ایک رہبت بڑا وقف بھی تھا۔ اس کا نام بیت البرامکہ اس لیے پڑا کہ اس کا پہلا متولی خالد بن برمک تھا، اس نے اس معبد کی بنیاد بھی رکھی تھی اور اس کی بنیادوں میں سینکڑوں گز حریر

---

[1] ایک نسخے میں یہودی لکھا ہے (مرتب)

[2] " " " "سندوساب" درج کیا گیا ہے (مرتب)

ڈالا گیا تھا۔ ان کا خیال یہ تھا کہ جن عمارتوں کی بنیادوں میں کثرت سے حریر ڈالا جائے ان پہ تیز و تند ہوائیں اثر نہیں کرتیں بلکہ اس سے سو گز سے زیادہ دور ہی رہ جاتی ہیں۔ اس فاصلے کے متعلق اختلاف رائے بھی تھا۔ بہرکیف یہ کاروائی تیز و تند ہواؤں سے تحفظ کے علاوہ اس سمندری علاقے میں آنے والے طوفانوں سے تحفظ کے لیے بھی کی گئی تھی جس سے یہ معبد گھرا ہوا تھا۔ ہم نے ان مشہور ترین باتوں کا ذکر کرنا یہاں ضروری نہیں سمجھا جواب تک زبان زد خاص و عام چلی آتی ہیں۔

اہل روایت و تفسیر کا کہنا ہے کہ اس عبادت خانے کے دروازے پہ جو نوبہار کہلاتا تھا فارسی زبان میں یہ لکھا تھا: "بوداسف کا قول ہے کہ بادشاہوں میں تین خصائل ہونا ضروری ہیں: عقل، صبر اور جمع مال و دولت۔" لیکن اس عبارت کے نیچے عربی میں یہ لکھا ہوا تھا کہ بوداسف نے غلط کہا ہے، صحیح بات یہ ہے کہ بندگان آزاد میں ان تین باتوں یا چیزوں میں سے ایک بھی ہو ان میں بوداسف کی بیان کردہ وہ تینوں خصائل یا چیزیں ہونا ضروری نہیں ہیں جو عبارت بالا میں اس باب السلطان پر تحریر کی گئی ہیں۔

غمدان صنعاء دنیا کا پانچواں قدیم بت خانہ بلادِ یمن کے شہر صنعاء میں تھا جسے ضحاک نے ستارے زہرہ کے نام پر تعمیر کرایا تھا۔ اسے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ کے حکم سے منہدم کرا دیا گیا تھا اور اب ہمارے زمانے یعنی ۳۳۲ ہجری میں وہاں مٹی کا ایک عظیم ٹیلہ اور کچھ کھنڈرات رہ گئے ہیں۔

جب وزیر علی بن عیسیٰ بن جراح یمن آیا اور اس نے صنعاء میں یہ ٹیلہ اور اس کے اطراف یہ کھنڈرات دیکھے تو اس نے وہاں لوگوں کے پانی پینے کے لیے ایک بڑا تالاب کھدوا کر اس جگہ کنواں بھی کھدوا دیا تھا۔

میں نے اُس غمدان کو دیکھا ہے جو ایک عظیم ٹیلے کی شکل میں باقی رہ گیا ہے اور وہاں کچھ کھنڈرات بھی ہیں جہاں بت کدۂ غمدان کی بنیاد رکھی گئی تھی جو اب منہدم ہو چکی ہے۔ قلعہ کحلان کا حاکم اسعد بن یعفر اور اس کے ساتھ یمن کے کچھ معززین بھی غمدان آئے تھے۔ اسعد بن یعفر نے غمدان کو از سرِ نو آباد کرنے کا ارادہ کیا تھا لیکن لوگوں نے اسے یہ کہہ کر روک دیا کہ اس جگہ کو ارضِ سبا کے ایک شخص نے آباد کیا تھا اور یہاں کے شہر کی بنیاد بھی اس نے رکھی تھی۔ اب خدا جانے یہ جگہ کن اثرات کی حامل ہو کیونکہ اس قدیم زمانے کے اثرات دُنیا پر اب تک حاوی چلے آ رہے ہیں۔

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس معبد کی بنیاد اُمیۃ بن ابی صلت کے جد امجد نے رکھی تھی۔ اس کا نام ابو

صلت اُمیہ تھا جو ربیعہ کے نام سے بھی مشہور تھا - اس کی مدح سیف بن یزن نے کی ہے لیکن یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سیف بن یزن کا ممدوح درحقیقت معدی کرب بن سیف تھا - ابواُمیہ زمانہ جاہلیت میں تھا اور اس کا نام اصحاب فیل کے ساتھ لیا جاتا ہے -

کہتے ہیں کہ یمن کے حکمران معید غمدان کی چھت پر رات کے وقت شمعیں لے کر بیٹھتے تھے اور وہاں کے باشندے مسلسل تین راتوں تک یہ منظر دیکھا کرتے تھے -

فرغانہ (خراسان) کا بُت خانہ

ازمنۂ قدیم کا چھٹا بُت خانہ جو بُت کدہ کاؤس کے نام سے مشہور ہوا اسے کاؤس نے سبعہ سیارگان میں سب سے بڑے ستارے سُورج کے نام پر تعمیر کرایا تھا اور اسے معتصم باللہ نے منہدم کرادیا تھا - اس کے انہدام کی دلچسپ کہانی ہم نے اپنی کتاب اخبار الزماں میں تفصیل سے بیان کی ہے -

چین کا بُت خانہ

یہ بُت خانہ چین کے بالائی علاقے میں تعمیر کیا گیا تھا - یہ بُت خانہ ازمنۂ قدیم کا ساتواں بُت خانہ تھا - اسے عامور ابن سوبل بن یافث بن نوح نے اسی بناء پر تعمیر کیا تھا جو ابھی بیان کی گئی یعنی کواکب کی حرکات وغیرہ کا اس میں خیال رکھا گیا تھا - سُورج اور چاند کے علاوہ پانچ دوسرے بڑے ستاروں کی شکل پر وہاں رکھنے کے لیے بُت تراشے گئے تھے - کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اسے قدیم ترکوں نے تعمیر کیا تھا - بہرکیف اس بتکدے کی ترصیع میں جواہرات استعمال کیے گئے تھے - اور اس میں ان جواہرات کی تاثیر کا خیال رکھا گیا تھا ان کے خیال میں جواہر ستاروں کے رنگ پر ہوتے تھے جیسے یاقوت، عقیق اور زمرد وغیرہ -

اس بُت خانے کی اس طرح تعمیر کو اسرارِ چین میں شمار کیا جاتا تھا - انہوں نے اس کی بنیاد کا بڑا سبب اپنی عقلی رسائی کو ٹھہرایا تھا - انہوں نے اس میں حریر دیبا اور ریشم سے جو ترصیع کی تھی اس کا سبب بھی وہ اجسام سماوی کی حرکات کو ٹھہراتے تھے - فرش سے لے کر چھت تک جو رنگ استعمال کیے گئے تھے اسے وہ کسی طائر سماوی کے پروں کا نمونہ قرار دیتے تھے جس کے پرِ دُم سے لے کر اس کے سر تک مختلف الوان ہوتے ہیں - وہ کہتے تھے کہ صانع عالم نے کواکب کو جس طرح تخلیق کیا ہے ہم نے بھی اسی نمونے پر اس بُت خانے کی تعمیر کی ہے - ان کے خیال میں جس طرح کسی طائر کی تخلیق کی گئی ہے - پھر اس سے انڈا وجود میں آتا ہے اور پھر چوزہ، یہی کیفیت ساری دنیا کی ہے، جملہ اشیاء کا اتصال وانفصال اور تفریق واجتماع یا کمی بیشی اس ایک اصول پر ہے - اس میں انسان حیوان، نباتات وجمادات سب شامل ہیں - ان کے خیال میں ان چیزوں کا وجود عدم اور ان کے

تغیرات سب کواکب کی حرکات پر مبنی تھے۔ اُنہوں نے اس بتکدے کی دیواروں پہ دیبا وحریر وسرج کے استعمال میں بھی یہی خیال کیا تھا کہ ان کپڑوں میں لہروں کا انداز بھی ستاروں کی حرکات کے مشابہ رہے۔ ان کی خیالی تصویریں زہرہ، مریخ، زحل، عطارد، مشتری نیز سورج اور چاند کی عطا کردہ قوتوں کی مظہر تھیں۔

ہم نے ان کے اقوال وعقائد بجنسہ یہاں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

باب (۳۰)

یونانیوں کے نزدیک لائق تعظیم عبادت گاہیں

یونانیوں نے قدیم تبکدوں میں مندرجہ ذیل تین اور عبادت گاہوں کا اضافہ کیا تھا:۔

معبد انطاکیہ مذکورہ بالا تین یونانی عبادت گاہوں میں سے ایک عبادت گاہ سرزمین شام کے شہر انطاکیہ میں تعمیر کی گئی تھی جو شہر کے سرے پر واقع تھی۔ مسلمانوں نے پہلے پہلے وہاں ایک اقامت گاہ بنادی تھی تاکہ جو لوگ روم سے اس کی زیارت کے لیے بری و بحری راستوں سے آئیں تو وہاں قیام کرکے اپنے مراسم عبادات ادا کرسکیں۔ لیکن جب انہوں نے اسلام قبول کیا تو اس معبد کو خود ہی منہدم کر دیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قسطنطین اعظم نے عیسائیت قبول کرنے کے بعد جب اپنے ملک میں دین عیسوی کی اشاعت شروع کی تھی تو انطاکیہ کی اس عبادت گاہ کو منہدم کرا دیا تھا۔ اس عبادت خانے میں سونے، چاندی کی بنی ہوئی اور مختلف جواہرات سے مرصع مورتیاں رکھی ہوئی تھیں۔

لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ انطاکیہ کا یہ بت کدہ اس میدان میں واقع تھا جہاں آج کل انطاکیہ کی جامع مسجد ہے اور وہ ایک عظیم ہیکل تھا۔ صابی (کفار) کہتے ہیں کہ اس عظیم ہیکل کو سقلابیوس (یونانی) نے تعمیر کرایا تھا۔ یہ ہیکل آج کل اس بازار کی شکل میں تبدیل ہوگیا ہے جسے آج کل بازار جزارین کہا جاتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ جب معتضد باللہ ۲۸۹ھ ہجری میں انطاکیہ گیا تھا تو اسے اس عظیم عبادت گاہ کی عظمت رفتہ کی کہانی ثابت بن قرۃ ابن کرانی صابئی حرانی نے سنائی تھی۔

اہرام مصر یونانیوں کی دوسری عبادت گاہ ان اہرام مصر میں واقع ہے جو فسطاط کے شہر یعنی میلوں

دور سے نظر آتے ہیں۔

بیت المقدس یونانیوں کا تیسرا معبد بیت المقدس تھا۔ اہل شریعت کہتے ہیں کہ اس کی بنیاد حضرت داؤد علیہ السلام نے ڈالی تھی اور اس کی تکمیل ان کی وفات کے بعد ان کے لائق احترام فرزند حضرت سلیمان علیہ السلام نے کی تھی۔

مجوسیوں کا کہنا ہے کہ اس مقدس عبادت گاہ کو ضحاک نے تعمیر کرایا تھا۔ اس کی آئندہ تجاویز کا ذکر جو اس عبادت گاہ کے بارے میں ضحاک کے پیش نظر تھیں بڑے طول طویل قصوں اور حکایات میں ملتا ہے جن کے بیان سے بخوف طوالت ہم نے یہاں احتراز کیا ہے۔

باب (۳۱)

قدیم رومیوں کی مقدس عبادت گاہیں

معبد قرطاجنہ قدیم رومیوں کی نظر میں نصرانیت کے ظہور سے قبل جو پہلی عبادت گاہ لائق تعظیم و تکریم تھی وہ شہر قرطاجنہ میں تعمیر کی گئی تھی۔ یہی درحقیقت ٹیونس ہے جو بلاد قیروان سے آگے سرزمین مغرب یعنی سرزمین افرنگ میں شامل ہے۔ اس معبد کو ستارے زہرہ کے نام پر سنگِ رخام سے تعمیر کیا گیا تھا۔

فرنگی عبادت گاہ رومیوں کی دوسری عبادت گاہ یورپ میں ہے اور ان کے نزدیک اب تک حد سے زیادہ لائق تعظیم و تکریم سمجھی جاتی ہے۔

مقدونیہ کی عبادت گاہ رومیوں کی تیسری عبادت گاہ مقدونیہ میں تھی اور اسے بھی ستاروں کی اشکال پر تعمیر کیا گیا تھا۔

اس عبادت گاہ کا تفصیلی ذکر ہم اپنی پہلی کتابوں میں کر چکے ہیں۔

باب (۳۲)

صقالبہ کی عبادت گاہیں

پہلی عبادت گاہ: صقالبہ کے نزدیک ان کی پہلی مقدس عبادت گاہ دیارِ صقالبہ کے ایک پہاڑ پر تھی جسے فلاسفہ نے دنیا کا بہت بلند پہاڑ بتایا ہے۔ اس کی بنیاد رکھنے، اس کے لیے مختلف اقسام کے پتھر جمع کرنے اور اس عمارت کے رنگ برنگ قطعات کے بارے میں بہت کچھ کہا جاتا ہے۔ اس کی عجوبۂ روزگار چھت کی بلندی اور اس کی صنعت کاری کے بارے میں بھی بہت سی حکایات مشہور ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس عبادت گاہ کی چوٹی پر طلوع سحر کے بعد سورج کی پہلی کرن پڑتی تھی اور اس عمارت میں جو جواہرات استعمال کیے گئے تھے ان کی قیمت کا اندازہ زمانہ مستقبل میں بھی مشکل ہی سے لگایا جاسکتا ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس پہاڑ سے جس پر یہ عبادت گاہ تعمیر کی گئی تھی مختلف آوازیں آتی تھیں اور لوگ انہیں سنتے (اور سمجھتے) تھے۔

دوسری عبادت گاہ: اس عبادت گاہ کو صقالبہ کے بعض بادشاہ بھی مقدس سمجھتے تھے۔ یہ عبادت گاہ صقالبہ کے "جبل اسود" پر تعمیر کی گئی تھی اور اس کے چاروں جانب خندق بنا کر اس میں عجیب طریقے سے پانی لایا گیا تھا۔ اس طرح یہ عبادت گاہ اس پر آب خندق سے گھری رہتی تھی۔ اس خندق میں جو پانی بہہ کر آتا تھا اس میں کھانے کی اشیاء کے علاوہ لوگوں کے لیے بہت سی دوسری مفید اشیاء بھی نکل آتی تھیں۔

اس عبادت گاہ میں جو ایک عظیم بُت رکھا گیا تھا اس کی شکل سیاہ فام حبشیوں یا زنگیوں سے ملتی جلتی تھی، ویسے اسے مجسمے میں بوڑھا دکھایا گیا تھا، اس کے ہاتھ میں جو عصا تھا اس میں

مُردوں کی ہڈیوں کے ہار لٹکتے رہتے تھے۔ اس کے پاؤں میں بھی دھات سے بنے ہوئے حبشیوں کے چھوٹے چھوٹے مجسمے اور مورتیاں پڑی رہتی تھیں۔

تیسری عبادت گاہ صقالبہ کی تیسری عبادت گاہ بھی ایک پہاڑ پر تعمیر کی گئی تھی اور ایک سمندری خلیج سے گھری ہوئی تھی۔ اسے مرجان کے رنگ کے سُرخ اور زمرد کے رنگ کے سبز پتھروں سے تعمیر کیا گیا تھا۔ اس کے درمیان میں ایک عظیم گنبد رکھا گیا تھا۔ جس کے نیچے ایک بہت بڑا بُت نصب کیا گیا تھا۔ اس بُت کے اعضاء چار اقسام کے جواہرات سُرخ یاقوت، سبز زمرد، زرد عقیق اور سفید ہیرے سے بنائے گئے تھے۔ اس کا سر خالص سونے سے بنایا گیا تھا۔ اس بُت کے پہلو میں کسی لونڈی باندی یا خادمہ کی شکل کا ایک بُت تھا جو اس بڑے بُت کے احکام کی تعمیل کے لیے ہر وقت مستعد نظر آتی تھی۔ اس بُت کے سامنے ہر وقت خوشبوؤں کا دھواں اُٹھتا رہتا تھا۔ اس بُت کو صقالبہ کے ایک بہت قدیمی حکیم کے نام سے منسوب کیا گیا تھا۔ اس حکیم کے احکام کی باتیں اور بہت سی دوسری باتیں اہلِ صقالبہ سے سُننے میں آتی ہیں جنہیں ان کی ضعیف الاعتقادی اور توہم پرستی ہی پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ ان باتوں سے ان لوگوں کی عقول، عادات و اخلاق وغیرہ کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، اس پر ہم نے اپنی پہلی کتابوں میں تفصیلی گفتگو کی ہے۔

باب (۳۴)

صابئہ کے مقدّس بُت خانے وغیرہ اور ان سے متعلقہ باتیں

صابئہ کا ہیکل عقل صابئہ نے اپنے جو بُت خانے تعمیر کیے تھے انہوں نے ان کی بنیادیں اپنے نزدیک عقل کے تصوّرات اور مختلف کواکب کی اشکال و حرکات پر رکھی تھیں۔ انہوں نے جہاں تک میں سمجھا ہوں عقل اوّل یا عقل ثانی کے بارے میں جو تصوّرات قائم کر رکھے تھے وہ جیسا کہ المنطق کے مصنّف نے کتاب النفس کے تحت تیسرے مقالے میں لکھا ہے اور اس سے قبل ناسطیس نے علم النفس کی تشریحات اپنی ایک تصنیف میں پیش کی تھیں وہ انہیں تصورات سے مستعار تھے۔ عقل اوّل اور عقل ثانی کا ذکر اسکندر افردوسیؔ[1] نے اپنے اس مقالے میں کیا ہے جو علم النفس کی تشریحات پر مبنی ہے۔ اس مقالے کا عربی ترجمہ اسحاق بن حنین نے کیا ہے۔

صابئین کی مجموعی ہیکلیں صابئین کی جملہ ہیکلیں حسب ذیل ہیں:۔

ہیکل صورہ، ہیکل نفس، ہیکل زحل، ہیکل مشتری، ہیکل مریخ ہیکل شمس، ہیکل عطارد، ہیکل زُہرہ اور ہیکل قمر۔

ان ہیکلوں میں ہیکل صورہ و ہیکل نفس گول بنائی گئی تھیں، ہیکل زحل شش پہلو تھی، ہیکل مشتری مثلث، ہیکل مریخ مربع مستطیل، ہیکل شمس مربع، ہیکل عطارد کی شکل مثلث، ہیکل زُہرہ بیچ میں مثلث ویسے مربع مستطیل اور ہیکل قمر شمس الشکل تھی، لیکن جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں صابئین

---

[1] ایک نسخے میں "افردولیس" لکھا ہے (مرتّب)

ان ہیکلوں کی ان اشکال پر تعمیر کے اسرار و رموز کو دریافت کرنے پر بھی کسی کے سامنے بیان نہیں کرتے تھے۔

بہر کیف اہل حرّان کے ایک نصرانی نے جو حارث بن سنباط کے نام سے مشہور تھا اور صابئین کے قریب تر رہا تھا۔ بیان کیا ہے کہ صابئین کے ہیکلوں کی یہ اشکال مختلف حیوانات کی شکلوں پر تعمیر کی گئی تھیں اور دھواں کر کے وہ بعض کو اُن کی دھندلاہٹ کا نمونہ پیش کرتے تھے۔ حارث بن سنباط کی بیان کردہ باقی تفصیلات ہم نے یہاں بخوف طوالت چھوڑ دی ہیں۔

آج کل یعنی ۳۳۲ھ ہجری تک مذکورہ بالا ہیکلوں میں سے جو باقی ہیں ان میں سے ایک شہر حرّان کے باب رقہ میں مغلیتیا کے نام سے مشہور ہے۔ وہ اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد آزر کے نام سے منسوب کرتے ہیں۔ وہ آزر اور اس کے بیٹے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں بہت سے قصے بیان کرتے ہیں جن کو دہرانے کا یہاں موقع نہیں ہے۔ ویسے ابن عَلَیشون[1] نے جو کافی ذی فہم ذی شعور انسان تھا اور جس کی وفات ۳۰۰ھ ہجری کے بعد ہوئی حرانیوں کے مذہب کے بارے میں جو صابئہ کے نام سے موسوم تھے ایک طویل نظم لکھی ہے۔ جس میں اس نے مذکورہ بالا جملہ ہیکلوں کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ان آوازوں کے اسرار و رموز سے بھی پردہ اُٹھایا ہے جو ان ہیکلوں میں نصب شدہ مختلف شکل کے بتوں کے منہ میں سے نکلتی تھیں اور جنہیں صابئین اسرار غیب میں شمار کرتے تھے۔ اس نے صابئین کے حوالے سے ان بتوں کے بارے میں اور بہت سی باتیں بیان کی ہیں جن میں ان بچوں کا بھی ذکر ہے جنہیں صابئین کے بتوں کے سامنے لے جاتے تھے تو ان کے رنگ بدل جاتے تھے یعنی صاف ہو جاتے تھے۔ اس راز کے بارے میں صابئین فلاسفہ یونان خصوصاً افلاطون کے اقوال کا حوالہ دیتے تھے نیز دوسرے فلاسفہ میں ہندی فلاسفہ کے اقوال بھی بیان کرتے تھے اور پھر ان اقوال کے مطابق ان بتوں کا سلسلہ آسمانی اجرام سے جا ملاتے تھے۔

وہ رُوح کے نقل مکانی کے بارے میں بھی فلاسفۂ یونان و ہند کی طرح کچھ اپنے حکماء کے اقوال بھی بیان کرتے تھے مثلاً یہ کہ جسم اور رُوح الگ الگ چیزیں ہیں اور روح نفس ہے جو قابل انتقال ہے جب کہ جسم میں رُوح کے جوہر کا کوئی حصہ نہیں ہے فنا ہو جاتا ہے۔

---

[1] ایک نسخے میں ابن عیسون لکھا ہے (مرتب)

اس سلسلے میں افلاطون کی بیان کردہ بہت سی باتیں بتائی جاتی ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ اس علم اور دیگر علوم میں مہارت حاصل کرنے کے لیے اس کی ان موضوعات پر لکھی ہوئی کتابوں کے مطالعے کے علاوہ خود بھی غور و فکر کی عادت ڈالنا چاہیے۔ ویسے فلسفے کی کتب میں پانچ الفاظ کی معرفت ضروری ہے وہ الفاظ جنس، فصل، نوع، خاصہ اور عرض ہیں۔ اس کے بعد مقولات کی پہچان ضروری ہے جو شمار میں دس ہیں اور وہ جوہر، کمیت، کیفیت، اضافہ وغیرہ ان میں اضافی یا نسبتی چار بسائط ہیں جن میں الست آخری ہے۔ اس کے علاوہ زمان و مکان جدہ، وضع، فاعل، منفعل آتے ہیں جن پر عبور حاصل کرنے کے بعد طالب علم ترقی کر کے علم مابعد الطبیعات کی معرفت اوّل و ثانی کی انتہا تک پہنچ جاتا ہے۔

میں نے شہر حرّان کے باب مجمع الصائبہ میں سریانی زبان میں لکھا ہوا ایک خط دیکھا ہے جو افلاطون کے اقوال پر مشتمل ہے اور اس کی توضیح مالک بن عقفون[1] نے کی ہے۔ افلاطون کے بقول انسان بنات سماوی میں سے ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ مشہور ترین شجر منکوسہ آسمان میں ہے جس کی جڑیں آسمان ہی میں ہیں لیکن اس کی شاخیں زمین میں ہیں۔ اسی طرح افلاطون کے نفس ناطقہ کے بارے میں اور بہت سے اقوال بیان کیے جاتے ہیں مثلاً یہ کہ وہ سوال کرتا ہے کہ نفس بدن میں ہے جیسے شمس کے متعلق بتایا جاتے کہ وہ گھر میں ہے یا گھر اس میں ہے۔ اس سلسلے میں افلاطون کے اقوال پر استدلال کثرت سے کیا گیا ہے۔ روح کے انتقال کے بارے میں سطور بالا میں گفتگو ہو چکی ہے۔

اب ہم پھر مذہب صائبین کی طرف آتے ہیں جس پر حرانیوں نے اکثر کتابیں لکھی ہیں اور ان کے احوال و کوائف تفصیل سے بیان کیے ہیں۔

ان کتابوں میں سے فیلسوف ابی بکر بن زکریا رازی کی تصنیف کردہ ایک کتاب "المنصوری" میری نظر سے بھی گزری ہے۔ اس کتاب کے اصل موضوعات تو طب وغیرہ ہیں لیکن مذکورہ بالا مصنّف نے اس میں صائبین کے مذہب، حرانیوں اور انھیں میں سے جن لوگوں نے ان کے مذہبی عقائد کی مخالفت کی تھی ان کا بھی ذکر کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ یہ مخالفین کیماری کہلاتے تھے۔ ابی بکر محمد بن زکریا رازی نے اپنی مذکورہ کتاب میں بہت سی ایسی باتوں اور اشیاء کا بھی تفصیلی ذکر کیا ہے جن کا ذکر اکثر لوگوں کے نزدیک بُرا سمجھا جائے گا۔ اسی لیے ہم نے اپنی زیر نظر کتاب میں ان کے ذکر سے

---

[1] ایک نسخے میں مالک بن عقفون لکھا ہے (مرتب)

اجتناب برتا ہے، خصوصی طور پر اس لیے بھی کہ وہ جملہ چیزیں ہماری اس کتاب کے موضوع سے خارج ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی کہ ان پر اظہار رائے ایک مؤرخ کے دیانت دارانہ اصول کے خلاف ہے۔

ہم نے اپنی دوسری کتابوں میں حرانیوں کے بارے میں مالک بن عقبون[1] وغیرہ کے حوالے سے جو کچھ لکھا ہے اس سے بعض مؤرخین نے اتفاق کیا ہے اور بعض نے اس کی صحت سے انکار کیا ہے مثلاً ثور اسوڈ (سیاہ بیل) کے بارے میں ان کے عمل کا ذکر کہ وہ اس سیاہ بیل کے منہ پر پہلے تو نمک ملتے تھے جس سے اس کی آنکھیں خراب ہو جاتی تھیں، پھر وہ اسے ذبح کر کے اس کے ایک ایک عضو پر نظر رکھتے تھے اور اس میں مختلف ستاروں اور دوسرے اجرام سماوی کی مماثلت تلاش کرتے تھے۔ وہ اس سے سال کے مختلف اوقات کا حال جاننے کے علاوہ احوال مذاہب اور عالمی اسرار و رموز نیز امکانات و محالات کا پتہ لگانے کی بھی کوشش کرتے تھے۔

حرانیوں کی عبادت گاہوں کے علاوہ چین کے کچھ اطراف میں بھی مختلف الشکل قدیم عبادت گاہیں بھی سننے میں آئی ہیں۔ ان میں سے ایک کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ شکل میں گول تھی اس کے سات دروازے تھے۔ اس میں داخلے کا جو مرکزی دروازہ تھا اس پر ایک عظیم گنبد تعمیر کیا گیا تھا اور اس کی بُرجی پر بہت بڑی مچھلی بنائی گئی تھی۔ اس گنبد کے چاروں طرف بیش قیمت جواہرات جڑے گئے تھے جن میں سے اب کوئی باقی نہیں ہے کیونکہ مختلف حکمرانوں نے ان کی جگہ نیزے بھالے نصب کر دیے تھے جو منعکس ہوتے تھے اور دُور سے چمکتے نظر آتے تھے۔ خدا جانے اُنھوں نے یہ سب کچھ کیوں کیا تھا؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس ہیکل میں جو مختلف مقناطیسی پتھر استعمال کیے گئے تھے ان کے اثرات کو ملکی دفاع کا سبب سمجھا جاتا تھا نیز اُن نیزوں بھالوں کو بھی وہ ملکی و قومی دفاع کی علامت سمجھتے تھے۔ اب یہ سب کچھ کرنے والے تو فوت ہو چکے ہیں لہٰذا انھوں نے جن اسباب کی بناء پر یہ قدم اُٹھایا تھا اب اُن پر کون روشنی ڈالے؟ ویسے اس ہیکل میں ایک کنواں بنایا گیا تھا جس کا منہ ہفت پہلو تھا۔ کہتے ہیں اس کنویں میں جو حد درجہ گہرا تھا جن لوگوں نے اُترنے کی جسارت کی تھی اُنھوں نے بتایا تھا کہ اس کے دہانے سے کچھ نیچے اُترنے کے بعد ایک تختی جو اس کی گولائی کے نصف دائرے

---

[1] ایک نسخے میں "مالک بن عفنون لکھا ہے (مرتب)

میں نصب کی گئی تھی اس پر بہت قدیم زبان میں ایک تحریر ملی تھی جس کا مضمون یہ تھا :-

"اس کنویں میں (بیش قیمت و منزلت) کتابوں کا ایک خزانہ ہے - جو شخص اس کنویں میں اُتر کر ہماری طرح اس کی تہ تک پہنچے گا وہ یقیناً ہماری طرح اہل علم و اہل حکمت میں سے ہوگا تو وہ ان کتابوں میں تحریر شدہ اس ہیکل کے اسرار و رموز سے واقفیت حاصل کرلے گا ورنہ سمجھ لینا چاہیے کہ ہم آئندہ نسلوں سے کہیں زیادہ کائنات کے اسرار و رموز سے واقفیت رکھتے تھے اور ہم میں تحقیق و تجسس کا ان سے زیادہ ذوق و شوق تھا - اگر ہماری جیسی ہمت و جرأت والا کوئی شخص اتنا کرسکا تو اسے اس ہیکل، اس کے قصے اور اس کنویں کے بارے میں سب کچھ معلوم ہوجائے گا - اگر وہ اس ہیکل کے انہدام کے بعد اس کنویں کو تلاش کرسکا تو اسے اس نادر روزگار ہیکل کے انہدام کا افسوس بھی ضرور ہوگا -"

باب (۳۴)

سورج اور چاند وغیرہ کے نام پر تعمیر کردہ عبادت گاہیں

نار و نور کے بارے میں ان ہیکلوں کے معماروں کی رائے

ان ہیکلوں کی تعمیر اور ان میں عبادت کی رسوم کے

سلسلے میں دورِ اوّل و ثانی کے جن شاہانِ فارس کا نام آتا ہے ان میں سرِ فہرست فریدون کا نام ہے اس نے اور اس کے اہل و عیال نے سب سے پہلے ایک آتش کدہ تعمیر کرانے کے بعد وہاں آگ کی پرستش شروع کی تھی اور وہ اس کی حد درجہ تعظیم بجا لاتے تھے۔ ان سے جب اس کا سبب دریافت کیا گیا تو انہوں نے بتایا تھا کہ آگ جو نار ہے وہ خالق کائنات اور اس کی مخلوق کے درمیان ایک واسطہ ہے جو نوری اشیاء میں بھی شمار ہوتی ہے۔ نقل کفر کفر نباشد کا مفہوم سمجھنے کے باوجود ان کے نزدیک آگ کے اوصاف عالیہ کا ذکر ہم نے بمنزلہ معصیت سمجھ کر چھوڑ دیا ہے۔ انہوں نے نور کے بھی درجات اور مراتب مقرر کر رکھے تھے۔ وہ نار و نور کے طبائع میں فرق بھی بیان کرتے تھے، آگ کے متعلق وہ کہتے تھے کہ اس میں جاذبیت ہے، مثال میں وہ اس طائر کو پیش کرتے تھے جو رات کے وقت اپنے چار جانب آگ محسوس کرتا ہے اور اس کی جاذبیت کی بناء پر اس میں جل کر بھسم ہو جاتا ہے، وہ اس سلسلے میں شمع اور پروانوں کی مثال بھی دیتے تھے۔ وہ یہ بھی کہتے تھے کہ شکاری رات کے وقت جو آگ روشن کرتے ہیں اس میں کچھ پرندے جاذبیت محسوس کرتے ہیں اور اس کی کشش سے خود شکاریوں کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں۔ وہ مثال میں ان مچھلیوں کو بھی پیش کرتے تھے جو کشتیوں کے پیندوں میں لوہے کی کیلوں کی چمک دمک سے ان کی طرف متوجہ ہوتی ہیں اور پھر خود ان کے نیچے جا کر ہلاک ہو جاتی ہیں۔ نور میں وہ کل کائنات کی بھلائی کے

قائل تھے، انہوں نے عناصر کے مراتب پر بھی اظہار خیال کیا تھا۔ وہ آگ کے متعلق کہتے تھے کہ اسے ظلمت پر ترجیح ہے اس لیے وہ قابل تعظیم ہے لیکن پانی چونکہ آگ کو بجھا دیتا ہے اس لیے اسے آگ پر فوقیت حاصل ہے اور پانی ہی کائنات کے وجود کی اصل اور اس کا مبداء ہے۔ اسی لیے وہ اب بھی ہر ذی رُوح کی حیات کا ذریعہ ہے بلکہ نباتات اور پودوں کی نشو و نما کا انحصار بھی اسی پر ہے۔

آتش کدے اور ان کے اماکن

فریدوں نے آگ کے مذکورہ بالا اوصاف بیان کرنے کے بعد حکم دیا کہ اس کے تعمیر کردہ آتش کدے سے کچھ آگ خراسان لے جائی جائے۔ اس نے اس کے لیے طوس میں ایک آتش کدہ بھی تعمیر کرا دیا تھا۔ یہاں سے آگ بخارا لے جائی گئی تھی اور وہاں جو آتش کدہ تعمیر کیا گیا تھا اسے "بردشوزہ" کہتے تھے۔ اس کے بعد ایک آتش کدہ بجستان میں بھی تعمیر کیا گیا تھا جسے "کراکرکان" کہتے تھے۔ وہاں تک آگ کو بہمن بن اسفندیار بن بستاسف نے پہنچایا تھا۔ اس کے بعد آگ شہر شیزدان (شیراز) تک پہنچائی گئی تھی۔ اور اس کے لیے وہاں جو آتش کدہ تعمیر کیا گیا تھا اس میں آگ کے ساتھ بُت بھی رکھے گئے تھے جہاں سے اسے (آگ کو) نوشیرواں نے نکال دیا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ نوشیرواں خود بھی آگ کی تعظیم کرتا تھا اور شیزران میں آتش کدہ اس نے تعمیر کرایا جہاں سے آگ اس مقام تک لے جائی گئی تھی جسے برکہ[1] کہتے تھے۔

مذکورہ بالا آتشکدوں کے علاوہ ایک آتش کدہ جسے "کوسجہ" کہتے تھے۔ کیخسرو نے تعمیر کرایا تھا۔ ان اہل فارس کے نزدیک لائق تعظیم ایک اور آتش کدہ قومس میں بھی تھا لیکن یہ معلوم نہیں ہے کہ اسے فارس کے بادشاہوں میں سے کس نے تعمیر کرایا تھا۔

زردشت اور اس کے آتش کدے

اب تک جن دس آتش کدوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ زردشت سے پہلے جسے مجوسی نبی کہتے ہیں تعمیر کیے گئے تھے۔ ان میں آخری آتش کدہ وہ تھا جسے "جریش" کہتے تھے۔ اسے ایک بہت بڑے شہر میں تعمیر کیا گیا تھا اور اس کی عجیب و غریب عمارت بھی نادر روزگار تھی اور اس میں بڑی عجیب شکلوں کے بُت بھی رکھے گئے تھے اور کہا جاتا ہے کہ جب یہ شہر تباہ ہوا تو وہ آتش کدہ بھی تباہ ہو گیا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہاں ایک اور آتش کدہ تعمیر کر کے وہاں آگ رکھی گئی تھی۔ بعض لوگ کہتے

---

[1] ایک نسخے میں "جو برکہ کے قریب تھا" لکھا ہے (مترجم)

ہیں کہ آخری آتش کدہ زردشت (زرتشت) سے پہلے فارس میں سیاوخس نے تعمیر کرایا تھا جسے "کنجدہ" کہتے تھے۔ اسکندر نے فارس پر غلبہ حاصل کرنے کے بعد بھی اسے جوں کا توں رہنے دیا تھا۔ ویسے آگ مشرقی چین میں بھی جو برکند سے متصل ہے اسی کے زمانے میں لے جائی گئی تھی۔ لوگ کہتے ہیں کہ ارض فارس سے ارجان تک آگ بہراسف (بہراسپ) کے زمانے میں پہنچائی گئی تھی اور وہاں بھی اس کی پرستش کی جاتی تھی۔

مجوسیوں کے نبی زرتشت بن اسپیمان کے حکم سے جو آتش کدے تعمیر کیے گئے ان میں پہلا آتش کدہ خراسان کے شہر نیشاپور میں تھا۔ اس کے زیر فرمان ایک دوسرا آتش کدہ سرزمین فارس کے شہر "نسا دالبیضا" میں تعمیر کیا گیا تھا۔ اس موقع پر زرتشت نے فارس کے بادشاہ یستاسف کو حکم دیا تھا کہ وہ اس آگ کو جسے فارس کا بادشاہ جمشید معظم و مکرم سمجھتا تھا کہیں سے منگوائے۔ چنانچہ وہ آگ شہر خوارزم میں ملی اور یستاسف نے اسے وہاں سے منگوا کر پہلے شہر دارابجرد میں رکھا پھر وہاں سے اسے نیشاپور کے آتش کدے میں منتقل کیا گیا۔ جسے اب تک "آذرجوی" کہا جاتا ہے جس کا مطلب "دریا کی آگ" ہوتا ہے۔ آذر آگ کا ایک دوسرا نام ہے اور جوی پہلے سرزمین فارس کے ایک دریا کا نام تھا۔ اس کی تعظیم تمام مجوسی ہر اس آگ سے زیادہ کرتے ہیں جو دوسرے آتش کدوں میں ہیں۔

اہل فارس کہتے ہیں کہ جب کیخسرو ترکستان میں جنگ کرتا ہوا خوارزم پہنچا تو اس کا گزر وہاں کے آتش کدے کی طرف بھی ہوا۔ جب اس نے اس کے اندر جا کر آگ جلتی دیکھی تو اسے تعظیماً سجدہ کیا اہل فارس یہ بھی کہتے ہیں کہ کیخسرو ہی نے اس آگ کو کاریان میں منتقل کیا تھا لیکن ظہور اسلام اور فارس پر مسلمانوں کے تسلط کے بعد مجوسیوں نے اس خوف سے کہ کہیں مسلمان اس آگ کو بجھا نہ دیں اس کا کچھ حصہ فارس کی ایک گمنام بستی "نسا دالبیضا" منتقل کر دیا۔ ان کا خیال تھا کہ مسلمانوں نے ان دونوں جگہوں میں سے اگر ایک جگہ کی آگ بجھا بھی دی تو دوسری جگہ باقی رہ جائے گی۔

اصطخر کا آتش کدہ

اہل فارس میں مجوسیوں کا ایک آتش کدہ اصطخر میں بھی تھا جو زمانہ قدیم سے چلا آتا تھا۔ اس جگہ حمایہ بنت بہمن بن اسفندیار نے ایک نیا آتش کدہ تعمیر کرایا تھا اور پہلے آتش کدے کی آگ وہاں نکلوا کر اس نئے آتش کدے میں رکھوائی تھی۔ یہ دوسرا آتش کدہ بھی اب ویران ہو چکا ہے۔ ہمارے زمانے کے لوگ کہتے ہیں کہ اس جگہ سلیمان بن داؤد کی مسجد تھی۔ اور وہ اب تک اس نام سے مشہور ہے۔ جب میں اس عمارت میں داخل ہوا تو وہاں ایک عظیم عمارت اور عجیب و غریب ہیکل کے آثار دیکھے۔ یہ جگہ شہر اصطخر سے کوئی دو

میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس عمارت میں سنگِ صخر کے ستون نادرروزگار ہیں۔ اس عمارت میں جو کبھی ایک بڑا بُت خانہ ہوگی اب بھی آثارِ قدیمہ کے طور پر حیوانات کی شکل کے بڑے عجیب وغریب اور عظیم الجُثّہ بُت رکھے ہوئے ہیں جو بیش قیمت پتھروں سے تراشے گئے ہیں۔ اس کی دیواروں پر بھی انہیں حیوانات وغیرہ کی روغنی تصاویر بنائی گئی ہیں۔ جو تصویریں ان میں انسانوں کی ہیں ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ اس قدیم عبادت گاہ میں آچکے ہیں۔ اس عمارت کا جو حصّہ پہاڑ کے زیریں حصّے میں ہے وہاں رات اور دن کے کسی حصّے میں ہوا کا گزر نہیں ہوتا۔ اہل فارس کے علاوہ مسلمانوں کا بھی یہی خیال ہے کہ یہاں حضرت سلیمان نے کبھی ہوا کو محبوس کر دیا تھا۔ کہتے ہیں کہ اب یہ ہوا صبح کو بعلبک میں رہتی ہے اور رات کو اس مسجد میں آجاتی ہے کہا جاتا ہے کہ اس مسجد کے لیے ملبہ بھی بعلبک سے لایا گیا تھا۔ بعلبک۔۔۔ ارض شام میں عراق و دمشق اور حمص کے قریب ہے۔ شام کے علاقے سے اس کا فاصلہ پانچ یا چھ دن کے پیدل سفر کا ہے۔ یہاں عظیم پتھروں بلکہ بڑی بڑی چٹانوں سے تراشیدہ بلند و بالا مینار، ستون اور محرابیں دیکھی جاسکتی ہیں۔ یہاں اب قحطانی قبائل کے عرب کثرت سے آباد ہیں۔

سابور کا آتش کدہ
سرزمین فارس کے شہر شاہ پور (عربی سابور) میں ایک عظیم آتش کدہ تعمیر کیا گیا تھا۔ لوگ کہتے ہیں کہ اسے دارا ابن دارا نے تعمیر کرایا تھا۔

جور کا آتش کدہ
سرزمین فارس کے شہر جُور میں بھی ایک آتش کدہ ہے۔ یہ وہ شہر ہے جہاں سے عرق وَرد پانی ملا کر باہر بھیجا جاتا ہے۔ یہ پانی اور وہاں کا عرق وَرد نہایت لطیف اور مصفا ہے۔ وہاں کے لوگ تو عرق ورد کو بھی پانی کی جگہ استعمال کرتے ہیں جس سے ان کے چہرے کے سفید رنگ میں سُرخی جھلکتی ہے۔ باہر والے عرق ورد دوا کے لیے منگواتے ہیں۔ وہاں سے پانی بھی ساری دنیا میں منگوایا جاتا ہے کیونکہ یہ نہ صرف انسان کو تندرست رکھتا ہے بلکہ نباتات پر بھی خوش گوار اثر ڈالتا ہے۔

فارس کے قصبے کوار سے ایک دُوسرے قصبے شیراز تک بیس میل کا فاصلہ ہے۔ کوار، شیراز اور جُور کے بارے میں اہل فارس بہت سی باتیں بیان کرتے ہیں جو طوالت سے خالی نہیں ہیں۔ فارس کے ایک اور قصبے میں جو "ماء النار" کے نام سے مشہور ہے ایک آتشکدہ پایا جاتا ہے۔

جب حضرت عیسٰی علیہ السلام کی ولادت ہوئی اس وقت فارس میں بادشاہ کورش کا زمانہ

تھا۔اس نے آپ کی ولادت کی خبر سُن کر آپ کی والدہ مکرمہ حضرت مریم (علیہ السلام) کے پاس تین آدمی روانہ کیے، ان میں سے ایک کو دُودھ کی تھیلی، دوسرے کو پھلوں کی تھیلی اور تیسرے کو سونے کے ٹکڑے بھر کر ایک تھیلی دی۔انہوں نے جیسا کہ کورش نے انہیں ہدایت کی تھی ستاروں کی سمت دیکھ دیکھ کر راستہ طے کیا حتیٰ کہ وہ شام میں حضرت مریم (علیہ السلام) اور آپ کے بیٹے شیرخوار پیغمبر خدا حضرت مسیح علیہ السلام کی خدمت میں جا پہنچے۔ایک شخص نے بیان کیا۔ہے کہ کورش نے آسمان پر ایک نیا ستارہ دیکھا تھا اور اس نے اس ستارے کی رہنمائی میں سفر کرنے کی ہدایت کی تھی ممکن ہے اس میں کچھ مبالغہ آرائی بھی ہو لیکن انجیل میں بھی اس کا ذکر موجود ہے کہ جب وہ لوگ سفر کرتے تھے تو وہ ستارہ آسمان پر ایک سمت کو چلتا تھا اور جب وہ کہیں قیام کرتے تھے تو وہ ستارہ بھی ٹھہر جاتا تھا گویا وہ ستارہ حضرت مسیح کی جائے ولادت کی طرف برابر نشاندہی کرتا رہا حتیٰ کہ کورش کے بھیجے ہوئے لوگ آپ کی جائے ولادت باسعادت تک جا پہنچے ہم نے یہ باتیں اپنی کتاب "اخبار الزماں" میں بیان کرتے ہوئے کچھ لوگوں کے حوالے سے یہ بھی بتایا ہے کہ کورش کے فرستادہ لوگوں کے لیے حضرت مریم (علیہ السلام) نے روٹی اس طرح تیار کی کہ اسے صخرہ کے نیچے رکھ کر مٹی میں دبا دیا تھا لیکن وہاں قدرتی طور پر آگ پیدا ہو گئی تھی۔حضرت مریم (علیہ السلام) کے پاس پانی خود بخود آجانے کا واقعہ بھی انہیں لوگوں سے منقول ہے۔فارس کے مجوسیوں اور نصاریٰ کے بقول حضرت مریمؑ کے لیے پیدا شدہ آگ کورش کے لیے فارس لائی گئی تھی اور اس نے اسے مذکورہ بالا آتش کدے میں رکھا تھا۔

ایک اور آتش کدہ

ایک اور آتش کدے کی جو بارلوا کے نام سے مشہور ہے اُردشیر نے فارس پر تسلط حاصل کرنے کے اگلے روز ہی بنیاد ڈالی تھی اس کے علاوہ ایک اور آتش کدہ روم میں خلیج قسطنطنیہ پر سابور بن اُردشیر بن بابک نے تعمیر کرایا تھا سابور کو مؤرخین عام طور سے سابور الجنود لکھتے ہیں کیونکہ جب اس نے روم میں قسطنطنیہ پر چڑھائی کی تھی تو اس کے ساتھ فارسی اور ترکی عساکر کے علاوہ کمک کے طور پر بہت سے دوسرے بادشاہوں کے لشکر بھی تھے۔اس لیے ان عساکر یا جنود کی کثرت کی بناء پر لوگ اسے سابور الجنود کہنے لگے تھے۔

حضر کا قلعہ

جب سابور بلاد جزیرہ کی طرف روانہ ہوا تھا تو سیدھا راستہ چھوڑ کر ایک قلعے میں جا اُترا تھا جو حصن حضر کے نام سے مشہور تھا دراصل یہ قلعہ سرپانیوں

کے ایک بادشاہ ساطرون بن اسیطرون نے استاق میں تعمیر کیا تھا جسے موصل والے اباجر کہتے تھے عربی شعراء نے بھی ساطرون کا اس کی شان و شوکت اس کے عساکر کی کثرت، ملکی نظم و نسق خصوصًا قلعہ حضر کی پختگی و خوبصورتی کی وجہ سے اپنے اشعار میں ذکر کیا ہے۔ ان شعراء میں ابو دواد[1] جاریہ بن حجاج ایادی بھی شامل ہے۔

نعمان بن مُنذر کا نسب

کہا جاتا ہے کہ نعمان بن مُنذر ساطرون بن اسیطرون کی اولاد میں سے تھا۔ اس کا نسب یوں بیان کیا جاتا ہے۔

"نعمان بن مُنذر بن امری القیس بن عمرو بن عدی بن ساطرون بن اسیطرون۔" ساطرون اور اسیطرون (در حقیقت) سریانی بادشاہوں کے القاب ہیں۔

جب یہ ملک جس کا ہم نے ابھی ذکر کیا اور اس کے حکمران موت کی نیند سو گئے یعنی خیزن بن جہلہ اور اس کی ماں جہلہ وغیرہ اور خیزن بن معاویہ سب ختم ہو گئے تو اس ملک پر تنوخ بن مالک بن فہم بن تیم اللات بن اسد بن وبرہ بن تغلب ابن حلوان بن عمران بن الحاف بن قضاعہ قابض ہو گیا۔ در حقیقت یہی خیزن ابن معاویہ ابن عبید بن حرام بن سعد بن ملیح بن حلوان بن عمران بن الحاف بن قضاعہ تھا۔ اس کے پاس کافی لاؤ لشکر تھا۔ اس نے روم پر چڑھائی کی تھی اور اپنے ساتھیوں کو ادھر اُدھر لیے پھرتا رہا تھا، عراق اور اس کے اطراف پر بھی اسی نے فوج کشی کی تھی، وہی دراصل سابور تھا۔ جب اس نے اوّل الذکر خیزن کے مذکورہ بالا قلعے پر حملہ کیا تو وہ قلعہ بند ہو گیا۔ سابور ایک مہینے تک قلعے کا محاصرہ کیے پڑا رہا لیکن اس نے قلعے کو فتح کرنے یا اس میں کسی اور طرح داخلے کی کوئی صورت نہ دیکھی۔ اتفاقًا ایک روز اس نے دیکھا کہ ایک پیکرِ حسن و جمال عورت اس کے پڑاؤ کی طرف چلی آ رہی ہے، وہ عورت یقینًا حسن صورت میں اپنی مثال آپ تھی۔ سابور اسے دیکھتے ہی اس پر فریفتہ ہو گیا تھا۔ جب وہ قریب آئی تو اس نے اس سے پوچھا:۔

"اے قتالۂ عالم تو کون ہے؟"

وہ بولی:۔ "میں نضیرہ بنت خیزن ہوں۔"

سابور بولا: "ارے! مگر میرے پاس آنے کی کیا وجہ ہے؟"

نضیرہ نے کہا، میں آپ کے پاس اس لیے آئی ہوں کہ اگر آپ مجھ سے شادی کرنے اور

---

[1] ایک نسخے میں ابو داؤد بن حمران بن حجاج ایادی لکھا ہے (مرتب)

دوسری تمام عورتوں پر مجھے ترجیح دیتے ہوئے مجھے اپنی ملکہ بنانے کا وعدہ کریں تو میں آپ کو قلعے میں داخلے کا خفیہ راستہ بتا سکتی ہوں اور وہاں قبضہ کرنے میں بھی آپ کی مدد کر سکتی ہوں۔"

چنانچہ سابور نے اس سے وعدہ کر لیا اور نضیرہ بنت خیزن نے دنیاوی اقتدار اور جاہ و مال کے لالچ میں آکر خود اپنے باپ سے غداری کی۔ اس نے نہ صرف سابور کو قلعے میں داخلے کا خفیہ راستہ بتایا بلکہ اپنے باپ خیزن کو کھانے میں بے ہوشی کی ایسی دوا دی کہ وہ دنیا و ما فیہا سے مطلق بے خبر ہو گیا۔

سابور خاموشی سے قلعے میں اس طرح داخل ہوا کہ خیزن کے کسی آدمی کو بھی اس کا پتہ نہ چل سکا۔ اس نے بغیر کسی مزاحمت کے قلعہ پر قبضہ کر کے خیزن کو قتل کرا دیا۔ اس نے نضیرہ سے شادی تو ضرور کی لیکن اس سے ہر وقت چوکنا رہتا تھا۔ ایک دن اس نے نضیرہ سے کہا:۔

"تم نے مجھے قلعے میں داخلے کا خفیہ راستہ تو ضرور بتا دیا تھا لیکن اب تک یہ نہیں بتایا کہ تم نے اپنے باپ کو اس میں میرے داخلے سے بے خبر کیسے رکھا تھا؟"

نضیرہ بولی:۔ "میں نے انہیں کھانے میں بے ہوشی کی دوا دے دی تھی۔"

سابور نے کہا "اچھا! لیکن اتنی دیر تک بے ہوش رکھنے کی کوئی دوا تو ہمیں بھی آج تک معلوم نہ ہو سکی۔"

نضیرہ سابور کی بات کا اصل مقصد نہ سمجھتے ہوئے دھوکا کھا گئی اور اس نے ادویات کا وہ مرکب جس سے اس نے اپنے باپ کو رات بھر کے لیے غافل کر دیا تھا سابور کو بتا دیا۔ سابور نے خوش ہو کر اس کا شکریہ ادا کیا، اسے اپنی محبت کا یقین دلایا اور یہ بھی کہا کہ اسے اب یقین آیا ہے کہ وہ واقعی اس پر کتنا بھروسہ کرتی اور اس سے کس قدر محبت کرتی ہے۔

کچھ دن بعد نضیرہ کے پیٹ میں کھانا کھاتے ہی اتنی شدت کا درد ہوا کہ وہ کراہنے لگی۔ سابور نے اسی وقت موقع غنیمت جان کر اسے وہی بے ہوشی کی دوا کسی شربت میں ملا کر پلانا چاہی لیکن نضیرہ کند ذہن نہ تھی، وہ فوراً تاڑ گئی اور اس نے اپنے چند پرانے خادموں کو سابور کی گرفتاری کا حکم دیا اور اسے گرفتار کرانے کے بعد رات کے وقت خاموشی سے قلعے سے کافی دور لے جا کر قتل کرا دیا اور اس کی لاش دریا میں پھنکوا دی۔ اس طرح اس نے ہمیشہ کے لیے اپنے اقتدار کا راستہ صاف کر لیا۔

عرب کے کچھ شعراء جری بن دہماء عبسی وغیرہ نے نضیرہ کے ہاتھوں اس کے خیزن ابن معاویہ

اور شوہر سابور کے قتل کی داستان بڑی رنگ آمیزی کے ساتھ تفصیل سے بیان کی ہے۔

مجوسیوں کے کچھ اور آتش کدے

مجوسیوں کے لیے ایک آتش کدہ بوران بنت کسریٰ پرویز نے عراق کے قریب مدینۃ السلام میں تعمیر کرایا تھا، وہ مقام استُغنیا کے نام سے مشہور ہے۔

مجوسیوں نے لاتعداد آتش کدے عراق، فارس، کرمان، سجستان، خراسان، طبرستان اور کچھ پہاڑی علاقوں کے علاوہ آذربائیجان، دان، ہندوستان، سندھ اور چین میں تعمیر کرائے تھے۔ ہم نے انہیں چھوڑ کر صرف انہیں آتش کدوں کا یہاں ذکر کیا ہے۔ جو زیادہ مشہور ہیں۔

صنم خانہ بعل

جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں مجوسیوں کے ان آتشکدوں کے علاوہ یونانیوں نے بھی بہت سے بُت خانے جگہ جگہ تعمیر کرائے تھے۔ انہوں نے ایک بُت بعل کے لیے ایک صنم خانہ تعمیر کیا جس کا ذکر اللہ تعالےٰ نے قرآن شریف میں یوں فرمایا ہے:۔

"اتدعون بعلا وتذرون احسن الخالقین؟" (کیا وہ احسن الخالقین سے منہ موڑ کر اور اسے چھوڑ کر لوگوں کو بعل کی پرستش کے لیے بلاتے ہیں؟ تشریحی ترجمہ)

یہ صنم خانہ دمشق کی قلمو و بعلبک میں سنیر کے قریب ہے۔ یونانیوں نے لبنان اور سنیر کے پہاڑی علاقے کے درمیان یکے بعد دیگرے دو عظیم صنم خانے تعمیر کرائے تھے۔ ان صنم خانوں کی دیواروں پر عجیب و غریب نقوش بنائے گئے تھے اور ان کے لیے جو بڑے بڑے رنگ کے پتھر فراہم کیے گئے تھے ان کی ساری دنیا کی زمینیں کھودنے کے بعد بھی مثال نہیں مل سکتی۔ ان کے ستونوں کی بلندی، دروازوں کی وسعت اور ان کے گرداگرد طول طویل دالانوں کی کثرت عجائب عالم میں شمار ہوتی تھیں۔ سابور کے قتل کی لرزہ خیز داستان کے ساتھ ان صنم خانوں کی الف لیلوی کہانی بھی کچھ کم جاذب توجہ نہیں ہے۔

دمشق میں صنم خانہ جیرون

دمشق کے اس صنم خانے کا ذکر جو "جیرون" کے نام سے مشہور تھا ہم اپنی پچھلی کتابوں میں بھی کر چکے ہیں۔ اس صنم خانے کو جیرون بن سعد العادی نے تعمیر کرایا تھا اور اس کے لیے جگہ جگہ سے سنگِ رخام منگوایا تھا۔ اس میں ارم ذات العماد بھی تھا جس کا ذکر قرآن میں آیا ہے اور ہم بھی اس کا ذکر پچھلے صفحات میں کر چکے ہیں۔

ویسے جب کعب احبار معاویہ کے پاس آیا تو آخر الذکر نے اور باتوں کے علاوہ اس صنم خانے کے بارے میں بھی سوالات کیے تھے۔ معاویہ ابن ابی سفیان کے سوالات کے جواب میں اس نے اس صنم خانے کے بارے میں بتایا تھا کہ اس کی بنیادیں سونے اور چاندی سے بھری گئی ہیں اور ان میں مشک و زعفران ڈالا گیا ہے۔ اس نے اور بھی بہت سی عجیب و غریب باتیں اس صنم خانے کے بارے میں معاویہ ابن ابی سفیان کو بتائی تھیں۔ اس نے اہل عرب میں سے دو آدمیوں کے نام بھی بتائے تھے جو اس کی باتوں کی تصدیق کر سکتے تھے۔ جب معاویہ ابن ابی سفیان نے ان دونوں کو طلب کیا تھا تو کہا تھا کہ کعب احبار نے جو کچھ اس صنم خانے کے بارے میں بتایا ہے اگر اس کی تصدیق ہو گئی تو ٹھیک ہے ورنہ اس کی باتوں کو قصہ گویوں کی من گھڑت باتوں پر محمول کیا جائے گا۔ بہرکیف ان دو آدمیوں نے بھی اپنے بزرگوں سے سُنی ہوئی ان باتوں کی تصدیق کر دی تھی جو کعب احبار نے معاویہ ابن ابی سفیان کو سنائی تھیں لیکن لوگ اب تک اس بارے میں مختلف الرائے ہیں کہ یہ صنم خانہ اور اس میں تعمیر کردہ ارم ذات العماد اصل میں کس جگہ واقع تھے" تاہم عبید بن شریہ کی کتاب سے جو لوگوں میں اب تک متداول ہے اور جس میں ازمنۂ قدیم کے حالات تفصیل سے بیان کیے گئے اس صنم خانے اور ارم ذات العماد کا ذکر بھی کافی تفصیل کے ساتھ معلوم ہو سکتا ہے اور ہوتا رہا ہے۔

کتاب الف لیلہ ولیلہ جن مشہور کتابوں میں عجائب عالم کی داستانیں اور دوسری عجیب و غریب کہانیاں درج کی گئی ہیں انہیں میں ایک حد سے زیادہ شہرت یافتہ کتاب "الف لیلہ ولیلہ" بھی ہے۔ ان کتابوں میں مختلف بادشاہوں کے درباریوں نے ان کی تفریح طبع کے لیے عجیب و غریب افسانے لکھے ہیں۔ ہم تک کتاب "الف لیلہ ولیلہ" فارسی، ہندی اور رومی زبانوں سے ترجمہ ہو کر عربی میں "اَلفُ خرافہ" کے نام سے پہنچی ہیں۔ یہ کتاب فارسی میں "ہزار افسانہ" کے نام سے مشہور ہے۔ چونکہ عربی میں خُرافہ افسانے کو کہتے ہیں" اس لیے اس کا ترجمہ عربی میں "اُلفُ خُرافہ" کے نام سے ہوا۔ ہے لیکن عام لوگ اسے "اَلفُ لَیلہ و لَیلہ" کہتے ہیں۔ اس کتاب میں ایک بادشاہ، اس کی بیٹی، اس بیٹی کی ایک کنیز اور اس بادشاہ کے وزیر کی کہانی بیان کی گئی ہے۔ بادشاہ کی بیٹی اور اس کنیز کا نام اس کتاب میں شہرزاد اور دینازاد لکھا ہے۔ اس کتاب کی کہانیاں بھی جیسا کہ ہم نے سطور بالا میں عرض کیا "فرزہ و سیماس" کی کہانیوں کی طرح ہیں جو ہندوستانی بادشاہوں اور ان کے وزراء کے بارے میں

لکھی گئی ہیں۔ اس طرح کی کچھ اور کتابیں "سندباد" وغیرہ بھی ہیں۔

دمشق کی جامع مسجد

نصرانیت کی اشاعت سے قبل دمشق کی جامع مسجد ایک عظیم بُت خانہ تھی جس میں بہت سے بُت رکھے گئے تھے۔ اس کے میناروں پر بھی مورتیاں نصب کی گئی تھیں جو ستارۂ مشتری کے نام سے منسوب تھیں اور انہیں خوش قسمتی کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ ظہور نصرانیت کے بعد اس بُت خانے کو گرجا کی شکل دے دی گئی تھی اور ظہور اسلام کے بعد اسے مسجد میں بدل دیا گیا جہاں سے آج بھی اذان کی آواز سنائی دیتی ہے۔ اس جگہ مسجد کی بنیاد ولید ابن عبدالملک نے رکھی تھی۔

دمشق کا قصر بریص

دمشق میں ایک اور نادر روزگار عمارت تھی جسے "قصر بریص" کہتے تھے۔ یہ عمارت تاحال وسط دمشق میں موجود ہے۔ کہتے ہیں اس کے اندر کبھی ایسی چھوٹی چھوٹی نہریں تھیں جن میں شراب بہتی تھی۔ شعراء نے اس قصر کی تعریف میں مارب کے ملوک غسانی کے حوالے سے متعدد اشعار کہے ہیں۔

آتشکدۂ دیماس

دمشق میں قصر بریص کے علاوہ فارس کے حکمرانوں نے انطاکیہ میں جب وہ ان کی قلمرو میں شامل تھا۔ ایک عظیم عمارت تعمیر کی تھی جسے "دیماس" کہا جاتا تھا۔ اس عمارت کو بہت مضبوط بنیادوں پر تعمیر کیا گیا تھا اور اس میں عادی کی اینٹیں اور دوسرے پتھر استعمال کیے گئے تھے۔ فارس کے مجوسی حکمرانوں نے اسے بطور آتش کدہ تعمیر کیا تھا۔

دنیا کے کچھ اور عجائب

ابومعشر منجم نے اپنی کتاب "کتاب الالوف" میں مذکورہ بالا آتشکدوں اور عظیم ہیکلوں کے علاوہ بھی کچھ اور عظیم عمارتوں کا ذکر کیا ہے جو دنیا میں ہزار سال کے دوران میں تعمیر کی گئیں۔ ابومعشر کے شاگرد ماذیار نے بھی اپنی کتاب "المنتخب من کتاب الالوف" میں کچھ اور عجیب و غریب عمارتوں کا ذکر کیا ہے جو اس کے استاد اور اس کے زمانے سے بہت پہلے تعمیر کی گئیں اور اس کے بعد بھی آخرالذکر کے زمانے تک معرض وجود میں آئیں ہم نے زیر نظر کتاب میں ان سب کے فرداً فرداً ذکر سے بخوف طوالت گریز کیا ہے۔ ماذیار نے اپنی مذکورہ بالا کتاب میں دیوار اعظم کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس دیوار کو یاجوج ماجوج کی دیوار کہا جاتا ہے۔ لوگ اس دیوار کی بنیاد اور اس کے تعمیر کنندہ کے بارے میں ہمیشہ مختلف الرائے رہے ہیں جس طرح وہ ارم ذات العماد اور اس کے محل وقوع کے بارے میں مختلف رائیں

رکھتے ہیں ہم نے اس کا ضمناً ذکر کر دیا ہے جیسے ہم نے اہرام مصر اور اس پر کندہ عبارتوں، ارض صعید وغیرہ کی تعمیرات وغیرہ، شہر عقاب، ان ستونوں کا جس سے پانی گرتا ہے اور جو ارض عاد میں واقع ہیں ذکر کر دیا ہے یا نمل اور وہاں کے بھیڑیوں اور کتوں کا یا سلجماسہ کے ذکر کے ساتھ ارض ذہب " کا ذکر کیا ہے اور یہ بھی بتا دیا ہے کہ وہاں سے لوگ سونا سمیٹ کر کس طرح لے جاتے تھے ہم اس نہر کا بھی ذکر کر چکے ہیں جہاں تک لوگ ارض ذہب سے سونا اکٹھا کر کے لے جاتے تھے بلکہ ارضِ مغرب تک ابھی اسی راستے سے تجارتی مال لے جایا جاتا ہے۔ یہ نہر درحقیقت بڑی وسیع اور گہری ہے۔ یہ اقصائے خراسان تک چلی جاتی ہے اور ترک مقبوضات سے بھی گزرتی ہے ہم پہلے اس عمارت اور اس کے عجیب و غریب کنوئیں کا بھی ذکر کر چکے ہیں جو بلاد احقاف میں حضرموت اور یمن کے درمیان واقع ہے۔ ہم نے قلعہ نحل، شہر رومیہ، اس شہر کی تعمیرات اور وہاں کے بُت خانوں اور عظیم ہیکلوں کا ذکر بھی پچھلے صفحات میں کیا ہے۔ ہم نے روم نحاس کے آباد کردہ شہر کا ذکر بھی کیا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ نحاس کے بسائے ہوئے سوڈانی علاقے سے شہد اور زیتون شام لے جاتے تھے، ہم نے اس طائر کا بھی ذکر کیا ہے جو یہ چیزیں اپنے پنجوں اور چونچ میں شام تک لے جاتا تھا جس کا مآخذ علاقہ سوڈان تھا۔ البتہ یہ سب باتیں ہم نے کسی قدر تفصیل سے اپنی کتاب اخبار الزمان میں بلینوس کی کتاب " اخبار الطلسمات " کے حوالے سے بیان کی ہیں۔ اسی طرح ہم نے اندلس کے سات شہروں کا ذکر اور عبد الملک بن مروان کے وہاں ورود کا قصہ اور مسلمانوں کے عروج کی مختصر داستان بھی اپنی مذکورہ کتاب میں بیان کر دی ہے۔ ہم نے اس شہر کا ذکر بھی کیا ہے جہاں سے لوگ ساحل حبشہ تک آمد و رفت رکھتے تھے۔ ہم نے ہندوستان، سندھ اور ملتان وغیرہ کا ذکر بھی کیا ہے اور وہاں تعمیر کردہ معابد کے بارے میں تفصیل سے لکھا ہے۔ ہم ان سمندروں وغیرہ کا ذکر بھی کر چکے ہیں جہاں سے لوگ موتی نکالتے اور غذا بھی حاصل کرتے ہیں۔ ہم نے اطراف و اکناف عالم کی آب و ہوا، وہاں کی غذاؤں، لوگوں کی شکل و صورت کا ذکر بھی حتے الوسع کیا ہے۔ ان سب باتوں پر ہم کچھ اپنی پہلی کتابوں اور کچھ زیرِ نظر کتاب کی پہلی جلد میں روشنی ڈال چکے ہیں۔

بحر روم اور بحر احمر کے اتصال کی کہانی

روم کے حکمرانوں میں سے کسی نے بحر قلزم اور بحر روم کے درمیان آبی راستہ نکالا تھا حالانکہ یہ کسی انسان کے بس میں نہ تھا کیونکہ بحر قلزم کی سطح بلند ہے جب کہ بحر روم کی سطح اس سے

کہیں پست ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کی بلند حوصلگی اور الوالعزمی کے پیش نظر قدرت نے اس کی مدد کی تھی جیسا کہ اس سلسلے میں قرآن میں بھی ذکر آیا ہے۔ جس جگہ بحر قلزم کے نزدیک کھدائی کی گئی تھی وہ ساحل قلزم سے ایک میل کے فاصلے پر واقع ہے اور اسے "ذنب تمساح" کہتے ہیں۔ اسی آبی راستے سے وہ لوگ سفر کرتے ہیں جو مصر سے حج کے لیے جاتے ہیں۔ اسی سمندر سے ایک اور خلیج اس بستی تک جاتی ہے۔ جسے محمد بن علی ماذرانی نے آباد کیا تھا اور "ہامہ صنیعہ" کے نام سے مشہور ہے یہ خلیج مصر سے شروع ہو کر مذکورہ بستی تک پھیلی ہوئی ہے لیکن بحر روم و بحر قلزم کے اتصال سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

ایک اور خلیج ٹیونس اور دمیاط کے قریب بھی ہے جس کے کچھ بحیرے کہلاتے ہیں۔ اس خلیج کا نام "ذبرہ و خبیبہ" ہے۔ اس خلیج میں پانی بحر روم سے آکر بحیرۂ تیونس سے گزرتا ہوا نعمان کی آبادی تک بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اور مذکورہ بالا بستی کے پانی سے جا ملتا ہے۔ ان سمندروں اور خلیجوں نیز بحیروں کے ذریعہ ساری دنیا میں حمل و نقل کا کام آسان ہو گیا۔

جب رشید نے چاہا کہ ان دو سمندروں کے اتصال سے فائدہ اٹھا کر وہ دریائے نیل کا پانی صعید مصر اور اس کے ملحقہ علاقوں تک پہنچا دے لیکن اسے ممکن نہ پاکر وہ نیل کا بہاؤ جو بلاد تیونس کے متصل ہے لے گیا تاکہ نیل بحر روم تک پہنچ کر حمل و نقل کا ذریعہ بن سکے۔ اسی وقت سے زائرین حرم نے یہ راستہ اختیار کر لیا تھا۔ یحییٰ بن خالد کہتا ہے کہ رومیوں نے اس راستے کے استعمال کی مخالفت کی تھی کیونکہ انہیں ڈر تھا کہ بحر حجاز سے لوگ بآسانی بحر روم تک پہنچ سکیں گے، حالانکہ اس راستے پر بہت سے مسافر خانے پہلے ہی تعمیر کیے جا چکے تھے۔ چنانچہ یحییٰ نے بہ خیال رواداری اس راستے کو ترک کر دیا تھا۔

جب عمرو بن عاص مصر آیا تو اس نے بھی یہی راستہ اختیار کرنا چاہا تھا لیکن حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسے روک دیا تھا۔ عمرو بن عاص نے ویسے بہت سے دوسرے ترقیاتی کام کیے تھے۔

جن شاہان سلف نے سمندروں کے اتصال کا کام اور سواحل سمندر پر سرائیں بنانے اور بستیاں بسانے کا کام کیا تھا وہ بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود اور اس کے لیے زندگی کی سہولتیں فراہم کرنا چاہتے تھے۔

باب (۳۵)

تخلیق کائنات سے ولادت محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) تک

زمانی احوال

ہم نے اپنی دوسری کتابوں میں جو زیر نظر کتاب سے قبل تصنیف کی ہیں بعض طبیعین کے اقوال ابتدائے آفرینش عالم اور اس کے حدوث و اختتام کے بارے میں بیان کر دیے ہیں اور اس سلسلے میں فلاسفۂ ہند و یونان اور فلکی و طبعی حضرات کے اختلافات آرا بھی پیش کر دیے ہیں اور ان حضرات کے بقول یہ بھی بتا دیا ہے کہ ورود فلکیہ، اشخاص محلہ کی حرکت صانعہ، روح کا قطع مسافت ابتدا سے لے کر انتہا تک، پھر اس کا انفصال تا وجود ہیئت اشخاص و ظہور شکل و صورت، ان کے وجود کے اسباب، ظہور اشیاء کی ابتدا و انتہا اور اس کا اعادہ نیز اس کی تکرار کی وجوہ کیا ہیں۔ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں طبیعین کے اقوال کے مطابق حرکات طبائع اور ان کے اختلاط سے قبل اشیاء کا جسمانیہ و نفسانیہ وجود ان کی ابتدائی حرکات سے ظہور پذیر ہوا ہے اور پھر ان حرکات کے اختلاط سے حیوانات و نباتات اور دنیا کی تمام دوسری اشیاء وجود میں آئی ہیں اور یہیں سے توالد و تناسل کی ابتدا ہوئی ہے کیونکہ جب کسی کی جسمانی شخصیت کا اختتام ہوتا ہے تو وہیں سے نسلی تسلسل شروع ہو جاتا ہے، طبائع مرکب سے بسیط کی طرف منتقل ہوتی ہیں اور اسی طرح بسیط سے مرکب کی طرف حتیٰ کہ مرکب کا بسیط کی طرف انتقال در انتقال منتقل ہو جاتا ہے جب کہ وجود عالم کی ابتدا اس انتقال کا پہلا زینہ تھا۔ طبیعین نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ مذکورہ بار بار اور منتقل انتقال مرکب سے ظہور اشیاء کی بنیاد پڑتی ہے جیسے فصل ربیع میں ظہور نباتات جس کی نشو و نما کی قوت تحت الثریٰ میں ہوتی ہے۔ انہوں نے دوسری بات یہ کہی ہے کہ سورج فصل ربیع کے وقت راس حمل میں پہنچ جاتا ہے جو اس کا ابتدائی مرکز ہے اور اس کی درجہ بدرجہ حرکات

سے نباتات زندہ ہوتی ہیں، اشجار میں پھول پھل آتے ہیں جیسے موسم شتا میں برودت و یبوست کا اختلاط ہوتا ہے اور اس کی سب سے بڑی وجہ حرارت و رطوبت اور فساد برودت و یبوست ہوتی ہے یعنی جب وجود متمم منزل فساد میں داخل ہوتا ہے اور اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے تو یہ وہی وقت ہوتا ہے جب سورج راس الحمل میں داخل ہوتا ہے اور پھر وہی کون و فساد منزل بمنزل اپنے آغاز و انجام تک پہنچتے رہتے ہیں اور یہ انتقال منازل ایک حال سے دوسرے حال تک دائرہ زمانی کی شکل میں جاری رہتا ہے اور اشکال مختلفہ میں ظہور پذیر ہوتا رہتا ہے۔ ان طبیعین کے نزدیک توم و آبان کی یہی صورت ہے۔

حدوثِ عالم کی دلیل اشیائے موجود کی ابتدا و انتہا پر گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کی یا تو ابتدا و انتہا دونوں ہوں گی اور یہ دونوں منازل میں سے کسی ایک منزل میں ہوں گی یا ابتدا و انتہا کی دونوں منازل سے مبرا ہوں گی۔ اگر ان کی ابتدا، انتہا کے بغیر تسلیم کر لی جائے تو ضروری ہوگا کہ کسی شے کے بعض اجزاء حالت تغیر غیر متناہی میں ہوں گے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تغیر زمانی جملہ اشیاء پر اثر انداز نہیں ہوتا بلکہ صرف بعض اشیاء پر علی التواتر دائمی شکل میں اثر انداز ہوتا رہتا ہے جب کہ ہمارا مشاہدہ اس کے برعکس ہے۔ چنانچہ ثابت ہوا کہ وجود و عدم وجود اشیاء دائرے کی شکل میں نہیں ہیں بلکہ ان کی ابتدا و انتہا لازمی ہے۔ اس استدلال سے ان لوگوں کا یہ دعوئے یا خیال باطل ٹھہرتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اشیاء کی کوئی انتہا نہیں ہے بلکہ یہ بات بھی باطل قرار پاتی ہے کہ ان کی نہ کوئی ابتداء ہے نہ انتہا کیونکہ اگر ان کی شکل دائرہ بھی تسلیم کر لی جائے تو ان کی انتہا کے بعد از سر نو ابتدا تو لازمی ہوگی۔ پس اشیاء کی ابتدا اور ان کی انتہا کے لیے یہی ثبوت کافی ہے۔ لہٰذا جیسا ہم بیان کر چکے ہیں حدوث اجسام حدوث حس پر مبنی ہے جس سے عقل انکار نہیں کر سکتی۔

محدثِ عالم جب یہ ثابت ہو چکا کہ اشیاء کی ابتدا اور انتہا ضروری ہے تو پھر تغیر و ظہور اشکال کے لیے ثبوت فراہم کرنا ضروری نہیں رہتا البتہ اس ذات قدیم کی ابتدا و انتہا تلاش کرنا جس کی صفات تک کا عقل احاطہ نہیں کر سکتی بلکہ اشارات سے بھی اس کا ادراک ناممکن ہے منجملہ محالات کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ بس وہی ایک ذات ہے جس کی کوئی ابتدا ہے نہ انتہا۔

اب ہم مختلف الخیال و عقائد لوگوں کے اقوال کے مطابق تخلیق عالم کی ابتدا و انتہا پر

پر گفتگو کریں گے۔ ان لوگوں میں ہندی و یونانی وغیرہ سبھی لوگ شامل ہیں۔

دنیا کی عمر

مجوسیوں کے خیال میں دنیا کی عمر اب تک چھ ہزار سال ہو چکی ہے۔ وہ اپنی اس رائے کا مآخذ اپنے مذہبی بیانات بتلاتے ہیں اور یہی خیال نصرانیوں کا بھی ہے یعنی وہ بھی اپنے مذہبی بیانات کی بناء پر دنیا کی عمر چھ ہزار سال ہی بتاتے ہیں لیکن مذاہب صابئہ کے پیرو حرّانی اس سلسلے میں یونانی حکماء کے اقوال پر جاتے ہیں۔ تاہم کچھ مجوسی ابتدائے عالم کو اپنی اصطلاحات میں ہرمند وکیدہ کی قوت کے نفوذ کے آغاز پر مبنی سمجھتے ہیں جس کا آغاز نامعلوم ہے[1]۔ ہرمندہ وکیدہ ان کے ہاں شیطان کو کہتے ہیں۔ انہیں میں بعض لوگ عالمی حادثات اور دنیا کی کلی تخریب کے بعد سے دنیا کی عمر کی دوبارہ ابتدا کر کے اس کا حساب لگاتے ہیں۔

مجوسیوں ہی کے نزدیک ان کے نبی زرتشت بن اسبیمان سے لے کر سکندر کے زمانے تک ۲۸۰ برس گزرے ہیں جب کہ سکندر کا دورِ حکومت صرف چھ سال رہا ہے۔ وہ سکندر سے لے کر اردشیر کے دورِ حکومت تک ۵۱۷ سال بتاتے ہیں اور اردشیر کے زمانے سے سن ہجری تک ۵۶۴ سال کا عرصہ بتلاتے ہیں۔ اس طرح ہبوط آدمؑ سے لے کر ہجرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک ۶۱۲۶ سال بنتے ہیں ہبوط آدمؑ سے طوفانِ نوحؑ تک ۲۲۵۶ اور طوفانِ نوحؑ سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ (علیہ السلام) کی ولادت تک ۱۰۷۹ سال ہوئے۔ اس حساب سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت سے حضرت موسیٰ ابن عمران (علیہ السلام) کے ظہور کو ۵۰۰ سال گزر جانے تک جب آپ بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے تیہ تشریف لے گئے تھے۔ اس کے بعد آپ کے مصر سے خروج سے حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کے وقت تک چار سال اور بڑھا لیجیے۔ یہی وقت بیت المقدس کی ابتدائی بنیاد رکھنے کا ہے۔ گویا یہ درمیانی عرصہ ۶۳۶ سال کا ہوتا ہے اور بنائے بیت المقدس سے سکندر کے دورِ حکومت کا درمیانی فصل ۷۱۷ سال کا ہوا، اس طرح سکندر کے دور سے حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت کا درمیانی عرصہ ۳۶۹ سال ہوا اور ولادت مسیح علیہ السلام سے ولادت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک ۵۲۱ سال کا عرصہ گزرا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اور جناب مسیح علیہ السلام کے درمیانی عرصے میں جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے صلیب سے بچا کر اپنی طرف اٹھایا اس وقت آپ کی عمر شریف

---

[1] ایک نسخے میں حد نامعلوم کی جگہ حد معلوم لکھا ہے (مرتب)

۳۸ سال تھی اور اس وقت سے جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک ۴۶ ۵ سال کا عرصہ گزرا تھا جب کہ جناب مسیح علیہ السلام کی بعثت نبوت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کا درمیانی عرصہ ۵۹۴ سال ہوتا ہے۔ اس طرح حساب لگایا جائے تو زمانۂ ذوالقرنین سے وفات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک ۹۳۵ سال کا عرصہ گزرا تھا۔ اس طرح حضرت داؤد علیہ السلام کے وقت سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت تک ایک ہزار سات سو دو سال چھ مہینے اور دس دن ہوئے تھے۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک ایک ہزار سات سو بیس سال چھ ماہ اور دس دن ہوئے تھے

اور حضرت نوح علیہ السلام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک تین ہزار سات سو بیس سال دس دن ہوئے ہیں۔ الغرض مذکورہ بالا قول کے مطابق یہ حضرت آدمؑ کے زمین پر اترنے سے لے کر بعثت نبوی تک تاریخی لحاظ سے دنیا کی عمر کے اعداد و شمار ہیں جو مجموعی طور پر چار ہزار آٹھ سو گیارہ سال چھ ماہ اور دس دن ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے اب تک یعنی ۳۳۲ ہجری تک جو خلافت متقی باللہ اور اس کے دیارِ مصر سے رَقّہ آنے کا زمانہ ہے۔ دنیا کی مجموعی عمر پانچ ہزار ایک سو پینسٹھ (۵۱۶۵) سال ہوئی۔ چونکہ ہم ان اعداد و شمار کی مزید تفصیل اس سے قبل اپنی پہلی کتابوں میں بیان کر چکے ہیں اس لیے یہاں اس کا اعادہ ضروری نہیں سمجھتے۔

مجوسیوں کے تاریخی قصوں میں دنیا کی عمر اور اس کی ابتدا و انتہا کے بارے میں طول و طویل تذکرے موجود ہیں اور ان میں سے بعض لوگوں نے اس پر بھی بحث کی ہے کہ آیا دنیا کی کوئی ابتدا یا انتہا ہے بھی یا نہیں اور کچھ لوگوں نے اسے لا ابتدا و لا انتہا بھی بتایا ہے لیکن ہم پچھلے صفحات میں اس پر اپنی گفتگو کو کافی سمجھتے ہوئے اس سے گریز ہی کو بہتر سمجھتے ہیں۔

اہل نظر مسلمانوں کی رائے

مسلمانوں میں بھی کچھ اہل بحث و نظر نے تخلیق کائنات کی ابتدا، وجود عالم و اشیاء اور ان کے کون و حدوث پر بحث کرتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ تخلیق کائنات اور اشیاء کو وجود بخشنے والا خدائے عزّوجل ہے۔ اسی نے لا شئے سے یہ کائنات تخلیق کی ہے۔ وہی اسے فنا کرے گا اور پھر اسے از سرِ نو وجود میں لائے گا یعنی قیامت میں بنی نوع انسان کو اور حیوانات وغیرہ کو دوبارہ زندہ کرے گا یعنی یہ قدرت صرف اسی کو حاصل ہے۔ روز قیامت اس کے وعدہ وعید کے جاننے

کا دن ہے کیونکہ اپنے وعدہ وعید کے بارے میں وہ صادق القول ہے جس میں ردّ و بدل نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ اس عالم کی ابتدا تخلیق آدم سے ہوئی لیکن کب ہوئی اور اس کے بعد جو زمانہ اب تک گزرا ہے اسے تاریخ وار گنا یا نہیں جا سکتا۔ اس لیے کہ تخلیق آدم کے بعد جو زمانے گزرے ان کا احصا ناممکن ہے۔ قرآن میں اقوام وملل کے جو قصے بیان ہوئے اور مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہمارا علم بس اسی تک محدود ہے کیونکہ اقوام وملل کے ان قصوں کے مابین جو فصل ہے ہمیں اس کا علم بھی نہیں ہے جس سے ہم اس کے بارے میں کوئی ذاتی رائے قائم کر سکیں اور اس پر اس کے مطابق روشنی ڈال سکیں۔ جب ہمیں ان سب باتوں کا علم ہی نہیں ہے تو ہم یہ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے؟ زمانے کی کثرت وقلت پر بھی ہم اس کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ تخلیق آدم اور ان کے زمین پر نزول کے بعد اللہ تعالیٰ نے کثرت سے انبیا کو مبعوث فرمایا۔ یہ بھی ہمیں ارشاد باری تعالیٰ اور احادیث نبوی سے ہمیں معلوم ہوا تاہم اس کے سلسلے اور وقوف کی ہمیں کچھ خبر نہیں۔ ہمیں تو بس یہ معلوم ہے کہ بنی نوع انسان کے سطح ارضی پر منتشر ہونے کے بعد زمین پر بستیاں بستی اور شہر آباد ہوتے چلے گئے نیز یہ کہ اس دوران میں کتنے بادشاہوں نے دُنیا کے مختلف حصّوں اور خطّوں میں حکومت کی اور ان میں سے ہر ایک کا زمانہ حکومت کتنا تھا یا ان کے ہاتھوں کتنے عجائب دنیا میں وجود میں آئے لیکن ان سب باتوں کا احصا بھی اس طرح نہیں کر سکتے جس طرح اللہ تعالیٰ نے بصورت قصص انہیں بیان فرمایا ہے۔ ہم یہود ونصاریٰ کے ان بیانات پر بھی کس طرح اعتبار کر سکتے ہیں جو وہ توریت وانجیل کے حوالے سے پیش کرتے ہیں کیونکہ قرآن پاک کے برعکس انہوں نے ان مقدس کتب آسمانی کے اندر بھی تحریفات میں کوئی کسر نہیں چھوڑی جو ایک امر واقعہ ہے اور اس پر کوئی بحث کرنا لاحاصل ہوگا۔ البتہ قرآن میں اقوام وملل کے متعلق بیانات، ان پر عذاب الٰہی کا نزول اور دیگر حوادث عالم کے بارے میں یکے بعد دیگرے جو کچھ ملتا ہے اس پر وجود باری تعالیٰ پر ایمان لانے اور اس کے نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم پر کُلّی اعتماد کے بعد آپ کے ارشادات پر یقین نہ کرنا ہمارے لیے بمنزلہ کفر ہوگا۔ گزشتہ اقوام وملل کے بارے میں اللہ جل شانہ نے قرآن میں ارشاد فرمایا ہے (الحاقة ما الحاقة؟ وما ادراک ما الحاقة كذبت ثمود والعاد بالقارعة، فاما ثمود فاهلكوا بالطاغية، واما عاد فاهلكوا بريح صرصر عاتية) اس کے بعد ارشاد ہوا: (فهل ترى لهم من باقية)

اس کے علاوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "انساب بیان کرنے والوں نے جھوٹ بولا ہے۔" اس کے علاوہ آپ نے قوم عاد سے انساب کے بارے میں تجاوز کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اسی لیے ہم نے ازمنۂ ماضی کے بارے میں جو کچھ کہا ہے اس کے قرآن و احادیث نبوی سے جا بجا حوالے بھی دیتے چلے گئے ہیں اس کے علاوہ ہم نے اپنی زیر نظر کتاب اور اس سے پچھلی کتابوں میں جو کچھ بیان کیا ہے وہ صرف بہت ہی ثقہ مؤرخین اور مصدقہ تواریخ کے حوالے سے ہی نہیں لکھا بلکہ اس کی جہاں تک ہو سکا دوسرے ذرائع سے تحقیق کرنے کی کوشش کی ہے اور کچھ اپنے ذاتی مشاہدات پر انحصار کیا ہے باقی ازمنۂ ماضی اور مستقبل کا علم خدا ہی کو ہے، اس لیے ہم نے دنیا کی عمر گذشتہ یا اس کے اختتامی زمانے کے بارے میں کچھ کہنے یا رائے زنی کرنے سے گریز کیا ہے۔ البتہ ہم نے اس کتاب اور اپنی دوسری کتابوں میں دنیاوی علوم و فنون، رسم و رواج اور لوازم روزگار کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ حتی الامکان تاریخی شواہد کے مطالعے کے بعد سپرد قلم کیا ہے اور وہ بھی جہاں تک ہو سکا اختصار کے ساتھ لکھا ہے اور اس پر بحث و رائے زنی سے گریز کیا ہے کیونکہ یہ حق بھی انہیں مؤرخین وغیرہ کو پہنچتا ہے جن کے حوالوں پر ہم نے انحصار کیا ہے۔

بہرکیف ہمیں اُمید ہے کہ جو کچھ بھی ہم نے لکھا ہے وہ تاریخ کے مبتدی و منتہی دونوں کے لیے مفید ہوگا۔ اب ہم آئندہ باب میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نسب، آپ کی ولادت باسعادت، آپؐ کی ہجرت و وفات نیز خلفائے راشدین اور دُوسرے حکمرانوں کے بارے میں اپنے زمانے تک عہد بہ عہد تاریخی واقعات پیش کریں گے لیکن چونکہ مختلف شخصیتوں یعنی خلفائے راشدین کے بعد دُوسرے حکمرانوں کی فطرت و جبلّت کے بارے میں ہم کوئی حتمی بات نہیں کہہ سکتے اس لیے ان کے حالات و کوائف کے متعلق بھی کوئی قطعی رائے قائم نہیں کر سکتے اس لیے ان کے بارے میں فیصلہ اہل شعور پر چھوڑتے ہیں، دُوسرے تاریخی بیانات کے معانی بھی ان کے الفاظ کثیر المعانی ہونے کی وجہ سے ہر شخص اپنی اپنی سمجھ کے مطابق نکالتا ہے، اس لیے یہ کام بھی ہم نے اہل بصیرت پر چھوڑ دیا ہے۔ آئندہ باب میں قارئین کرام کو کچھ بیانات توضیحی اور کچھ اجمالی ملیں گے کیونکہ ہم نے حد درجہ ضرورت سے قطع نظر ہر جگہ اختصار کو پیش نظر رکھا ہے، تاہم ہمارے مختصر سے مختصر بیان کی وضاحت بھی اہل نظر پر خود بخود واضح ہو جائے گی کیونکہ اختصار بھی کبھی کبھی اور کہیں کہیں ایجاز کی جگہ اعجاز کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے، ویسے جو کچھ ہم آئندہ باب میں اور اس کے بعد لکھیں گے اس کے لیے اللہ تعالےٰ سے توفیق کے طالب ہیں۔

باب (۳۶)

ولادت باسعادت نبی کریم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم آپؐ کا نسب اور اس باب سے متعلق دوسری باتیں

ابتدائیہ ہم اپنی پچھلی کتابوں اور زیر نظر کتاب میں بھی اس سے قبل تاریخ عالم کی ابتدائی باتیں اخبار انبیاء و ملوک، عجائب بحر و بر، فارس و روم و قبط، روم و قبط کے شہروں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عرب کے کچھ حالات وکوائف اور آپؐ کی بعثت سے قبل آپؐ کی امانت و دیانت کے بارے میں اہل عرب کی رائے وغیرہ تاریخ کے حوالے سے تمام تر بیان کر چکے ہیں، ہم آپؐ کے اور جناب مسیحؑ کے زمانوں کے مابین رہنے والے اہل فترہ کی زندگی کے حالات بھی اس کتاب میں پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت طاہر و مطہر اور روشن و اظہر کے حالات بیان کرتے ہیں۔ جن سے آپ کی بعثت اور رسالت کی قبل از وقت علی التواتر نشانیاں ملتی ہیں اور آپ کی نبوت کے اعلان سے کہیں قبل اس کا بیّن ثبوت ملتا ہے۔

آپؐ کا نسب شریف آپؐ کا نسب شریف درج ذیل ہے:۔
محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم ابن عبدمناف بن قصیّ بن مرّہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مُضَر بن نزار بن معد بن عدنان بن ادد بن ناخور ابن شود بن لیعرب بن لشیجب بن ثابت بن اسماعیل بن ابراہیم خلیل اللہ بن تارح یعنی آذر بن ناحور بن ساروخ بن ارعواء بن فالع ابن عابر بن شالخ بن ارفخشذ بن سام بن نوح بن لمک بن متوشلح ابن اخنوخ بن یرد بن مہلاییل بن قینان بن انوش بن شیث بن آدم علیہ السلام [1]

[1] یہ کاتب امر النبی نے اضافہ کیا ہے (مرتب)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ نسب نامہ ہم نے ابن ہشام کی کتاب "المغازی والسیر" مرتبہ ابن اسحاق اور سلسلہ نزار کے نسب نامے کے مختلف نسخوں سے اخذ کیا ہے۔

معد بن عدنان کے نسب کے متعلق اختلافات ؎

ایک نسخے میں بنی نزار کا نسب نامہ یوں درج کیا گیا ہے: "نزار ابن معد بن عدنان بن ادد بن سام بن یشجب بن یعرب بن الہمیسع بن صا نوع بن یا مد بن قیدر بن اسماعیل بن ابراہیم بن تارح بن ناخور بن ارعواء بن اسمروح بن فالغ بن شالخ بن ارفخشذ بن سام بن نوح بن متوشلخ بن اخنوخ بن مہلاییل بن قینان بن انوش بن شیث بن آدم۔"

ابن عربی کا ہشام بن محمد کلبی سے روایت کردہ نزار کا نسب نامہ حسب ذیل ہے:-

"نزار بن معد بن عدنان بن اُدد بن الہمیسع بن بنت بن سلامان بن قیدر بن اسماعیل بن ابراہیم الخلیل بن تارح بن ناخور بن ارعواء بن فالغ بن عابر بن شالخ بن ارفخشذ بن سام بن نوح بن لمک بن متوشلخ بن اخنوخ بن یرد بن مہلاییل بن قینان بن انوش بن شیث بن آدم علیہ السلام۔"

توریت کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام ۹۳۰ سال زندہ رہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام لمک کی ولادت کے وقت بقید حیات تھے جب کہ لمک حضرت نوح علیہ السلام کے والد بزرگوار تھے اور ان کی عمر ۸۷۴ سال ہوئی اور شیث کی عمر ۷۴۷ سال ہوئی۔ اس حساب سے حضرت نوح علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کے وقت ۱۲۶ سال کے تھے۔

جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معد سے پہلے اپنے نسب نامے کے افراد کے ذکر کو منع فرمایا ہے۔ ویسے بھی چونکہ آپؐ کے نسب نامے میں معد سے پہلے آپؐ کے نسب نامے کے ناموں میں اختلاف پایا جاتا ہے جس کے علاوہ ان ناموں کے ذکر کے سلسلے میں آنحضرتؐ کے حکم کے پیش نظر اس سے احتراز واجب ہے اور آپؐ کے نسب نامے کو معد ہی تک بیان کرنا مناسب ہے۔

اس کے علاوہ معد بن عدنان تک آپؐ کے نسب نامے کے بیان پر اکتفا کرنا یوں بھی ضروری ہے کہ معد بن عدنان کے اس سفر کے سلسلے میں میں بارورخ بن ناریا نے اس کی متابعت کی نفی

؎ عدنان کے بعد اس نسب نامے کے ناموں، ان کی تعداد اور ان کے سیاق و سباق میں کثرت سے اختلافات ہیں۔ ملاحظہ ہو سیرت ابن ہشام جلد اوّل (مرتب)

آپؐ نے کاتب ارمیاؑ[1] کے تحریر کردہ معد کے نسب نامے کو تحریف کردہ بیان فرمایا تھا جو یوں تھا:۔

"معد ابن عدنان ابن اُد بن الہمیسع بن سلامان ابن عوص بن برو بن مساویل بن ابی العوام بن ناسل بن حرا ابن بلیدارم بن کالح بن ناجم بن ناخور بن ماحی بن عسقی بن عنف بن عبید بن الرعا بن حمران بن لیسن بن ہیری ابن بحری بن لیخی بن ارعوا بن عنقا بن حسان بن عیسےٰ بن اقتاد بن اہیام بن معصر بن ناجب بن مزلح بن سمائی بن مر بن عوص بن عوام بن قیدر بن اسماعیل بن ابراہیم الخلیل علیہ السلام[2]۔"

اس سلسلے میں بھی کہ ارمیاء مذکورہ بالا سفر میں معد بن عدنان کے ہمراہ تھا بہت سے تذکرے پائے جاتے ہیں اور اس بارے میں بھی کہ شام میں ان کے ساتھ کیا گزری۔ متعدد حکایات مشہور ہیں جن کا تذکرہ ہم اپنی پچھلی کتابوں میں کر چکے ہیں۔ مندرجہ بالا نسب نامہ ہم نے بیان اس لیے درج کر دیا ہے تاکہ ہمارے قارئین کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب نامے میں اختلافات کا علم ہو سکے۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ نے اپنے نسب نامے کے سلسلے میں مدت مدید کے پیش نظر اسے صرف معد تک بیان کرنے کی ہدایت فرمائی ہے اور اس سے پہلے کے ناموں کے ذکر کی ممانعت فرمائی ہے۔

آپؐ کی کنیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ابوالقاسم ہے جیسا کہ ایک شاعر کہتا ہے:۔

"خالق صفات خدا ہی ہے اس نے بنی ہاشم کو مجموعہ صفات بنایا ہے
بنو ہاشم کی صفات کا خلاصہ محمدؐ ہیں، ابوالقاسم نور ہی نور ہیں"

آنحضرتؐ کے اسمائے گرامی

آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے گرامی یہ ہیں:۔ محمد، احمد، ماحی جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے جملہ گناہوں اور عواقب کو مٹا دیا، حاشر کہ آپ کے بعد اللہ تعالیٰ بنی نوع انسانی کو حشر میں جمع فرمائے گا صلی اللہ علیہ وسلم۔

---

[1] ایک نسخے میں "کاتب امر النبی" کی تحریف ہے (مرتب)

[2] جس طرح اس نسب نامے کے ناموں میں اختلاف ہے اسی طرح اس کتاب کے مختلف نسخوں میں بھی حد سے زیادہ اختلافات پائے جاتے ہیں اس لیے ہم نے تحقیق و تدقیق کے بعد صرف ایک ہی نسخے کو پیش نظر رکھا ہے (مرتب)

آنحضرتؐ کی ولادت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کا لہ عام الفیل اور عام الفجار[1] کے مابین ہوئی جب کہ عام الفیل کو بیس سال گزر چکے تھے فجار اس لڑائی کو کہتے ہیں جو زمانۂ جاہلیت میں قبیلۂ قیس عیلان اور بنی کنانہ کے درمیان ہوئی تھی جس میں حرم پاک کے اندر جدال و قتال کو مباح کر دیا گیا تھا یہ بات چونکہ بُری تھی اس لیے اس پورے سال کو "عام الفجار" کہنے لگے۔ کنانہ ابن خزیمہ بن مدرکہ درحقیقت عمرو بن الیاس بن مضر بن نزار کی عرفیت ہے۔ الیاس کے تین بیٹے عمرو عامر اور عمیر تھے جن میں سے عمرو مدرکہ کے نام سے عامر طانجہ کے نام سے اور عمیر قمعہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ ان تینوں کی ماں لیلےٰ بنت حُلوان بن عمران بن الحاف بن قضاعہ تھی جو خود بھی اپنے بیٹوں کی عرفیت کی طرح اپنی عرفیت خندف سے زیادہ مشہور ہے۔ اسی طرح الیاس کی اولاد بھی اپنی نسبی نسبت بھی اپنے باپ کی بجائے اپنی ماں خندف سے کرتے ہیں جیسا کہ قصی بن کلاب بن مرّہ کہتا ہے:-

"میں نے صدہا لڑائیاں دیکھی ہیں اور زندہ ہوں — میرے والد کو لوگ آلِ وہب میں گنتے ہیں
ویسے بھی وہ بڑے صاحب صولت و عالی نسب ہیں — میری ماں خندف اور میرے باپ الیاس ہیں"

بطون قریش

قریش کی پچیس ۲۵ نسلیں ہوئی ہیں جو درج ذیل ہیں:-

بنو ہاشم بن عبد مناف، بنو مطّلب بن عبد مناف، بنو حارث بن عبد المطلب بنو اُمیّہ بن عبد شمس، بنو نوفل بن عبد مناف، بنو حارث ابن فہر، بنو اسد بن عبد العزیٰ، بنو عبد الدار بن قُصّی (یہ حاجبین کعبہ ہیں)، بنو زہرہ بن کلاب، بنو تیم بن مرّہ، بنو مخزوم، بنو یقظہ، بنو مرّہ، بنو عدی بن کعب، بنو سہم، بنو جُمَح۔ یہاں بطحا (مکّہ) کے اہل قریش کی نسلیں جن کی تفصیل ہم اپنی پچھلی کتابوں میں دے چکے ہیں، ختم ہوتی ہیں۔ ان کے علاوہ قریش کی باقی نسلیں یہ ہیں:-

بنو مالک بن حنبل، بنو معیط بن عامر بن لوُی، بنو نزار بن عامر بنو سامہ بن لوُی، بنو ادرم یعنی تیم بن غالب کی نسل، بنو محارب بن فہر، بنو حارث بن عبد اللہ ابن کنانہ، بنو عائذہ یعنی خذیمہ بن لوُی، بنو بنانہ یعنی سعد بن لوُی کی نسل اور قریش کی جو معلوم نسلیں ہیں ان میں بنی مالک کی وہ نسل جس پر قریشی قبائل کی نسلیں ختم ہوتی ہیں۔ ان سب کا تفصیلی ذکر ہم اپنی پچھلی کتابوں میں قریش کے کچھ برگزیدہ اشخاص کے ناموں کے ساتھ کر چکے ہیں۔

---

[1] جوہری کے بقول فجار ایام عرب میں سے ایک دن کا نام ہے (مرتب)

حلف الفضول

یہ عربی اصطلاح ان لڑائیوں کے سلسلے میں شہرت رکھتی ہے جن کا ہم سطور بالا میں حروف الفجار کے تحت ذکر کر چکے ہیں۔ ان خونریز لڑائیوں کی تعداد چار تھی جن میں کشت وخون کا سلسلہ حرم پاک کی حدود تک جا پہنچا تھا اور یہ جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا پورے ایک سال تک چلی تھیں جن پر اہل عرب یعنی دونوں جانب کے لوگ اپنی شجاعت و بسالت کے ضمن میں فخر کرتے تھے۔ یہ لڑائیاں ایک حلفیہ معاہدے کے تحت ماہ شوال میں ختم کر دی گئی تھیں اور انہیں فضول اور فسق و فجور میں شمار کیا گیا تھا اس لیے ان کے اختتام کے لیے جو حلفیہ معاہدہ ہوا اسے بھی حلف الفضول ہی نام دیا گیا۔

حلف الفضول کی وجہ

حلف الفضول درحقیقت ماہ ذیقعدہ میں طے پایا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ قبیلہ زبید کے ایک شخص نے یمن سے مکے آکر عاص بن وائل سے کچھ سامان خریدا تھا اور اس کی قیمت بھی ادا کر دی تھی لیکن اس لین دین کی بات چیت جبل ابی قبیس پر طے ہوئی تھیں جس میں قبائل قریش کے لوگ بھی موجود تھے۔ چونکہ یہ جگہ بیت اللہ اور حرم پاک کے حدود میں ہے اس لیے اہل مجلس میں سے ایک شخص نے اُٹھ کر بلند آواز سے کہا:۔

"آپ لوگ یہاں تجارتی لین دین کی باتیں کر رہے ہیں لیکن اس لڑائی کی طرف کسی کی نظر نہیں جاتی جو خانہ کعبہ اور حرم پاک کی انہیں حدود میں اب تک جاری ہے حالانکہ یہاں جدال و قتال اور کشت وخون کی سخت ممانعت ہے۔ کیا آپ لوگ نہیں جانتے کہ یہاں خونریزی کوئی معمولی بُرائی نہیں بلکہ فسق و فجور میں داخل ہے۔"

جب وہ شخص اپنی حد درجہ مؤثر تقریر ختم کر چکا تو حاضرین مجلس نے قسم کھائی کہ وہ اس لڑائی کو جہاں تک ممکن ہو سکا جلد سے جلد ختم کرانے کی کوشش کریں گے۔ اس لڑائی کے خلاف حاضرین مجلس میں سے جس شخص نے سب سے زیادہ زوردار الفاظ میں آواز اٹھائی وہ زبیر ابن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف تھے۔ اس کے بعد قبائل قریش نے دار الندوہ میں جمع ہو کر باہم صلاح و مشورہ کیا کہ اس تباہ کن جنگ کو کس طرح ختم کیا جائے۔ اس اجتماع کے شرکاء میں جو قریشی قبائل کے لوگ موجود تھے ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں:۔

بنو ہاشم بن عبد مناف، بنو عبد المطلب بن عبد مناف، زہرہ بن کلاب، تیم بن مُرّہ، بنو حارث بن فہر۔

ان سب لوگوں نے یہ متفقہ فیصلہ کیا کہ لڑائی ختم کرائی جائے اور بطریق انصاف ظالم سے مظلوم کا حق دلایا جائے گا۔ چنانچہ یہ سب لوگ اس فیصلے کو عملی شکل دینے کے لیے عبداللہ بن جدعان کے گھر میں جمع ہوئے اور مذکورہ بالا حلف اٹھایا جو آج تک "حلف الفضول" کے نام سے مشہور ہے۔

ہم نے اپنی کتاب "کتاب الاوسط" میں حلف الفضول کے علاوہ عربی قبائل کی ان چاروں لڑائیوں کا ذکر بھی تفصیل سے کیا ہے جو "حروب الفجارات" کہلاتی ہیں۔ ان میں سے پہلی لڑائی کو مؤرخین نے فجار الرجل یا فجار بدر بن معشر، دوسری کو فجار قرد، تیسری کو فجار مراۃ اور چوتھی کو فجار براض لکھا ہے۔ اس چوتھی لڑائی میں حد سے زیادہ کشت و خون ہوا تھا، اور یہی وہ لڑائی تھی جو خانہ کعبہ کی حدود میں لڑی گئی تھی۔ اس وقت خانہ کعبہ کی جدید تعمیر کو پندرہ برس گزر چکے تھے۔ اس چوتھی لڑائی کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اس وقت ملاحظہ فرمایا تھا جب آپؐ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا سامانِ تجارت لے کر شام تشریف لے جا رہے تھے۔ اسی سفر کے راستے میں آپ کو نصرانیوں یا یہودیوں کے مشہور راہب نسطور نے دیکھا تھا۔ وہ اس وقت ایک عبادت گاہ میں مقیم تھا۔ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت خدیجہؓ کا غلام میسرہ بھی سفر کر رہا تھا لیکن صرف آپ کے اوپر ایک بادل سایہ کرتا ہوا آسمان پر چل رہا تھا۔ نسطور نے یہ دیکھ کر کہا۔

"یہ خدائے تعالٰے کے آخری نبی ہیں۔ آپؐ کی بعثت چار سال، نو مہینے اور چھ دن کے بعد ہو گی لیکن خدیجہؓ بنت خویلد سے دو مہینے چوبیس دن کے بعد آپ کی شادی ہو جائے گی۔ کعبے کی تعمیر جدید کو اس وقت دس سال گزر چکے ہوں گے جسے آپؐ بہ چشم خود دیکھیں گے اور خانہ کعبہ میں حجر اسود کی جگہ کا تعین کرنے اور اسے وہاں اٹھا کر رکھنے کے بارے میں قریش قبائل میں جو تنازعہ ہو گا اسے بھی آپ (اپنی خداداد بصیرت سے) سب کے حسب منشا نمٹا دیں گے۔"

قریش کے ہاتھوں کعبے کی تعمیر جدید

ایک شدید سیلاب سے خانۂ کعبہ کی پہلی عمارت منہدم ہو گئی تھی اور اس کے کھنڈرات میں سے سونے کا ایک ہرن اور دوسرے طلائی زیورات نیز جواہرات چرا لیے گئے تھے جس پر قریشی قبائل میں جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

بیت اللہ کی پہلی عمارت منہدم ہو جانے کی وجہ سے عربوں کے بنائے ہوئے وہ نادر و نایاب مجسمے جن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وہ مجسمہ بھی تھا جس کے ہاتھوں میں فال نکالنے کے وہ تیر دکھائے گئے تھے جو عرب باہمی تقسیم کے لیے استعمال کیا کرتے تھے۔ اس کے مقابل حضرت اسماعیلؑ کا ایک مجسمہ تھا جس میں وہ گھوڑے پر سوار دکھائے گئے تھے اور ان کے گرد و پیش مجسموں کی شکل میں لوگوں کا ہجوم دکھایا گیا تھا جو حضرت اسماعیلؑ سے تقسیم کی چیزیں لے رہا تھا۔ ان دو مجسموں کے علاوہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد کے مجسمے تھے جن کا سلسلہ قصیؔ بن کلاب تک چلتا تھا اور ان کی تعداد ساٹھ تھی۔ ان مجسموں کے ساتھ ان سب کا سردار اور بہت بڑا مجسمہ رکھا گیا تھا۔ جس کے آگے عبادت کا طریقہ دکھایا گیا تھا اور اس کے وہ افعال بھی دکھائے گئے تھے جن پر اہل عرب ایمان رکھتے تھے۔

حجر اسود کی جگہ کا تعین

جب خانہ کعبہ کی نئی عمارت تیار ہو چکی تو اس کے صحن میں حجر اسود کا مقام متعین کرنے اور اسے وہاں رکھنے کے بارے میں قریشی قبائل میں اختلاف پیدا ہوا، قریش کا ہر سردار یہی کہتا تھا کہ اس کا حق صرف اسے اور اس کے قبیلے کو پہنچتا ہے۔ اس کے لیے وہ مختلف دلائل بھی پیش کرتے تھے۔ آخر کار یہ طے پایا کہ اگلے روز علی الصباح جو شخص خانہ کعبہ کے صدر دروازے سے اس میں داخل ہو وہی اس کا فیصلہ کرے جس کا ماننا سب کے لیے لازم ہوگا۔ اب قدرت کا کرشمہ دیکھیے کہ اگلے دن صبح ہی صبح جو شخص خانہ کعبہ میں اس کے صدر دروازے سے داخل ہوا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ آپؐ کو دیکھ کر جملہ سرداران قریش اس بات پر متفق ہو گئے کہ آپؐ جو فیصلہ فرمائیں گے وہ انہیں منظور ہوگا کیونکہ بعثت نبوت سے قبل بھی جملہ اہل مکہ آپؐ کو صادق اور امین کہتے تھے۔ اب اسے صرف آپؐ کی فہم و فراست اور بے نظیر خدا داد بصیرت کہیے کہ آپ نے جو فیصلہ فرمایا اس پر کسی کو اعتراض کرنے کا موقع ہی نہ ملا کیونکہ آپؐ نے ایک چادر بچھا کر اس پر حجر اسود کو رکھوایا اور اس چادر کا ایک ایک کونہ قریش کے چار سب سے بڑے اہم اور معتمد سرداروں کے ہاتھوں میں تھما دیا۔ پھر اس کے دونوں پہلوؤں کو سہارا دینے کے لیے کچھ اور بڑے بڑے سردار لگا دیے۔ اس طرح حجر اسود اس کی موجودہ جگہ لے جا کر نصب کر دیا گیا۔ اس پر نہ صرف ان سرداروں بلکہ جملہ قریشی قبائل نے آپ کی فراست و بصیرت کا اعتراف اور خوشنودی کا اظہار کیا۔ یہ آپ کی دوسروں پر فضیلت اور آپؐ کے احکام کے

بجا و برمحل ہونے کا پہلا ثبوت تھا۔

بقول شخصے جو قریشی قبائل کے سردار اس وقت وہاں موجود تھے انہیں سب کو اس بات پر تعجب تھا کہ انہوں نے ایک ایسے شخص کی تجویز اور اس کا حکم کس طرح مان لیا جو ان سے عمر میں سب سے کم اور مال و دولت کے لحاظ سے بھی کمتر درجے کا تھا۔ بہرکیف ان کے بڑے اور بزرگ لوگ آپؐ کی تجویز اور حکم پر پہلے ہی سرِ تسلیم خم کر چکے تھے لیکن انہوں نے یہ ضرور کہا کہ وہ اپنے قدیم بتوں لات و منات اور عزّیٰ وغیرہ کی پرستش جو ان کے بزرگوں سے چلی آتی تھی نہیں چھوڑ سکتے البتہ اس دن سے ان کے دلوں میں آپؐ کی عزت و تکریم پہلے سے زیادہ بڑھ گئی اور وہ بت پرستی کے علاوہ آپؐ کی جملہ تجویزوں اور احکام کو ماننے لگے۔ تاہم مذکورہ بالا شخص کے قول سے بعض لوگ یہ کہہ کر اختلاف بھی کرنے لگے تھے کہ میاں وہ تو ابلیس نے انسانی شکل میں ظاہر ہو کر شعبدہ بازی کا مظاہرہ کیا تھا۔ اور کچھ لوگ اس کے بعد بھی یہ کہنے پر مُصر تھے کہ یہ سب ان کے بتوں لات و منات اور عزّیٰ کی کرشمہ سازی اور ان کی ماورائی طاقت کا ظہور تھا۔ اس کے باوجود قریش کے اکثر خردمند دانشور آپؐ کی فراست و دانائی کے قائل ہو چکے تھے۔

کعبے کا غلاف

جب خانہ کعبہ کی تعمیر جدید مکمل ہو چکی اور اس میں حجر اسود کی تنصیب بھی ہو چکی تو خانہ کعبہ کے غلاف اور اس میں قدیم بتوں کے رکھنے پر پھر بحث چھڑی۔ اس وقت وہاں حضرت عبدالمطلب موجود تھے۔ آپ نے فرمایا:۔

"ہمارے لیے اس کا ہر عادلانہ فیصلہ آخری ہوگا۔ ہم نے اس کی تردید کی کوشش میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی لیکن آخر کار ہمیں اس کا فیصلہ ماننا پڑا۔ اب ہم میں سے اکثر اس کا ہر حکم ماننے کے لیے تیار ہیں۔"

جب آپؐ کی بعثت مبارک کا زمانہ آیا تو خانہ کعبہ کی مذکورہ عمارت کو مکمل ہوئے پانچ سال گزر چکے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت آپ کی عمر شریف چالیس سال اور ایک دن ہو چکی تھی۔

تحدید ولادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم ولادت کے تعین اور اس کی صحیح تاریخی حد کا اندازہ لگانے کے لیے چند باتوں کا ذہن نشین رہنا ضروری ہے اور وہ یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کی ولادت مبارک کے وقت اصحاب فیل کے مکے میں داخلے کو پانچ دن ہوئے تھے اور وہ جس دن مکے میں داخل ہوئے تھے اس روز ماہِ محرم کے آغاز کو ۱۳ راتیں باقی تھیں جب کہ اس روز عہد ذی القرنین کو پورے ۸۸۲ سال گزر چکے تھے۔ اور ابرہہ کے مکے میں داخلے کے وقت ماہ محرم کی سترہ تاریخ تھی جب کہ تاریخ عرب کا اس روز دوسو دسواں سال پورا ہوا تھا، اسی سال پہلا حجۃ الغدر ہوا تھا اور یہ کہ نوشیرواں کسریٰ کو حکومت کرتے ہوئے اس وقت پورے چالیس سال ہوئے تھے نیز یہ کہ آپ کی ولادت کے روز مکے میں ماہ ربیع الاوّل کی آٹھویں تاریخ تھی اور آپ ابن یوسف کے گھر اس دنیائے آب وگل میں تشریف لائے تھے جہاں اس کے بعد عباسی خلفاء ہادی اور ہارون الرشید کی ماں خیزران نے مسجد بنائی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارک اور آپ کی والدہ مکرمہ کے وضع حمل کے وقت آپؐ کے والد ماجد عبداللہ شام گئے ہوئے تھے۔ جب وہ شام سے واپس لوٹے تو بیمار تھے اور ابھی آنحضرتؐ کی ولادت مبارک کا مہینہ چل رہا تھا کہ آپ کی وفات ہوگئی۔ کچھ لوگ اس بارے میں مختلف الرائے ہیں۔ کچھ لوگ یہی کہتے ہیں کہ جب آپؐ کے والد ماجد فوت ہوئے تو آپؐ کی ولادت مبارک کا مہینہ چل رہا تھا لیکن کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کی وفات کے وقت آپ کی ولادت کا دوسرا سال شروع ہوچکا تھا۔

آنحضرتؐ کی والدہ ماجدہ کا نسب

آپ کی والدہ مکرمہ آمنہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ بن کعب تھیں۔

آپؐ کی ولادت کے پہلے ہی سال میں آپ کو دودھ پلانے کے لیے حلیمہ سعدیہ بنت عبداللہ بن حارث کے سپرد کیا گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے قبل کے واقعات

آپؐ کی ولادت کے چوتھے سال دو فرشتوں نے آپ کا شکم مبارک چاک کیا، پھر قلب مبارک چاک کر کے اس میں سے ایک فاسد لوتھڑا نکال دیا۔ اس کے بعد انہوں نے آپؐ کے شکم مبارک اور قلب مبارک کو برف سے دھویا پھر ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا:۔ اسے اس کی اُمت کے دس افراد سے زیادہ زینت بخشی گئی ہے۔ اس کے بعد انہوں نے آپ کا وزن کیا اور ایک زبان ہو کر بولے: اس کا وزن اس کی اُمت کے مجموعی وزن سے خوبیوں میں ہزار گنا زیادہ ہے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے پانچویں سال حلیمہ سعدیہ نے آپ کی رضاعت

سے فارغ ہو کر آپؐ کو آپؐ کی والدہ ماجدہ کے سپرد کیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ چھٹے سال کا واقعہ ہے۔ اس وقت اور عام الفیل کے درمیان پانچ سال دو مہینے اور دس دن کا فصل ہے۔

آپؐ کی ولادت مبارک کے ساتویں سال آپ کی والدہ ماجدہ آپ کو لے کر اپنے ماموؤں سے ملنے تشریف لے گئی تھیں لیکن ان کے میکے ہی میں ان کا انتقال ہوگیا۔ ان کی وفات کو پانچواں دن گزرنے کے بعد اُمّ ایمن آپؐ کو لے کر مکے واپس آئیں۔

آپؐ کی ولادت کے آٹھویں سال آپؐ کے دادا عبد المطلب نے وفات پائی تو آپؐ کی پرورش اور دیکھ بھال کی ذمہ داری آپؐ کے چچا ابوطالب نے لے لی۔ اس وقت وہ حجرہ میں تھے۔ جب آپ کی عمر شریف تیرہ سال کی ہوئی تو آپؐ اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ شام تشریف لے گئے اس وقت آپؐ کی عمر شریف پندرہ سال تھی اور اس وقت بھی حضرت خدیجہؓ کا غلام میسرہ آپؐ کے ہمراہ تھا۔ ہم نے آپؐ کے اس سفر کا حال کافی شرح و بسط کے ساتھ اپنی پچھلی دو کتابوں "اخبار الزمان" اور "کتاب الاوسط" میں بیان کیا ہے۔

باب (۳۷)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے آپؐ کی ہجرت تک واقعات کا سلسلہ

بیت اللہ کی تعمیر جدید کے پانچ سال بعد جیسا کہ ہم اس سے قبل اجمالاً بتا چکے ہیں اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوّت سے سرفراز فرمایا اور آپ کو اس کی جملہ خصوصیات عطا فرمائیں۔ اس وقت آپؐ کی عمر شریف پورے چالیس سال تھی۔ نبوت سے سرفرازی کے بعد آپؐ نے تیرہ سال تک مکّے میں قیام فرمایا لیکن آپؐ نے بعثت نبوّت کو تین سال تک پردہ اخفا میں رکھا۔ اس سے قبل جب آپؐ کی عمر شریف ابھی پچیس سال تھی تو آپ حضرت خدیجہ رضؓ کو اپنے حبالۂ عقد میں لے آئے تھے۔ مکّے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن پاک کی ۸۲ سورتیں نازل ہوئیں لیکن باقی سارا قرآن شریف وحی کے ذریعے آپؐ پر مدینے میں اُترا۔ پہلی مرتبہ آپؐ پر قرآن کی جو آیت حضرت جبریلؑ کے ذریعے نازل ہوئی وہ یہ تھی :۔

"اقرأ باسم ربک الذی خلق " یہ آیت آپؐ پر سنیچر کی شب میں اُتری تھی۔ پھر دوبارہ یہی آیت (آخر تک) اتوار کو اُتری اور پیر کے روز جبریلؑ نے آپؐ کو "رسول اللہ" کہہ کر مخاطب کیا۔ یہ واقعہ غارِ حرا میں پیش آیا۔ غارِ حرا ہی وہ جگہ ہے جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نزولِ قرآن کی ابتدا ہوئی۔ پہلے اللہ تعالےٰ نے آپؐ سے یہیں تک ارشاد فرمایا تھا کہ عَلَّمَ الانسان مَالَم یَعلَم۔ جس کے بعد آپ پر یہ پوری سورت اُتری۔ سفر کے مواقع پر آپؐ اس سورت کو دو حصّوں میں تقسیم فرما کر صرف فرض کی دو رکعتوں میں تلاوت فرماتے تھے لیکن قیام کے مواقع پر اس میں اضافہ فرما لیتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت بعثت کا تعیّن

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کی بعثت کے وقت کسریٰ پرویز کی حکومت کے بیسویں سال کا آغاز تھا اور اس وقت زبذہ کے معاہدات کو بھی دو سواں سال شروع ہو چکا تھا نیز اس وقت ہبوط آدم (علیہ السلام) کو چھ ہزار ایک سو تیرہ سال گزر چکے تھے۔ جن حکمائے عرب نے صدر اسلام میں قدیم کتابوں کا مطالعہ کیا تھا انہوں نے یہ معلومات فراہم کی ہیں اور ہم نے انہیں کی بنیاد پر یہاں پیش کی ہیں۔ یہ ساری باتیں ایک عرب شاعر نے اپنی ایک طویل نظم میں بڑی خوب صورتی سے پیش کی ہیں جس کے ہمارے زیر بحث موضوع سے متعلق تین شعر درج ذیل کیے جاتے ہیں۔

"جب یقینی طور پر —— ! تیرھویں سال کا آغاز تھا !
اور اس سال کے آغاز سے قبل چھ ہزار ایک سو سال ختم ہو چکے تھے
اس وقت اللہ تعالےٰ نے ہم میں ایک پیغمبر بھیجا جو ہمارا رہنما تھا"

علی بن ابی طالب کا قبولِ اسلام

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کے بارے میں کچھ لوگ مختلف الرائے ہیں لیکن اکثر حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ اسلام لانے سے قبل بھی کوئی مشرکانہ فعل آپ سے سرزد نہیں ہوا بلکہ آپ شروع ہی سے ہر بات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی فرماتے تھے اور سن بلوغت تک آپ کا یہی حال رہا یہاں تک کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت کا اعلان فرما کر اپنے اعزہ واقارب کو دعوتِ اسلام دی تو آپ فوراً اسلام لے آئے۔ یہ کہیے کہ خود اللہ تعالےٰ نے آپ کو معصوم بنا کر ادھر اُدھر بھٹکنے سے روک دیا تھا اور ہر معاملے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ دونوں میں سے کوئی کسی اضطراری کیفیت میں کبھی مبتلا ہوا تھا نہ انہیں کسی بات کی مجبوری تھی بلکہ انہیں ہر بات کی قدرت حاصل تھی لیکن انہوں نے برضا ورغبت اطاعت خداوندی اختیار کی۔ چنانچہ ان دونوں نے صرف انہیں باتوں پر عمل کیا جس کا انہیں خداوند تعالےٰ نے حکم دیا اور ان جملہ باتوں سے پرہیز کیا جن سے اللہ تعالےٰ نے انہیں روکا تھا۔ بعض لوگوں کی رائے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ایمان لانے والوں میں سے سے پہلے شخص تھے اور وہ اللہ تعالےٰ کے اس ارشاد کے مطابق " وانذر عشیرتک الاقربین" کے مصداق اور ان لوگوں میں سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلے ایمان لائے آپؐ کے قریب ترین عزیزوں میں تھے۔ کچھ لوگ اس سے جو ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اوصاف کے بارے میں بیان کیا اختلاف کرتے ہیں اور نہیں سے

شیعانِ علیؓ اور ان لوگوں میں اختلاف رونما شروع ہوا۔ یہ دونوں فریق اس سلسلے میں قرآن سے استدلال کرتے ہیں یعنی امامت و اختیار کے بارے میں آیاتِ قرآنی پیش کرتے ہیں۔ بہرکیف یہ دونوں فریق آپ کے سب سے پہلے ایمان لانے اور اتباعِ سنت کے بارے میں متفق ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ کا قبول اسلام اور اس میں آپ کے متبعین

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے نہ صرف خود اسلام قبول کیا بلکہ اپنی قوم کو بھی اسلام کی دعوت دی۔ چنانچہ پہلے آپؓ کے سامنے اسلام قبول کرنے والے عثمانؓ بن عفان، زبیرؓ ابن عوام، عبدالرحمٰن بن عوف، سعدؓ بن ابی وقاص اور طلحہ بن عبیداللہ تھے۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان لوگوں کو لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سب نے آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کی اور اسلام لائے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے آپؐ پر ایمان لانے میں سبقت کی۔ صدرِ اسلام میں کچھ پہلے شاعروں نے انہیں حضرات کی مدح میں لاتعداد شعر کہے ہیں جن میں سے ایک شاعر کے کچھ اشعار درج ذیل کیے جاتے ہیں۔

پوچھنے والے خیر العباد کے بارے میں کیا پوچھتا ہے — انہیں سب اہل علم اور اہل خبر جانتے ہیں
یوں تو خیر العباد سارے قریش ہیں — لیکن ان میں سے ہجرت کرنے والے بہتر ہیں
ہجرت کرنیوالوں میں بھی وہ سابق الاسلام بہتر ہیں — جنہوں نے حضورؐ کی متحد ہو کر مدد کی
وہ علیؓ و عثمانؓ ہیں، پھر زبیرؓ ہیں — اور طلحہؓ نیز بنی زہرہ کے دو شخص ہیں
یہی دونوں شیخین ہیں جو قبر تک ہیں — حضورؐ کے پڑوسی اور آپؐ ان کے پڑوسی ہیں
ان کے بعد جو بھی فخر کرتا ہے — وہ کبھی ان کے سامنے فخر نہ کر سکا۔

اوّلیت اسلام میں اختلاف

اس بارے میں کہ سب سے پہلے کون اسلام لایا کچھ لوگ مختلف الرائے ہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ اسلام لانے والوں میں پہلے شخص حضرت ابوبکرؓ صدیق ہیں۔ اور اسی لیے وہ اس سلسلے میں سب پر سبقت رکھتے ہیں۔ ان کے بعد بلال بن حمامہ ایمان لائے اور ان کے بعد عمرو بن عبسہ نے اسلام قبول کیا۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ عورتوں میں سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ نے اور مردوں میں حضرت علیؓ نے اسلام قبول کیا لیکن بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ اسلام پر ایمان لانے والوں میں سب سے پہلے زیدؓ بن حارثہ ہیں، اس کے بعد حضرت خدیجہؓ اور اس کے بعد حضرت علیؓ ہیں۔ ہمارے لیے ان جملہ حضرات میں جن کا دعویٰ قابل قبول ہے ان کا ذکر ہم اس موضوع کے سلسلے میں اپنی پچھلی کتابوں میں بیان کر چکے ہیں۔

باب (۳۸)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے وفات تک کے مکمّل حالات

افتتاحیہ اللہ جل شانہٗ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مکّے سے ہجرت کا حکم دیا اور آپ پر جہاد فرض فرمایا۔ یہ سن ہجری کا پہلا سال تھا۔ اسی سال اذان کا حکم نازل ہوا۔ ویسے یہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت نبوت کا چودھواں سال تھا۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے جب بعثت نبوت سے سرفراز فرمایا گیا اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف چالیس سال تھی۔ اس کے بعد آپؐ نے مکّے میں تیرہ سال قیام فرمایا اور ہجرت کے بعد آپ مدینے میں دس سال تشریف فرما رہے اس طرح وفات کے وقت آپؐ کا سن شریف تریسٹھ سال تھا۔

تعیّن سال ہجرت ہجرت کا جب پہلا سال تھا تو اس وقت کسریٰ پرویز کی حکومت کو ۳۲ سال گزر چکے تھے، اسی طرح اس وقت نصرانی بادشاہ ہرقل کی حکومت کو نو سال اور سکندر مقدونی کے زمانے کو ۹۳۳ سال ہو چکے تھے۔

ہجرت کا حال ہم کتاب الاوسط میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مکے سے خروج غار ثور میں آپ کے داخلے اور حضرت علی رضؓ کی جانب سے آپؐ کے اونٹ کی نگہداشت اور آپؐ کے بستر مبارک پر رات کے وقت سونے کا حال بیان کر چکے ہیں۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکے سے ہجرت فرمائی اس شب کو آپؐ کے ہمراہ حضرت ابوبکر رضؓ اور ان کا غلام عامر بن فہیرہ تھے جب کہ عبداللہ بن اریقط دیلی راستہ بتاتا جا رہا تھا حالانکہ وہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوا تھا۔ حضرت علی رضؓ نے آپؐ کی مکّے سے روانگی کے

بعد وہاں تین روز قیام فرمایا تھا اور جن چیزوں کے متعلق آپؐ انہیں حکم دے گئے تھے کہ فلاں فلاں کو واپس کر دی جائیں انہیں ان لوگوں کو واپس کرنے کے بعد وہ بھی مدینے میں آپ سے آملے تھے۔

مدینے میں داخلہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینے میں پیر کے روز جب کہ ماہ ربیع الاوّل کی بارہ راتیں گزر چکی تھیں داخل ہوئے اور آپؐ نے وہاں پورے دس سال قیام فرمایا مکے سے روانگی کے بعد مدینے میں تشریف آوری سے قبل آپ نے قبائے علی سعد بن خیثمہ میں قیام فرمایا تھا اور وہاں ایک مسجد کی بنیاد رکھی تھی۔ قبا میں آپؐ کا قیام پیر، منگل، بدھ اور جمعرات کے روز رہا اور جمعہ کے روز طلوع آفتاب کے بعد آپؐ مدینے کی جانب روانہ ہوگئے۔

مدینے میں داخلے سے قبل جملہ انصاری قبائل نے آپؐ کو خوش آمدید کہا اور انصاریوں میں سے ہر شخص نے آپؐ سے گذارش کی کہ آپ اس کے ہاں قیام فرمائیں اور اس درخواست کے ساتھ ہر شخص آپؐ کی اونٹنی کی مہار پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگا۔ لیکن آپ نے اپنی اونٹنی کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: "ایک طرف ہٹ جائیے، اسے غیب سے حکم مل چکا ہے۔" اس وقت آپ قبیلہ بنی سالم میں تھے اور نمازِ جمعہ کا وقت ہو چکا تھا، چنانچہ آپ نے اس قبیلے کے لوگوں کے ساتھ نماز جمعہ ادا فرمائی۔ وہ اسلام میں جمعہ کی پہلی نماز تھی۔ اس بارے میں کہ نماز جمعہ کہاں کہاں فرض ہوتی ہے کچھ لوگ مختلف الرائے ہیں۔ متاخرین میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جب تک چالیس نمازی جمع نہ ہوں نماز جمعہ واجب نہیں ہوتی۔ تاہم کوفے کے فقہاء اور کچھ دوسرے فقیہوں نے اس کے خلاف رائے دی ہے۔ بہر کیف مذکورہ بالا نماز جمعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وادی کے بیچوں بیچ جسے آج تک وادی رانوناء کہا جاتا ہے ادا فرمائی تھی۔ اس کے بعد آپؐ اونٹنی پر سوار ہو کر آپ کسی مزاحمت کے بغیر اس جگہ پہنچے جہاں آج کل مسجد نبوی واقع ہے۔ وہ جگہ اس دن تک بنی نجار کے دو یتیم لڑکوں کی ملکیت تھی جنہوں نے وہ جگہ آپ کی خدمت میں تعمیر مسجد کے لیے بخوشی پیش کر دی تو آپ نے ان کے لیے دعائے خیر و برکت فرمائی۔ اس کے بعد زیادہ زمانہ نہیں گزرا تھا کہ آپ نے اسی جگہ سے وحی الٰہی کے مطابق لوگوں کو احکام خداوندی سنانے شروع فرمائے تھے۔ وہاں سے آپ سواری ہی پر تشریف فرما رہتے ہوئے آگے بڑھے اور ابی ایوب انصاری یعنی خالد بن کلیب ابن ثعلبہ بن عوف بن سحیم بن مالک بن نجار کے گھر تک تشریف لے گئے جہاں سواری سے اتر کر آپؐ نے ایک مہینے تک قیام فرمایا۔ آپؐ کے ساتھ انصار بھی وہاں ٹھہرے اور اسی لیے ان کی خوشی کا کچھ ٹھکانا نہ تھا۔

پھر جب مسجدِ نبوی کے لیے بنی نجار کے مذکورہ بالا لڑکوں سے وہ جگہ خرید لی گئی جس کا ہم نے سطور بالا میں ذکر کیا ہے۔ تو آپؐ ابوایوب انصاری کے مکان سے وہیں مستقل قیام کے لیے تشریف لے گئے۔ اس پر انصار کو سخت افسوس ہوا اور وہ سوچنے لگے کہ وہ آپؐ کی جتنی چاہتے تھے مدد نہ کر سکے، تاہم آپؐ کے ساتھ ان کی محبت میں ذرّہ برابر کمی نہیں آئی۔ ان خیالات کا اظہار کرتے ہوئے بنی عدی بن نجار کے ایک شاعر نے آپ کی مدح میں بہت ہی خوب صورت اور قابل ستائش قصیدہ بھی کہا ہے۔

مدینے ہی میں آپ کی تشریف آوری کے بعد رمضان کے روزوں کا اللہ تعالیٰ کی طرف حکم نازل ہوا اور وہیں آپؐ کی تشریف آوری کے بعد اٹھارہ مہینے تحویل کعبہ بیت المقدس سے کعبے کی طرف یعنی بیت اللہ کی طرف کر دی گئی۔ کہا جاتا ہے کہ مدینے میں آپ کی تشریف آوری کے بعد قرآن پاک کی (باقی) ۸۲ سورتیں نازل ہوئیں۔

آپؐ کی علالت اور وفات

جس روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم خداوندی وفات پائی اس روز تک ماہ ربیع الاوّل کی بارہ راتیں گزر کر طلوعِ سحر کو ۱۶ ساعتیں ہو چکی تھیں، وہ پیر کا دن تھا اور اس روز آنحضرتؐ کا قیام حضرت عائشہؓ کے گھر میں تھا، ویسے آپؐ کی علالت بارہ دن تک رہی۔

آپؐ کے غزوات

وہ غزوات جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ نفسِ نفیس حصّہ لیا تعداد میں ۱۶ ہیں لیکن بعض لوگوں نے ان کی تعداد سترہ بتائی ہے۔ ان میں سے پہلا غزوہ وہ تھا جس میں شرکت کے لیے آپ خیبر سے وادی قریٰ تشریف لے گئے تھے۔ جن لوگوں نے آپ کے غزوات کی مجموعی تعداد سترہ بتائی ہے وہ اس آخری غزوے کو بھی ان میں شامل کر لیتے ہیں جس میں آپ آخری بار شریک ہوئے تھے اور جسے وہ غزوۂ خیبر سے علیحدہ شمار کرتے ہیں۔ آپ کے غزوات کی مجموعی تعداد میں اختلاف کی یہی وجہ ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے فتح خیبر کے بعد آپؐ بہ نفسِ نفیس وادی قریٰ تک مدینے کو واپسی سے قبل تشریف لے گئے تھے۔

ترتیبِ غزوات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا غزوہ وہ غزوہ ہے جس میں آپ شرکت کے لیے بنفسِ نفیس مدینے سے وہاں تشریف لے گئے تھے۔ یہ غزوہ غزوۂ ابواء کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے بعد غزوۂ بُواط ہے جو اطراف رضویٰ میں

پیش آیا۔ پھر غزوۂ عشیرہ جو ینبع کے میدان میں ہوا۔ چوتھا غزوہ بدر کا پہلا غزوہ ہے جو کرز بن جابر کی چھیڑ چھاڑ کی وجہ سے پیش آیا تھا۔ اس کے بعد بدر کا وہ عظیم غزوہ آتا ہے جس میں قریش کے بڑے بڑے سردار، زعماء اور معزز لوگ قتل ہو گئے تھے۔ اس کے بعد غزوۂ بنی سلیم ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنی سلیم کے "آب کُدر" تک جا پہنچے تھے۔ اس کے بعد غزوہ سویق جو ابوسفیان بن حرب کی تلاش کے لیے پیش آیا، اس غزوے میں آپؐ ابوسفیان کا تعاقب کرتے ہوئے اس جگہ تک تشریف لے گئے تھے جو قرقرۂ کُدر کے نام سے مشہور ہے۔ پھر نجد کی طرف غزوۂ غطفان آتا ہے، یہ غزوہ عموماً غزوۂ ذی امر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ پھر غزوۂ بحران ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جو حجاز کے بالائی حصے میں واقع ہے۔ اس کے بعد غزوۂ اُحد ہے، پھر غزوۂ حمراء الاسد ہے۔ اس کے بعد ترتیب کی حیثیت سے وہ غزوہ ہے جسے غزوۂ بنی نضیر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد ترتیب کے لحاظ سے نجد کا غزوۂ ذات الرقاع ہے۔ اس کے بعد بدر کا آخری غزوہ آتا ہے۔ اس کے بعد غزوۂ دومۃ الجندل ہے، پھر غزوۂ مریسیع ہے۔ اس کے بعد غزوۂ خندق آتا ہے، پھر یکے بعد دیگرے علی الترتیب غزوۂ بنی قُریظہ اور غزوۂ بنی لحیان بن ہذیل بن مدرکہ آتے ہیں۔ پھر غزوۂ ذی قَرد ہے۔ پھر خزاعہ کے ساتھ غزوہ بنی مصطلق ہے۔ اس کے بعد غزوۂ حدیبیہ ہے جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنگ کے ارادے سے تشریف نہیں لے گئے تھے لیکن جہاں مشرکین آپؐ کے سدِّ راہ بن کر جنگ پہ آمادہ ہو گئے تھے۔ اس کے بعد علی الترتیب غزوہ خیبر آتا ہے جس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرۂ قضا ادا فرمایا اور اسی کے بعد مکہ فتح ہوا۔ اس کے بعد غزوۂ حنین ہے، پھر غزوۂ طائف ہے۔ اور آخری غزوہ غزوۂ تبوک ہے۔

غزوات کے بارے میں واقدی کی رائے

مسطورِ بالا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ ابن اسحٰق کے بیان کے مطابق ہے نیز واقدی آپؐ کے ان غزوات کے بارے میں جن میں آپؐ نے باقاعدہ جنگ کی ابن اسحٰق کے بیان سے متفق ہے اور یہ دونوں ان غزوات کی مجموعی تعداد نو بتاتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ آپؐ نے غزوۂ وادی قریٰ میں بھی باقاعدہ جنگ کی تھی جس میں مشرکین کے چھ افراد قتل ہوئے تھے جن میں محرز بن نضلہ شامل تھا۔ اس کے علاوہ واقدی کے بقول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یوم غابہ میں بھی باقاعدہ نبرد آزما ہوئے تھے۔ اس طرح

آپؐ کے ایسے غزوات کی تعداد جن میں آپؐ باقاعدہ نبرد آزما ہوئے تھے گیارہ بتاتا ہے۔ بہرکیف واقدی اور ابن اسحاق دونوں لوگ تعداد پر متفق الرائے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ آپؐ کا پہلا غزوہ ذات العشیرہ تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسفار و بعوث

آپؐ کے اسفار و بعوث کی تعداد کے بارے میں لوگ مختلف الرائے ہیں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ مدینے میں تشریف آوری اور وفات کے درمیان آپؐ نے جو سفر فرمائے ان کی مجموعی تعداد ۴۸ ہے جب کہ بعض لوگ ان کی تعداد صرف ۶۶ بتاتے ہیں۔

آنحضرتؐ کے زمانے کے مشہور واقعات

جیسا کہ زیر نظر باب کی سطور بالا میں ہم ابن عباسؓ کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں وفات کے وقت آپؐ کی عمر شریف ۶۳ سال تھی اور اس رائے سے کسی نے اختلاف نہیں کیا کہ حضرت فاطمہؓ کی وفات آپؐ کی وفات کے ۷۰ روز بعد بتاتے ہیں جب کہ بعض لوگ اس رائے سے اختلاف بھی کرتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فاطمہ رضی اللہ عنہا کا عقد ہجرت کے ایک سال بعد ہوا تاہم بعض لوگ اس سے کچھ کم یعنی کچھ پہلے بتاتے ہیں۔

سب سے پہلے جو خاتون آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مناکحت میں آئیں وہ حضرت خدیجہؓ بنت خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصیٰ تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی وفات آنحضرتؐ کی بعثت کے قریباً تین سال بعد شوال کے مہینے میں ہوئی۔ تاہم ان کا آپؐ کے ساتھ رہنا اس وقت تک یقینی ہے جب آپؐ کی عمر شریف اکتالیس سال آٹھ مہینے اور بیس دن ہو گئی تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کی وفات جن کا اصل نام عبد مناف بن عبد المطلب تھا حضرت خدیجہؓ کی وفات کے تین روز بعد ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر انچاس سال آٹھ مہینے تھی۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان کا اصلی نام ابو طالب ہی تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد سودہ بنت زمعہ بن قیس بن عبد ود ابن نضر بن مالک بن حسل سے شادی کی۔ حضرت عائشہؓ سے آپؐ کا نکاح ہجرت سے دو سال قبل ہو گیا تھا لیکن رخصتی ہجرت کے سات مہینے نو دن بعد ہوئی تھی۔ ہم چونکہ جملہ امہات المومنین کا ذکر اپنی کتاب "کتاب الاوسط" میں کر چکے ہیں اس لیے یہاں اس کا اعادہ

ضروری نہیں سمجھا گیا۔

جعفر بن محمد اپنے والد محمد بن علی اور اپنے دادا علی بن حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تادیب اللہ تعالیٰ نے بہترین طریقے پر فرمائی تھی اسی لیے آپؐ کے جملہ احکام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر مبنی تھے، آپؐ نے جاہلوں سے کنارہ کشی کا حکم بھی دیا۔ چنانچہ آپؐ کے انہیں اوصاف حسنہ کی بناء پر اللہ نے قرآن میں آپؐ کے متعلق فرمایا: "اِنّکَ لعلیٰ خلقٍ عظیم" اس سے قبل اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو یہ حکم دیا تھا: "وَمَا آتٰکم الرّسولُ فخذوہ وما نھاکم فانتھوا" یعنی رسول تمہیں جس بات کا حکم دے اس پر عمل کرو اور جس بات کی ممانعت کرے اس سے دور رہو۔ آپؐ نے اسی لیے اللہ تعالیٰ کو ایسے لوگوں کے لیے جنت کا ضامن ٹھہرایا تھا جو آپؐ کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جائز بھی تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پندرہ بیویاں تھیں لیکن آپؐ نے صرف گیارہ سے خلوت کی۔ آپؐ کی وفات کے وقت آپؐ کی نو بیویاں زندہ تھیں۔

آنحضرتؐ کی عمر کے بارے میں اختلاف آراء

لوگ آپؐ کی عمر شریف کے بارے میں مختلف الرائے ہیں۔ ہم اس سلسلے میں ابن عباسؓ کی روایت پہلے پیش کر چکے ہیں۔ یہی حماد بن سلمہ نے علی الترتیب ابی حمزہ اور ابن عباس کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ ابن عباس کی طرح ابوہریرہؓ کی روایت بھی اس بارے میں یہی ہے البتہ یحییٰ بن سعید کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے سعید بن مسیب سے سُن کر یہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ۴۳ سال کی عمر میں قرآن نازل ہوا، آپؐ مکے میں دس سال اور مدینے میں بھی دس سال قیام فرما رہے اور آپؐ کی وفات ۶۳ سال کی عمر میں ہوئی۔

اس سلسلے میں حضرت عائشہؓ کی روایت یہ ہے کہ آپؐ کی وفات ۶۳ سال کی عمر میں ہوئی۔

تاہم ابن عباسؓ کے حوالے سے جنہوں نے آخر عمر تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف پایا تھا کچھ لوگ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ آپؐ نے ۶۵ سال کی عمر میں وفات پائی۔ اسی طرح ابن ہشام راوی ہیں: "ہم سے علی بن زید نے علی الترتیب یوسف بن مہران اور ابن عباس کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۶۵ سال کی عمر پائی۔" یہی بات قتادہ نے علی الترتیب حسن اور دغفل یعنی ابن حنظلہ کے حوالے سے بیان کی ہے کچھ لوگ

یہ بھی کہتے ہیں کہ آپؐ نے ساٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔ یہ لوگ بھی حضرت عائشہؓ، ابن عباسؓ، اور عروہ بن زبیر کا حوالہ دیتے ہیں۔ حماد کا بیان یہ ہے "ہم سے عمرو بن دینار نے عروہ بن زبیر کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت چالیس سال کی عمر میں اور وفات ساٹھ سال کی عمر میں ہوئی۔ اسی طرح شیبان نے یحییٰ بن ابی کثیر اور ابی سلمہ کے حوالے سے یہ بیان کیا ہے کہ آخر الذکر اور ابن عباسؓ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ بعثت کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف چالیس سال تھی، اس کے بعد آپؐ نے مکّے میں دس سال قیام فرمایا اور ہجرت کے بعد مدینے میں بھی دس سال قیام فرما رہے اور ساٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اور آپؐ کی تجہیز وتکفین

ہم نے اس موضوع کے بارے میں اپنی زیرِ نظر کتاب کے برعکس یہ اصول برتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اور تجہیز وتکفین کے بارے میں اہل خبر نے جو کچھ کہا ہے اس سے قطعاً صرف نظر نہ کیا جائے بلکہ قابل قبول کی حد تک اُسے من وعن بیان کر دیا جائے۔ تاہم ہم نے اس سلسلے میں بھی طول کلام سے احتراز کیا ہے۔ البتہ جو کچھ کہا ہے اس میں اہل بیت علیہ السلام کے اقوال پر پورا پورا بھروسہ کیا ہے۔ انھیں کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ۶۳ سال کی عمر میں ہوئی۔

غسل کے بعد آپ کو حسب معمول تین کپڑوں میں کفنایا گیا اور آپ کے جنازے پر ایک چادر کا اضافہ کیا گیا۔ آپؐ کو قبر میں حضرت علیؓ اور فضل نے اتارا اور عباس کے دو بیٹوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام شقران نے آپ کے مزار مبارک کو پاٹا اور اسے مٹی ڈال کر برابر کیا۔

کچھ ان کپڑوں کے بارے میں جن میں آپؐ کو کفنایا گیا مختلف الرائے ہیں، واللہ اعلم بالصواب۔

اب ہم ان امور کا ذکر کریں گے جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے لے کر آپ کی وفات تک وقوع پذیر ہوئے۔

باب (۳۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے وفات تک وقوع پذیر اہم امور

افتتاحیہ ہم پچھلے صفحات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت، ہجرت اور وفات کے حالات اجمالاً بیان کر چکے ہیں جو ایک صاحب بصیرت عالم اور کسی طالب رشد و ہدایت کے لیے کافی ہے، تاہم زیر نظر باب میں تفصیل کے ساتھ آپ کی ولادت سے وفات تک حالات کا سال بہ سال ترتیب وار ذکر کریں گے نیز وہ حالات و کوائف بھی بیان کریں گے جو آپ کو سنین کے لحاظ سے بالترتیب پیش آئے تاکہ دوسرے لوگ بھی ان سے بآسانی اخذ نتائج کر سکیں، اس طرح ہمارے نزدیک یہ کتاب شرح و بسط کے اعتبار سے بھی مکمل کہلا سکے گی، انشاء اللہ۔

آنحضرتؐ کی ولادت کا پہلا سال آپؐ کی ولادت کے پہلے ہی سال آپؐ کو دودھ پلانے کے لیے حلیمہ بنت عبداللہ بن حارث بن شجنہ بن جابر بن رزام بن ناصر ابن سعد بن بکر بن ہوازن بن منصور بن عکرمہ بن خصفہ ابن قیس عیلان بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان کے سپرد کیا گیا۔

آپؐ کی ولادت کا پانچواں سال آپؐ کی ولادت کے پانچویں سال جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں حلیمہ (سعدیہ) نے آپؐ کو واپس لا کر آپؐ کی والدہ مکرمہ کے حوالے کر دیا۔

ولادت کا چھٹا سال آپؐ کی ولادت کے چھٹے سال آپؐ کی والدہ ماجدہ آپؐ کو ساتھ لے کر آپؐ کے ماموؤں یعنی اپنے بھائیوں سے ملنے تشریف لے گئی تھیں کہ واپسی کے وقت کے اور مدینے کے درمیان اپنے اجداد کی

سرزمین ہی میں انہوں نے وفات پائی۔ اس وقت آپؐ کو اُمِّ ایمن کی سپردگی میں دیا گیا جو آپؐ کی والدہ ماجدہ کی کنیز تھیں اور اب وراثتہً آپؐ کی کنیز ہو گئی تھیں۔

آپؐ کا سفر شام

نو سال کی عمر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابو طالب کے ہمراہ پہلی بار شام کے سفر پر روانہ ہوئے تھے، ویسے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپؐ کی عمر شریف اس وقت تیرہ سال تھی۔ ابو طالب آپؐ کے والد ماجد حضرت عبد اللہ کے بھائی تھے، لیکن چونکہ وہ آپؐ کی والدہ ماجدہ کے بھی رشتے دار ہوتے تھے لہٰذا اسی وجہ سے آپ کی کفالت کی ذمہ داری ان کے دوسرے بھائیوں عباس، حمزہ، زبیر، حجل، ضرار، مقوم، حارث اور ابولہب سے زیادہ انہیں پر تھی حالانکہ مذکورہ بالا دوسرے لوگ بھی آپؐ کے سگے چچا اور عبد المطلب کے بیٹے تھے۔ حضرت عبد المطلب کی سولہ اولادوں میں سے دس تو لڑکے تھے جن کے نام ہم پہلے لکھ چکے ہیں اور سات لڑکیاں تھیں جن کے نام یہ ہیں: عاتکہ، صفیہ، اُمیمہ، بیضاء، برّہ اور اروی ان چھ لڑکیوں میں سے حضرت زبیرؓ بن عوام کی والدہ صفیہ کے علاوہ کوئی دوسری لڑکی مسلمان نہیں ہوئی تھی، البتہ اروی کے بارے میں لوگ اختلاف کرتے ہیں، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وہ مسلمان ہو گئی تھیں جب کہ بعض لوگ اس کے برعکس رائے رکھتے ہیں۔

بہر حال اس سال جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابو طالب کے ہمراہ شام تشریف لے گئے تھے تو بحیرا راہب نے آپؐ کو دیکھ کر آپؐ کی رسالت کی پیشگوئی کی تھی حالانکہ وہ اسلام کے دشمنوں میں سمجھا جاتا تھا، ہم بحیرا راہب اور آپؐ کے سفر کا حال مختصر طور پر پہلے بیان کر چکے ہیں جو حضرت مسیح علیہ السلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیانی زمانے میں اہل فترہ کے ذکر کے ساتھ ضمنی طور پر آ گیا تھا۔

جنگِ فجّار کا مشاہدہ

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگِ فجار بچشم خود ملاحظہ فرمائی تھی جب کہ آپؐ کی عمر شریف گیارہ سال تھی۔ یہ جنگ قریش اور قیس عیلان کے درمیان ہوئی تھی۔ اس جنگ کا نام جنگ فجار اس لیے پڑ گیا ہے کہ یہ لڑائی محرم الحرام کے مہینے اور خانہ کعبہ کے گرد و پیش اور اس کی حدود میں ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جنگ کا مشاہدہ فرمایا تھا جس میں ایک طرف قریش اور دوسری طرف جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا قیس عیلان تھے جب کہ فتح قریش کو ہوئی تھی۔ قریش کی طرف سے اس جنگ کی کمان عبد اللہ بن جُدعان تیمی کر رہا تھا جو ان دو بڑے وسیلوں میں مالِ تجارت

کی فروخت کیا کرتا تھا۔ بہرکیف جب مذکورہ بالا دونوں فریقوں میں صلح ہوگئی اور وہ بھی آپؐ ہی کے درمیان میں آجانے کی وجہ سے تو اسے بھی آپؐ کی رسالت کی ایک بیّن دلیل سمجھا گیا تھا۔

آپؐ کی ولادت کا چھبیسواں سال آپؐ کی عمر شریف اس وقت چھبیس سال تھی جب حضرت خدیجہؓ سے آپ کا عقد ہوا۔ اس وقت حضرت خدیجہ رضؓ کی عمر چالیس سال تھی جب کہ کچھ لوگ اس سے اختلاف رائے رکھتے ہیں۔

آنحضرتؐ کی ولادت کا چھتیسواں سال آپ کی ولادت کے چھتیسویں سال قریش نے خانہ کعبہ کو از سرِ نو تعمیر کیا اور اس میں حجرِ اسود نصب کیا گیا جس کا حال ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

آپؐ کی ولادت کا اکتالیسواں سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف چالیس سال ہو چکی تھی اور آپؐ کی ولادت مبارک کا اکتالیسواں سال شروع تھا جب اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو نبوت سے سرفراز فرمایا۔ یہ پیر کا دن تھا اور ماہِ ربیع الاوّل کی بارہ تاریخ تھی۔ تاہم جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کچھ لوگوں کو اس سے اختلاف بھی ہے۔

چھیالیسواں سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا چھیالیسواں سال تھا جب قریش نے آپؐ کو بلکہ جملہ بنی ہاشم و بنی عبدالمطلب کو مکے کے قریب ایک پہاڑ کی گھاٹی تک محدود رہنے پر مجبور کر دیا تھا اور اس جگہ کو محصور بھی کر لیا تھا۔

پچاسواں سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف پچاس سال ہو چکی جب آپ اور جملہ بنی ہاشم و بنی عبدالمطلب مذکورہ پہاڑ کی گھاٹی سے نکل کر مکے میں واپس آئے۔ اسی سال حضرت خدیجہؓ کی وفات ہوئی اور جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں آپؐ مکے سے طائف تشریف لے گئے تھے۔

اکیاونواں سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عمر شریف کے اکیاونویں سال قرآن شریف کے مطابق مسجدِ حرام سے بیت المقدس تشریف لے گئے۔ (یعنی اس سال کی ایک شب میں آپؐ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے شرفِ معراج سے سرفراز فرمایا گیا۔)

چونواں سال اپنی ولادت کے چونویں سال سرکارِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے

مکے سے مدینے ہجرت فرمائی اور وہاں مسجد نبوی تعمیر فرمائی اور اسی سال حضرت عائشہؓ جن سے آپ کا عقد مکے میں ہوچکا تھا، اپنے باپ کے ہاں سے رخصت ہو کر آپؐ کے خانہ مبارک میں داخل ہوئیں جب کہ ان کی عمر نو سال تھی۔ یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی عمر آپؐ سے نکاح کے وقت چھ سال تھی نیز یہ کہ مسجد نبوی آپؐ نے ہجرت کے سات مہینے بعد تعمیر فرمائی تھی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی (عائشہؓ کی) عمر اٹھارہ سال تھی اور آپؐ کی عمر شریف ہجرت کے وقت پچاس سال تھی۔ وہ یہ بھی ارشاد فرماتی ہیں کہ معاویہؓ کے زمانے میں ابوہریرہؓ نے آپؐ پر درود بھیجا تھا جب کہ اُن کی عمر کا سترواں سال تھا نیز یہ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کا حکم دیا تو ان کی عمر (یعنی عائشہؓ کی عمر) سترہ سال تھی۔ عبداللہ بن زید کے قول کے مطابق انھیں یعنی عبداللہ بن زید کو خواب میں کیفیت اذان کا پتہ چلا تھا نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کے مطابق ان کی اپنی عمر کے سترھویں سال حضرت علی رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی ہوئی تھی۔ ان کی شادی کی تاریخوں میں اختلافات کے متعلق ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

ہجرت کا دوسرا سال

ہجرت کے دوسرے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے حکم سے مسلمانوں پر رمضان کے روزے فرض ہوئے اور اسی سال بیت المقدس سے نماز کا رُخ فرمانِ نبیؐ کے مطابق خانہ کعبہ کی طرف کر دیا گیا۔ اسی سال آپؐ کی بیٹی رقیہ کی وفات ہوئی۔ اور اسی سال حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جناب سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی ہوئی، نیز اسی سال بدر کا واقعہ پیش آیا وہ جمعہ کا دن تھا اور ماہِ رمضان کی سترہ راتیں گزر چکی تھیں۔

ہجرت کا تیسرا سال

ہجرت کے تیسرے سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمّ المومنین حضرت زینبؓ سے شادی کی لیکن صرف دو مہینے بعد وہ وفات پا گئیں۔ پھر اسی سال آپؐ نے حضرت حفصہؓ بنت عمر بن خطابؓ سے شادی کی اور اس سال آپ کی بیٹی اُم کلثوم سے حضرت عثمانؓ بن عفان کی شادی ہوئی۔ پھر اسی سال حضرت حسن ابن علی بن ابوطالب پیدا ہوئے۔ ان کی تاریخ پیدائش کے بارے میں لوگ مختلف الرائے ہیں۔ اسی سال غزوۂ اُحد پیش آیا جس میں حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب شہید ہوئے۔

ہجرت کا چوتھا سال اس سال مشہور غزوہ ذات الرقاع پیش آیا اور اسی سال آپؐ نے لوگوں کو ساتھ لے کر "صلاۃ الخوف" ادا فرمائی۔ جس کی تاریخ کے متعلق لوگوں میں اختلاف آراء پایا جاتا ہے۔ اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سلمہ بنت ابی اُمیہ سے شادی کی۔ اسی سال بنی نضیر کے یہود کے ساتھ وہ غزوہ پیش آیا تھا جس میں انہیں قلعہ تعمیر کرنے سے روک دیا گیا تھا اور ان کے درخت وغیرہ کاٹ دیے گئے تھے۔ اور ان میں آگ لگا دی گئی تھی جسے دیکھ کر وہ صلح پر آمادہ ہو گئے تھے۔ اسی سال بنی مصطلق کا غزوہ پیش آیا تھا اور ہجرت کے اسی چوتھے سال حضرت امام حسین ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہجرت سے آٹھ سال قبل پیدا ہوئی تھیں۔

ہجرت کا پانچواں سال ہجرت کے پانچویں سال غزوۂ خندق کا واقعہ پیش آیا جس میں مدینے کے گرد، خندق کھودی گئی تھی۔ اسی سال بنی قریظہ کے یہودیوں کے ساتھ ایک غزوہ پیش آیا تھا جو ایک مہینے تک ٹھہر ٹھہر کر جاری رہا تھا۔ اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب بنت جحش سے شادی کی تھی اور اسی سال اہل اِفک نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر الزام عائد کیا تھا۔

ہجرت کا چھٹا سال اس سال جب لوگ قحط آب کے عذاب میں مبتلا ہو گئے تھے اور سخت تکلیف میں مبتلا تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائے استسقاء فرمائی تھی اور اسی سال آپؐ نے وہ عمرہ ادا فرمایا تھا جو عمرۂ حدیبیہ کے نام سے مشہور ہے اور اسی میں مشرکین سے صلح نامہ مرتب ہوا تھا۔ اسی سال آپؐ نے باغِ فدک لیا تھا اور اُمِ حبیبہؓ بنت ابی سفیان سے عقد کیا تھا۔ اسی سال آپؐ نے قیصر و کسریٰ کے پاس سفیر روانہ فرمائے تھے جن کو دیے جانے والے خطوط کی کتابت جُوَیریہ بنت حارث نے کی تھی اور اسی سے خوش ہو کر آپؐ نے انہیں اپنے سلسلۂ مناکحت میں لے لیا۔

ہجرت کا ساتواں سال ہجرت کے ساتویں سال غزوۂ خیبر پیش آیا تھا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح حاصل ہوئی۔ اسی دوران میں صفیہ بنت حُیی بن اخطب نے آپ کی جان لینے کی کوشش کی تھی، اسی سال آپؐ نے جب کہ آپ عمرۂ قضا کے لیے تشریف لے گئے تھے، عبد اللہ بن عباس کی خالہ میمونہ بنت حارث ہلالیہ سے عقد کیا تھا۔ آپؐ کے اسی نکاح سے لوگوں میں یہ اختلاف پیدا ہوا اور فقہائے اسلام اس کے متعلق مختلف الرائے ہوئے کہ احرام

باندھنے کے بعد نکاح جائز ہے یا نہیں؟ اسی سال بادشاہ مصر مقوقس کی جانب سے حاطب بن ابی بلتعہ تحائف لے کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور ان کے ہمراہ ماریہ قبطیہ بھی آئی تھیں جن کے ساتھ آپؐ نے عقد کر لیا تھا اور انہیں کے بطن سے فرزند رسولؐ ابراہیم پیدا ہوئے تھے۔ اسی سال جعفر بن ابی طالب اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ حبشہ سے واپس آئے تھے اور انہیں کے ہمراہ وہ سب مسلمان جو حبشہ میں باقی رہ گئے تھے۔

ہجرت کا آٹھواں سال

ہجرت کے آٹھویں سال شام کی سرزمین بلقاء میں مُوتہ کے مقام پر جو اس وقت دمشق کے ماتحت تھا جعفر بن ابی طالب، زیدؓ بن حارثہ اور عبداللہ بن رواحہؓ نے رومیوں سے جنگ کرتے ہوئے شہادت پائی تھی۔ اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی زینب نے وفات پائی تھی، البتہ ان کی تاریخ وفات کے متعلق مورخین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

فتح مکہ

ہجرت کے آٹھویں ہی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں مکہ فتح ہوا۔ البتہ اس کے متعلق لوگوں میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے کہ اسے بزور شمشیر فتح کیا گیا تھا یا مشرکین مکہ نے صلح نامے کے بعد ہتھیار ڈالے تھے۔ بہرکیف اس فتح کے بعد بہت سے بتوں کے ساتھ عُزّیٰ بھی توڑ دیا گیا تھا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش مکہ سے خطاب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا: "اے قریش! اب جب کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں میرے قبضے میں دے دیا ہے تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" اور قریش نے جواب دیا تھا: "آپؐ ہمارے اہل کرم بھائی اور اہل کرم بھائی کے بیٹے ہیں، اس لیے ہم آپؐ سے کرم ہی کی امید رکھتے ہیں۔" اس پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا:- "جاؤ تم سب آزاد ہو۔" اسی سال غزوہ حنین ہوا تھا جس میں ہوازن کی طرف سے مالک بن عوف نصری اور دُرید بن صمّہ شریک تھے اور ان کی کمان مالک بن عوف کر رہا تھا۔ اسی سال غزوہ طائف پیش آیا تھا جہاں آپ صرف تالیف قلوب کے لیے تشریف لے گئے تھے اور وہیں ابوسفیان بن حرب اور اس کا بیٹا معاویہ مسلمان ہوئے تھے نیز اسی سال ماریہ قبطیہ کے بطن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے ابراہیم پیدا ہوئے تھے۔

ہجرت کا نواں سال

ہجرت کے نویں سال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دوسرے لوگوں کے ہمراہ مکے جا کر فریضہ حج ادا فرمایا اور اسی دوران میں

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قرآن کی سورت براۃ تلاوت فرمائی تھی اور یہ حکم بھی دیا تھا کہ کوئی مشرک حج میں شریک نہیں ہو سکتا نیز یہ کہ عریانی کی حالت میں حج بیت اللہ جائز نہیں ہے۔ اس سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی اُمّ کلثوم کی وفات ہوئی۔

ہجرت کا دسواں سال

ہجرت کے دسویں سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع ادا فرمایا اور وہاں یہ ارشاد فرمایا کہ زمانہ گردش کرتا رہتا ہے البتہ اس کی ہیئت اس وقت تک وہی تھی جو اس وقت تھی جب اللہ تعالےٰ نے زمین و آسمان کو تخلیق فرمایا تھا۔ اسی سال آپؐ کے فرزند ابراہیم نے ایک سال دس مہینے اور آٹھ دن کی عمر میں وفات پائی اگرچہ اس تاریخ کے متعلق مؤرخین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اسی سال آپؐ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یمن روانہ فرمایا تھا اور انھیں خود اپنی طرح احرام باندھنے کی ہدایت فرمائی تھی۔

ہجرت کا گیارہواں سال

ہجرت کے گیارہویں سال حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی جس کا مختصر ذکر ہم زیر نظر باب سے قبل کر چکے ہیں اور یہ بھی بتا چکے ہیں کہ اس وقت آپ کی عمر شریف کیا تھی اور یہ بھی لکھ چکے ہیں کہ آپؐ کی وفات کے دن اور تاریخ کے متعلق لوگوں میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ اسی سال بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہؓ نے وفات پائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ان کی وفات کے دن، تاریخ اور وفات کے وقت ان کی عمر کے بارے میں بھی لوگ مختلف الرائے ہیں اور یہ کہ وہ آپؐ کی وفات کے بعد کتنے عرصے تک بقید حیات رہیں۔ البتہ اس بات پر سب متفق ہیں کہ ان کی وفات کے وقت نہ صرف ان کے بچے بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شدید ترین گریہ وزاری میں مصروف رہے تھے اور انہوں نے بطور مرثیہ یہ اشعار کہے تھے :۔

"تمام دوستوں کا جُدا ہونا فطری ہے لیکن موت کے سوا ایسا کم ہی ہوتا ہے
احمدؐ کے بعد فاطمہؓ کی جُدائی، اس بات کی دلیل ہے کہ دوست ہمیشہ ساتھ نہیں رہتے"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد

ابراہیم کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری اولاد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ کے بطن سے ہوئی۔ ان میں قاسم سب سے بڑے تھے جو صغر سنی ہی میں وفات پا گئے تھے، ان کے علاوہ رقیہ اور اُمّ کلثوم بھی آپ کی بیٹیاں تھیں جن سے حضرت عثمانؓ بن عفان رضی اللہ عنہ نے یکے بعد

دیگرے شادی کی تھی۔ لیکن وہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہروں عتبہ اور عتیبہ کے صلب سے تھیں جو دونوں ابی لہب کے بیٹے تھے۔ وہ ان سے طلاق کے بعد آپؐ کے نکاح میں آئی تھیں۔ ان کی ایک بیٹی زینب بھی تھیں جو ظہور اسلام سے قبل ابوالعاص ابن ربیع کی بیوی تھیں اور وہ بھی حضرت خدیجہؓ کے ایک پہلے شوہر سے تھیں جو ان کے بطن سے پیدا ہوئی تھیں۔ ابوالعاص بن ربیع اور زینبؓ میں مفارقت کی وجہ اوّل الذکر کا اسلام نہ لانا اور آخر الذکر کا اسلام قبول کرنا تھی۔ البتہ یہ بات اہل علم کے نزدیک متنازعہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی العاص کے اسلام لانے کے بعد ان سے زینبؓ کا نکاح کر کے یا پہلے ہی نکاح کے تحت ان کی زوجیت میں رہنے دیا تھا یا نہیں؟۔
ابوالعاص کی ایک بیٹی امامہ بھی تھیں جن سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد نکاح کیا تھا۔ نبی کریم کی بعثت کے بعد آپؐ کی جو اولاد ہوئی ان میں پہلے عبداللہ تھے اس نام کے علاوہ ان کے دو نام طیّب اور طاہر بھی تھے۔ ان کے ان تین ناموں کی وجہ یہ تھی کہ وہ ظہورِ اسلام کے بعد پیدا ہوئے تھے۔ ان کے علاوہ آپؐ کی اولاد میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ابراہیم تھے۔

ہم نے اپنی دو پچھلی کتابوں اخبار الزمان اور کتاب الاوسط میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے بعثت تک اور بعثت سے ہجرت اور ہجرت سے آپؐ کی وفات تک جملہ حالات کافی تفصیل کے ساتھ قلم بند کر دیے ہیں اور مذکورہ کتابوں میں آپؐ کی وفات کے بعد سے آج تک یعنی ۳۳۲ھ ہجری تک جو حالات وقوع پذیر ہوئے وہ بھی بیان کر دیے ہیں البتہ ہم انھیں زیر نظر کتاب میں آگے چل کر کسی قدر تفصیل سے بیان کریں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

باب (۴۰)

آنحضرتؐ کی زبان مبارک سے ادا شدہ کلام جس کی مثال دنیائے علم و حکمت پیش کرنے سے قاصر ہے

★

افتتاحیہ اللہ تعالٰے نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری کائنات کے لیے رحمت بنا کر مبعوث فرمایا، آپ کو ساری دنیا کے لیے مبشر بنایا جس کے لیے آیات قرآنی میں بیّن دلائل پیش کیے، آپ پر قرآن نازل فرمایا جو اپنی جگہ آپ کا سب سے بڑا معجزہ ہے۔ قرآن میں نوع انسانی کو آپؐ کے ذریعہ جس فصیح و بلیغ انداز میں ہدایت دی گئی اس کا عبارت کے لحاظ سے بھی جو مصفیٰ بھی ہے اور مسجع بھی کوئی جواب نہیں ہو سکتا۔ اس میں خطابت بھی ہے اور علم و حکمت بھی۔ تہدید بھی ہے اور وعدہ وعید بھی، برائیوں کو بُرا بتایا گیا ہے اور خوبیوں کو سراہا گیا ہے۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کلام نے جو بصورت وحی الٰہی آپؐ کی زبانِ مبارک سے ادا ہوا، تمام لایعنی لاف زنی، خطابت و شاعری اور دیانات کے دعاوی ختم کر دیے۔ اہل عرب اور ان کے حوالے سے ساری دنیا کو قبیح افعال و اعمال سے روکا گیا، اعمال خیر کی حوصلہ افزائی کی گئی اور ان کے لیے بہترین جزا کی بشارت دی گئی۔ ایسا کلام آپ سے پہلے نبی نوع انسان کے کسی فرد کے ذہن میں محفوظ تھا نہ اس کی مثال پیش کی جا سکتی ہے۔ اسی وجہ سے خالق کائنات جل شانہ نے عربی زبان پر قدرت رکھنے والوں سے فرمایا کہ تم ہو سکے تو اس جیسی ایک دو آیات ہی پیش کرو اور چاہو تو دوسروں سے مدد بھی لے لو لیکن تم ایسا ہرگز نہیں کر سکتے اور واقعتہً آج تک دنیا کے علم و حکمت بہر لحاظ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے حالانکہ وہ روشن ترین فصیح عربی ہے۔

قرآن کے بارے میں دُنیا کے کچھ لوگ مختلف الرائے ہیں لیکن ہم یہاں اس پر بحث نہیں کرنا چاہتے کیونکہ ہماری زیر نظر کتاب کا موضوع تاریخ ہے نہ کہ بحث و نظر۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو منجانب اللہ عطائے حکمت

آپ کی ذات پاک میں بعثت کے بعد انبیاء علیہم السلام کی جملہ علمی وراثت جمع ہو گئی تھی لیکن آپ کی ذات قدسی صفات سے اس سے قبل بھی جو باتیں ظہور میں آئیں وہ بھی آپؐ کی رسالت اور اس کی صداقت کا بیّن ثبوت تھیں جن پر بعد بعثت اہل علم و نظر کو غور کرنے کا موقع ملا۔ اس وقت آپؐ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو معجزات ظہور پذیر ہوئے انہوں نے بھی آپؐ کی رسالت و نبوّت پر مہر تصدیق ثبت کر دی جو خداوند کریم کی طرف سے خلق اللہ کے لیے آپؐ کی رسالت کی نشانیاں تھیں۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا "مجھے اللہ تعالےٰ نے کلام بالا تمام اور اس کی جملہ خوبیاں عطا فرمائی ہیں" لیکن اس کے ساتھ آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ "کلام الٰہی کے علاوہ علم و حکمت کے سلسلے میں میری زبان سے جو کچھ نکلے اسے مختصر طور پر بیان کیا کرو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ماسوائے چند دیگر ہدایات آپؐ کا جملہ کلام الٰہی ہے جو اپنی جگہ خود علم و حکمت کا خزانہ ہے اور اللہ تعالےٰ نے آپ کو جو کچھ عطا فرمایا ہے اس کا اختصار بھی اپنی جگہ اتمام ہے یعنی معجزہ بلاغت ہے جس کے معنی "کم الفاظ میں معانی کثیر" ہوتے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ادا شدہ ایک ایک لفظ اس کی صداقت کا شاہد عادل ہے۔

آپؐ کا اعجاز کلام

ایک بار جب آپؐ نے قبائل مکہ کے سامنے اپنی ذات والاصفات کو پیش کیا تو اس وقت آپ کے ہمراہ حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) اور حضرت علی (رضی اللہ عنہ) بھی تھے اور آپؐ بکر بن وائل کے قبیلے میں قیام فرما تھے۔ پہلے حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) ان لوگوں کے پاس گئے اور ان کے اور دغفل کے مابین جب گفتگو نے انساب کے سلسلے میں طول پکڑا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا "اَلْبَلَاءُ مُوَکَّلٌ بِالْمَنْطَقِ"۔ یعنی بعض باتیں مصیبت پر منتج ہوتی ہیں، مطلب یہ کہ زیادہ بحث و مباحثہ کا نتیجہ اچھا نہیں ہوتا۔ اسی طرح جنگ کے بارے میں آپ کا قول مبارک یہ ہے: "اَلْحَرْبُ خَدْعَةٌ" یعنی جنگ کا نتیجہ تباہی اور گریہ و زاری ہوتا ہے۔ آپؐ سے قبل جیسا کہ اہل علم جانتے ہیں۔ یہ معجز نما جملہ بنی نوع انسان میں سے کسی شخص کی زبان پر نہیں آیا تھا جس کی تصدیق جملہ صحیح الرائے اہل ریاست و سیاست آج تک

کرتے چلے آرہے ہیں۔

آپؑ نے ایک موقع پر فرمایا: "ہبہ کردہ شے میں سے واپس لینا ایسا ہے جیسا کہ کُل شے واپس لے لی گئی۔" اس کا مقصد یہ ہے کہ جب کوئی چیز ہبہ کر دی جائے تو اس میں سے تھوڑا حِصّہ واپس لیا جائے یا زیادہ، برابر ہے۔ یہ جملہ تنبیہی ہے جس میں خطابت و معانی کی ایک دُنیا آباد ہے اور صرف اسی ایک بات پر صدہا کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ہم نے آپؑ کے یہ اقوال یہاں اس لیے پیش کیے ہیں کہ آپؑ سے قبل دنیا میں کسی کی زبان پر یہ بے مثال الفاظ نہیں آئے۔

آپؑ کا ایک قول یہ بھی ہے کہ سطحِ ارضی پر مداحین کی مدح میں انہیں معذور سمجھو۔ اس بات[1] کا مقصد یہ ہے کہ ایک انسان جب کسی دُوسرے انسان کا شکریہ ادا کرتا ہے تو اس کے اسباب مختلف ہوتے ہیں لہٰذا تم اس کے اسباب میں ردو قدح نہ کیا کرو یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ممکن ہے اس کے علاوہ ان الفاظ کا کچھ اور مفہوم پیشِ نظر رکھا ہو۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ اسی جملے میں صدق و کذب کے بارے میں تنبیہ بھی موجود ہے۔ جہاں تک مدح کے بارے میں قرآن سے رجوع کیا جا سکتا ہے۔ وہ موقع وہ ہے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق فرمایا: "اَجْعَلْنِی عَلیٰ خزائن الارض انی حفیظ علیم" اس آیت میں خالق کائنات، قادرِ مطلق اور اس کے نبی حضرت یوسف علیہ السلام دونوں کی صفات یکجا موجود ہیں۔

ایک موقع پر آپؑ نے فرمایا: "ارتکاز مال وزر ظلم ہے، جو شخص اس فعل کے مرتکب کی اتباع کرتا ہے وہ بھی ظالم ہے[1]۔"

آپؑ نے یہ بھی فرمایا: "ارواح جنود در جنود ہیں، جو ان کی معرفت کا دعوےٰ کرے وہ بھی ضیاعِ وقت کا مرتکب ہے اور جو ان سے بے خبری پر اصرار کرے وہ بھی غلطی کا ارتکاب کرتا ہے (یعنی بے جا اختلافِ رائے کا شکار ہے) راس الحکمت معرفت الٰہی ہے[2]۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے بے شمار بے مثال اقوال میں سے چند درج ذیل ہیں۔

(۱) "اے اللہ کے بندو! میرے ہم رکاب رہو، میں تمہیں جنت کی بشارت دیتا ہوں (۲) ایک لمحہ ساری عمر پر حاوی ہے۔ (۳) دو حبشیوں میں رسہ کشی کبھی ختم نہیں ہوتی (۴) مومن ایک سوراخ

---

[1] ترجمۂ مفہومی (رشادانی)

[2] " " (")

سے دو مرتبہ نہیں کاٹا جاتا (۵) آدمی پر جو گزرتی ہے اس کے اپنے ہاتھوں گزرتی ہے (۶) دید و شنید برابر نہیں ہوتیں (۷) دُور آور وہ ہے جو کسی کے نفس پر غالب ہو (۸) میری اُمّت کے لیے بابرکت وقت ان کی صبحیں ہیں (۹) قوم کا ساقی وہ ہے جو سب سے آخر میں پیئے (یعنی اپنی پیاس سب سے آخر میں بجھائے (۱۰) مجالس کا انحصار امانتوں پر ہے (۱۱) ایک پہاڑ اگر دُوسرے پہاڑ پر چڑھ دوڑے تو ان میں سے جو بانی فساد و بغاوت ہوگا (لازماً) سطح ارضی کے برابر ہو جائے گا (۱۲) جس کی کوئی بیماری (بدی) طول پکڑے وہ اس سے اپنی ناک کٹوا کر مرے گا۔ (۱۳) میری کارِ خیر میں بھی امانت کو مالِ غنیمت اور زکات کو اپنے لیے جائز نہیں سمجھتی (۱۴) علم کو لکھ کر محفوظ کر لو (۱۵) بھلائی وُہ ہے جو چھپا کر کی جائے (۱۶) ایک مسلمان دُوسرے مسلمان کا آئینہ ہے (۱۷) بھلی بات کہنے والے پر اللہ رحم فرمائے کہ اس کے لیے یہی غنیمت ہے لیکن شر سے اجتناب کرنے والا مسلمان ہے (۱۸) مروت کے حق دار زیادہ تر اپنے بھائی ہوتے ہیں (۱۹) اُوپر کا ہاتھ نیچے کے (رکھے یعنی پھیلے ہوئے) ہاتھ سے بہتر ہے (۲۰) ترکِ شرک صدقہ ہے (۲۱) علمی فضیلت عبادت کی فضیلت سے بہتر ہے (۲۲) غنی وہ ہے جو دل کا غنی ہو یعنی "تونگری بدل است نہ بمال۔" (۲۳) اعمال نیّتوں پر منحصر ہیں (۲۴) اے مریفو بُخل سے اجتناب تمہاری دوا ہے (۲۵) حیا نیکیوں کا مجموعہ ہے (۲۶) بھلے لوگ بھلے لوگوں سے ملتے ہیں (۲۷) نیک بخت وہ ہے جو دوسروں سے عبرت پکڑے (۲۸) مومن اپنے ہاتھ کی کمائی کو حد سمجھتا ہے (۲۹) شعر میں حکمت اور بیان میں جادو ہوتا ہے (۳۰) بادشاہ کے لیے عفو میں اس کے مُلک کی بقا ہے (۳۱) اہل زمین پر رحم کرنے والوں پر خدا رحم کرتا ہے (۳۲) آدمی انہیں سے میل جول رکھتا ہے جنہیں وہ چاہتا ہے اور اسے وہی ملتا ہے جو وہ کماتا ہے (۳۳) وہ شخص ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بزرگوں کا حق نہ مانے (۳۴) شر سے اجتناب کرنے والا امن میں رہتا ہے (۳۵) جس کے قتل میں اس کی اپنی کوئی غرض حائل نہ ہو وہ شہید ہے (۳۶) مومن کے لیے جائز نہیں ہے کہ ان تین وجوہ کے بغیر اپنے بھائی کو چھوڑے (۱) عمل خیر کے لیے (۲) توبہ نہ کرے اور گناہوں پر نادم نہ ہو (۳) بھائی کا حق مارے اور اس پر ظلم بھی کرے (۳۷) ہر نیکی صدقہ کے برابر ہے (۳۸) جس نے انسان کا شکر ادا نہیں کیا اس نے گویا خدا کا شکر ادا نہیں کیا (۳۹) گمراہی کی تائید صرف گمراہ کرتا ہے (۴۰) کسی چیز کی (رہے جا) محبت آدمی کو اندھا اور بہرہ بنا دیتی ہے (۴۱) سفر ذہنی و جسمانی عذاب سے نجات کا ذریعہ ہے (۴۲) آپؐ نے انصار سے فرمایا: آپ لوگوں

نے طمع میں کمی اور نیکی میں زیادتی کی ہے (۴۳) مومن جملہ شرائط قبول کر سکتا ہے سوا اس کے کہ ان میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال سمجھانے پر اصرار کیا جائے (۴۴) "صدر ہر جا کہ نشیند صدر است" (۴۵) آدمی بجائے خود سونے چاندی کی کانوں کی طرح ایک کان ہے (۴۶) ظلم روز قیامت کی ظلمت ہے (۴۷) مصافحہ جملہ موجبات کا مجموعہ ہے (۴۸) آدمی کی پسند و ناپسند اس کی جبلت پر منحصر ہے (۴۹) تم جس کی اتباع کرو گے وہی تمہارے امن کا ضامن ہے (۵۰) نقص مال صدقہ ہے۔ (۵۱) گناہ سے تائب ہونا ایسا ہے جیسا کبھی گناہ نہ کیا ہو (۵۲) مشاہدہ کنندہ جو کچھ دیکھتا ہے وہ غیر مشاہدہ کنندہ نہیں دیکھ سکتا (یعنی عینی شاہد اور غیر عینی شاہد برابر نہیں ہو سکتے) (۵۳) جو تمہارا حق ہو وہ لے لو جو تمہارا حق نہ ہو اسے چھوڑ دو (۵۴) مزدور کو اس کا پسینہ خشک ہونے سے قبل مزدوری دے دو (۵۵) دنیا کے نیک روز قیامت بھی نیک سمجھے جائیں گے (۵۶) جنت تلواروں کے سائے میں ہے (۵۷) وہ مومن نہیں ہے جس کا پڑوسی اس کے ظلم سے خائف ہو (۵۸) جہنم کی آگ سے ڈرو خواہ اس کا خوف کھجور چھیلنے جیسے معمولی کام ہی سے کیوں نہ ہو (۵۹) حجاب عورتوں کے لیے لوازمات میں سے ہے (۶۰) خوش کلامی صدقہ ہے (۶۱) اس کی صحبت اچھی نہیں جو اپنی طرح تمہارے آرام کا خیال نہ رکھے (۶۲) دُنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے (۶۳) صداقت تاجر کی کمائی ہے (۶۴) دُعا مومن کا ہتھیار ہے (۶۵) خیر الامور اعتدال ہے (۶۶) جب کوئی ملاقات کے لیے آئے اس کا احترام کرو (۶۷) شفاعت کرو، صلے کے لیے ہو یا صرف تعریف کے لیے (۶۸) صبر و تحمل ایمان کی نشانی ہے (۶۹) افضل وہ ہے جو علم و معرفت میں افضل ہو (۷۰) ہلاکت (عموماً) اپنے ہاتھوں ہوتی ہے (۷۱) اولاد کی کثرت) اقتصادی مسائل پیدا کرتی ہے (۷۲) ہلاک ہونے والا اپنی قدر سمجھ لیتا ہے (۷۳) آنکھ کی بدی قلب کی بدی ہوتی ہے (۷۴) جھوٹ خلافِ ایمان ہے (۷۵) تھوڑے پر قناعت کرنے والا زیادہ لے کر رونے والے سے بہتر ہے (۷۶) حیا کی کمی کفر ہے (۷۷) مومن زندہ رہنے کے لیے کھاتا ہے (۷۸) بدترین ندامت روز قیامت کی ندامت ہے (۷۹) بدترین معذرت وہ ہے جو مرتے وقت کی جائے۔ (۸۰) بزرگوں کی لغزشوں کی گرفت نہ کرو (۸۱) صبحدم طالب خیر ہوا کرو (۸۲) دنیا ظاہری آرائش ہے (۸۳) اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کے مطابق تم سے کام لیتا ہے (۸۴) انتظار کشائش (فراخ دستی) عبادت ہے (۸۵) فاقہ کفر کو قریب لے آتا ہے (۸۶) (ایک دن) دُنیا میں فتنے اور بلا کے سوا کچھ باقی نہ رہے گا (۸۷) مکہ میں کمی محبت میں زیادتی کا باعث ہوتی ہے

(۸۸) صحت اور فارغ البالی دو نعمتیں ہیں جو اکثر (ممکن ہے آپؐ نے "اکثر" کی جگہ "مدسب" فرمایا ہو) لوگوں کو نہیں ملتیں۔ (۸۹) (قیامت میں) اللہ سے ملنے والا ہر شخص اپنی جگہ نادم ہوگا۔ (۹۰) نیکی کے بارے میں آپؐ نے فرمایا: "کاش میں اس سے زیادہ کر سکتا" (۹۱) عمل خیر کے علاوہ جو کچھ آپؐ سے ظہور میں آیا وہ بطور عدل اور شاذ ہی سہی اس کے متعلق آپؐ نے فرمایا: "کاش میں اس میں کمی کر سکتا" (۹۲) آپؐ کا یہ قول مبارک ضرب المثل بن چکا ہے: "افسوس اور آرزو کی طوالت ہی تمہارا کارنامہ ہے (حالانکہ) یہی دو باتیں قوموں کی ہلاکت کا سبب ہوتی ہیں" (۹۳) "وہ ہم میں سے نہیں ہے جس نے کلام الٰہی یا میرے اقوال میں تحریف کی (آپؐ کے اس قول کی بہت سے لوگوں نے تاویلات پیش کی ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ آپ نے یہ جملہ منافقین کے بارے میں فرمایا ہے اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپؐ کا یہ ارشاد ان اہل کتاب کے متعلق ہے جنہوں نے اپنی آسمانی کتابوں میں تحریف کر لی ہے، چنانچہ یہ فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اس سے مستثنیٰ ٹھہرایا ہے، ویسے یہ مسلمانوں کے لیے ایک طرح سے تنبیہ بھی ہے۔ بہر کیف آپؐ کے اس قول کی تصریحات میں اختلافات ہیں جس طرح ابو مسعود بدری کی آپؐ سے روایت کردہ آپؐ کے اس قول میں ہے (۹۴) (ہر) سو سال بعد زمین پر کوئی چیز باقی نہیں رہتی (آپؐ کے اس قول کی تصریحات مختلف مفسرین نے الگ الگ بیان کی ہیں۔ بہر کیف جو کچھ آپؐ نے فرمایا اور اس سے جو کچھ مراد لیا وہ خود آپؐ کو معلوم ہوگا یا اسے اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے اسی طرح آپؐ کا ایک اور قول ہے (۹۵) تمہارے امور کی کامیابی کا سب سے بڑا سبب) ان کی پردہ پوشی میں ہے اور بہتر یہی ہے کہ ان میں کامیابی تک اسرار اسرار ہی رہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے بارے میں اہل خبر نے اپنے اپنے خیال کے مطابق مختلف تصریحات پیش کی ہیں۔

آپؐ کے مندرجہ بالا اقوال مبارک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر بے شمار اقوال شریف و بے مثال کی طرح کتب سیر میں موجود ہیں۔ ہم نے ان میں سے یہ چند اہل طلب کے استفادے کے لیے یہاں ایک جگہ جمع کر دیے ہیں۔ آپؐ کے جملہ اقوال زریں ابو محمد بن حسن بن درید کی کتاب "المجتبیٰ" اور ابو اسحٰق زجاجی نحوی کی سیرت پر کتاب "ابی العباس المبرد" اور ابو عبد اللہ نفطویہ، جعفر بن حمدان موصلی وغیرہ کی تصنیف کردہ کتابوں میں مل سکتے ہیں۔ ہم نے بھی وہ تمام کے تمام اپنی دوسری پچھلی کتابوں میں ترتیب وار پیش کیے ہیں جن کا اعادہ اختصار کے پیش نظر اس کتاب میں نہیں کیا گیا۔

باب (۱۴)

ذکرِ خلافت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

وفاتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے دن جو دوشنبہ کو ہوئی تھی لوگوں نے خلافت کے لیے سقیفہ بنی ساعدہ بن کعب بن خزرج انصاری میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کی وفات جب ہوئی اس دن ماہ جمادی الآخر کے آٹھ آخری دنوں میں تین راتیں باقی تھیں اور یہ ہجرت کا تیرھواں سال تھا۔ اس وقت ان کی عمر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ۶۳ سال تھی جس پر جملہ اہل سیر و مورخین کا اتفاق ہے۔ ان کی ولادت عام الفیل کے تین سال بعد ہوئی تھی۔ ان کا دورِ خلافت دو سال تین مہینے اور دس دن رہا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت یہی ہے لیکن بعض لوگ اس میں دس دن کا اضافہ کرتے ہیں یعنی ان کے دورِ خلافت کی مدت دو سال تین مہینے اور بیس دن بتاتے ہیں۔ ہم آگے چل کر ان کے دورِ خلافت اور اس زمانے کے احوال کوائف کا تفصیلی ذکر کریں گے۔ اس ذکر کو ہم نے بنی اُمیہ اور بنی عباس کے ادوارِ حکومت کے احوال و کوائف کے بعد اس کتاب کے اس حصے کے لیے مخصوص کیا ہے جس میں ہم زمانۂ ہجرت سے لے کر آج تک یعنی ۳۳۲ ہجری تک جو ابی اسحٰق المتقی للہ کی حکومت کا زمانہ ہے اس پورے دور پر مفصل گفتگو کر کے اپنی زیرِ نظر کتاب کا اختتام کریں گے۔ بہر کیف ہم نے مذکورہ بالا احوال و کوائف کے بارے میں مؤرخین کا اختلافِ رائے بیان کر کے اصحاب زیجات کا قول نقل کیا ہے اور انہیں کے حساب نجوم پر بھروسہ کر کے اس زمانے کے برسوں، مہینوں اور دنوں کا حساب لگایا ہے۔

آپؓ کا نسب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام عبداللہ بن عثمان تھا۔ مؤرخین

اور اہلِ سیر سے آپ کا نسب حسب ذیل بیان کیا جاتا ہے۔

"ابو قحافہ بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مُرّہ بن کعب" مُرّہ تک پہنچ کر آپ کا سلسلہ نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ آپ کا لقب عتیق تھا کیونکہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کے مطابق اللہ تعالٰی نے آپ کو آگ سے یعنی آتشِ جہنم سے بچایا تھا۔ آج تک آپ کو اسی لقب سے یاد کیا جاتا اور یہ صحیح بھی ہے۔ اس کی دوسری وجہ آپ کی اپنی ماں اور سوتیلی ماؤں کی آپ کے والدِ محترم کی زندگی بھر اور بعد از مرگ بھی پاک دامنی اور عصمت مآبی ہے جس کا آپ نے بھی نہ صرف اعتراف کیا ہے بلکہ تائید کی ہے۔

آپ کے اوصاف

آپ لوگوں میں سب سے زیادہ زاہد و عابد تھے اور ان میں سب سے بڑھ کر متواضع، با اخلاق تھے۔ آپ اپنے لباس اور خوراک کے معاملے میں اپنے دورِ خلافت میں بھی حد سے زیادہ سادگی پسند تھے۔ اس وقت بھی آپ کا لباس ایک پگڑی اور معمولی عباء ہی پر مشتمل تھا۔

آپ کی تواضع اور زہد و انکسار

جب عرب کے زعماء، اشراف اور یمن کے حکمران آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے تو ان کا لباس زرق برق اور مذہب و مطلّا ہوتا لیکن جب وہ آپ کے لباس کی سادگی، آپ کی تواضع اور زہد و انکسار کو دیکھتے تو بہت شرمندہ ہوتے اور واپس جا کر ایک دوسرے کو اپنے امیرانہ لباس کے بارے میں سخت و سست کہتے تھے اور آپ کے لباس کی سادگی کے باوجود آپ کے وقار اور دبدبے سے مرعوب نظر آتے تھے۔

آپ کی خدمت میں عربی وفود کی حاضری

عرب کے جو وفود آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ان میں یمن کے دوسرے حکمرانوں کے ... وہ حمیر کا حکمران ذو الکلاع بھی تھا، اس کے ساتھ عیش و عشرت کے دوسرے ساز و سامان کے علاوہ ایک ہزار غلام بھی تھے اور جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اس کا لباس بھی زرتار اور زرق برق تھا اور اس کے سر پر ایک مرصع و زرنگار تاج بھی تھا۔ اس کی یمنی زرنگار یمنی چادریں اور مطلّا عبائیں اس کے علاوہ تھیں، لیکن آپ کا سادہ لباس دیکھ کر وہ ششدر رہ گیا۔ ایک روز جب آپ بازار تشریف لیے جا رہے تھے تو آپ کے کرتے میں شانوں کے قریب معمولی چمڑے کے پیوند لگے ہوئے دیکھ کر آپ کے عزیزوں میں سے کچھ لوگوں نے آپ سے عرض کیا:۔

"ہم نے آپ کو جملہ مہاجرین و انصار پر فضیلت دی ہے۔"

(اس جملے سے ظاہر ہے کہ ان کا مطلب یہ تھا کہ اس کے باوجود کہ ہم نے آپ کو خلافت کے لیے منتخب کیا ہے لیکن آپ نے اپنا یہ کیا حال بنا رکھا ہے)

آپ نے جواباً فرمایا: "کیا آپ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ میں زمانہ جاہلیت کے حکمرانوں کی طرح (عیش پرست اور) ظالم و جابر حکمران بن جاؤں؟ خدا کی قسم میں ایسا کبھی نہیں بنوں گا۔ میرا کام اطاعت خداوندی زہد و تقویٰ اور تواضع و انکسار کے علاوہ مخلوقِ خدا سے نرمی و ملاطفت سے پیش آنا ہے۔"

جب یمن کے حکمران آپ کی خدمت میں باریاب ہو کر واپس لوٹے تو وہ درحقیقت اپنی جگہ بڑے نادم تھے۔ یہ اس تجربے کا نتیجہ تھا جو انہیں آپ کی خدمت میں حاضری اور آپ کی انتہائی سادہ زندگی دیکھ کر حاصل ہوا۔

آپ کے اور ابی سفیان کے درمیان گفتگو

آپ کو ابی سفیان کی سرکشی و تمرّد کی خبریں ملیں تو آپ نے اسے طلب فرمایا۔۔۔ جب ابی سفیان آپ کے پاس آیا تو آپ کو محسوس ہوا کہ وہ تملق کی باتوں کے باوجود اپنے آپ کو آپ سے بڑا سمجھ رہا ہے اور غرور و نخوت ابھی تک اس کے دماغ میں موجود ہے۔ چنانچہ آپ نے اسے کچھ نصیحتیں فرمائیں۔ اس پہ وہ آپ کے قریب کھسک کر بولا: "اے بیٹے! کیا تو اپنے آپ کو ابی سفیان سے جو قریش کا بہت بڑا سردار ہے اپنے آپ کو برتر سمجھ رہا ہے جو اس سے بلند آواز میں گفتگو کر رہا ہے اور اسے نصیحتیں بھی کر رہا ہے؟ کیا ایک بیٹا اپنے باپ کو نصیحت کرنے کا اہل ہے؟ کیا تو نے اپنے طور طریق بدل ڈالے ہیں۔

یہ سن کر مہاجرین و انصار مسکرانے لگے لیکن آپ نے جواب دیا "بزرگوار! زمانۂ جاہلیت کی باتوں کو بھول جائیے۔ اسلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک قوم کو برتر کیا اور اس کے مقابلے میں دوسروں کو کمتر ٹھہرایا ہے۔

آپ کی والدہ ماجدہ کا نسب

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ ماجدہ کا نام سلمٰی اور ان کی کنیت ام الخیر تھی۔ وہ صخر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مُرّہ کی بیٹی تھیں۔

آپ کی اولاد

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں تین بیٹے عبداللہ، عبدالرحمٰن اور محمد تھے۔ عبداللہ طائف کی جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہو کر زخمی ہو گئے تھے۔ وہ اپنے باپ کی خلافت کے زمانے تک زندہ رہے اور اپنے پیچھے وفات کے وقت کل سات دینار چھوڑے تھے جن میں ان کے والد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اضافہ کر دیا تھا (یعنی اضافہ کر کے وہ سب خیرات کر دیے تھے) عبداللہ نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی تھی۔ عبدالرحمٰن غزوہ بدر میں مشرکین کے ساتھ شریک ہو کر مسلمانوں سے لڑے تھے لیکن جب بعد میں مسلمان ہوئے تو ان کا بہترین مسلمانوں میں شمار ہوتا تھا۔ عبدالرحمٰن کے بارے میں مؤرخین نے بہت کچھ لکھا ہے۔ ان کے ساتھ ان کی پیروی کے لیے بہت سے بدو، نواح حجاز میں جمع ہو گئے تھے یہ جگہ عراق کے راستے کے قریب ایک مشہور مقام تھا جسے صفینیات اور سح کہا جاتا ہے۔ محمد کی ماں کا نام اسماء بنت عُمَیس خثعمیہ، جعفر بن ابی طالب انہیں کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ ان کے بعد جعفر بن ابی طالب کے دو بیٹے عون اور محمد حضرت امام حسینؑ کے ساتھ کربلا میں موجود تھے اور وہیں شہید ہوئے تھے۔ عبداللہ بن جعفر کے چار بیٹے علی، اسماعیل، اسحاق اور معاویہ تھے۔ عبداللہ کے انتقال کے بعد ان کی زوجہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نکاح کر لیا تھا اور انہیں کے بطن سے محمد پیدا ہوئے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے نکاح کر لیا تھا اور ان کی کئی اولادیں ہوئیں لیکن کوئی زندہ نہیں رہی۔ جب اُمّ اسماء کا وقت پیری وضعیفی تھا اس وقت ان کی چار بیٹیاں زندہ تھیں۔ ان کی یہ چاروں بیٹیاں مختلف لوگوں سے بیاہی گئی تھیں جن میں سے ایک میمونہ ہلالیہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آئی تھیں اور ایک دوسری ام فضل کی عباس بن عبدالمطلب سے شادی ہوئی تھی۔ ان کی ایک بیٹی سلمیٰ کی شادی حضرت حمزہ بن عبدالمطلب سے ہوئی تھی اور انہوں نے اپنے پیچھے ایک لڑکی چھوڑی تھی اسماء جو جعفر، ابی بکر اور علی سے ان کے یکے بعد دیگرے تین شادیوں کے باوصف وہی اکلوتی اولاد تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی اولاد میں اُم فَروہ بھی تھیں جو قاسم بن محمد کی بیٹی تھیں محمد کو ان کے زُہد وتقوے اور منکسر المزاجی کی وجہ سے "عابد قریش" کہا جاتا تھا۔ ان کی پرورش حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کی تھی۔ ان کے دیگر حالات اور قتل کا ذکر ہم اس کتاب میں آگے چل کر معاویہ بن ابی سفیان کے ذکر کے ساتھ چل کر کریں گے۔

آپ کی وفات

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلافت کے لیے نامزد کرنے کے بعد وفات پائی۔ اس وقت آپ کی عمر ۶۳ سال تھی۔ یہ سال ہجرت کا تیرھواں اور بعض مورخین کے نزدیک چودھواں سال تھا۔

یوم سقیفہ سقیفہ بنی سعدیہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر عام لوگوں نے تین دن تک بیعت کی لیکن تیسرے روز حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے مکان سے باہر تشریف لائے اور ان سے اس طرح مخاطب ہوئے: "کیا آپ ہم لوگوں میں باہم فساد پیدا کرنا چاہتے ہیں؟ آپ نے ہمارے حق کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔" اس پر آپ نے جواب دیا: "مجھے فتنے ہی کا خوف تھا۔" یوم سقیفہ کے بارے میں مہاجرین و انصار کی بے شمار روایات ہیں جن میں حق خلافت کا ذکر آیا ہے۔ سعد بن عبادہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کبھی بیعت نہیں کی، وہ پہلے دن مدینے سے شام روانہ ہو گئے تھے اور وہیں پندرہ سال کے بعد قتل کر دیے گئے تھے۔ بہر حال ہماری زیر نظر کتاب کا موضوع جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اس قبیل کے مباحث نہیں ہیں۔ ویسے بنی ہاشم میں سے کسی نے حضرت فاطمہ زہرا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک کسی فرد واحد نے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت نہیں کی تھی۔

عدی بن حاتم طائی ان دنوں جب بیت اللہ اور مسجد نبوی میں جمع ہونے والوں کے سوا بہت سے عربی قبائل جو حرمین شریفین کے درمیان آباد تھے اسلام نہیں لائے تھے، عدی بن حاتم طائی خلیفہ اوّل کی خدمت میں صدقے کا اونٹ لے کر حاضر ہوا تھا۔ اس کے متعلق حارث بن مالک کہتا ہے:۔

"ہم میں جو وفا ہے جیسی آج تک کسی نے نہیں دیکھی ہمارے جد امجد عدی بن حاتم نے ہمیں سربلند کیا ہے"

آپ کا مرض الموت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہودیوں نے کھانے میں زہر دے دیا تھا۔ اس کھانے میں حارث بن کلدہ بھی شریک تھے جو یہ کھانا کھا کر نابینا ہو گئے تھے مگر آپ پر اس زہر کا اثر ایک سال تک رہا اور اسی کے اثر سے آپ مرض الموت میں مبتلا ہوئے جو پندرہ دن تک چلتا رہا اور اسی مرض میں آپ نے وفات پائی۔

آپ کا کلام آپ نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: میں نے تین خطاؤں کے سوا کسی امر میں خطا نہیں کی، وہ تین باتیں بھی ایسی تھیں جن کے سرزد ہونے کے بعد میں نے انہیں فوراً ترک کر کے توبہ کر لی تاہم مجھے افسوس رہا کہ ایسی تین خطائیں بھی سرزد کیوں ہوئیں اور یہ بھی افسوس رہا کہ ایسے معاملات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے مبارک معلوم نہ کر سکا تھا۔ ان تین خطاؤں میں سے ایک خطا تو یہ ہے کہ میری زندگی میں فاطمہ

زہرا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دروازہ توڑا گیا (اس کے متعلق بہت سی مختلف روایات ہیں) دوسری خطا میری یہ ہے کہ میں نے فجاءۃ کو یا تو قتل کر دیا یا قطعاً معاف کر دیا، تیسری بات یہ ہے کہ میں نے یوم سقیفہ کی ذمہ داری ایک ایسے شخص پر چھوڑ دی جو خود امیر اور میں اس کا نائب تھا۔ ان پہلی تین فروگذاشتوں کے علاوہ تین اور باتیں یہ ہیں جن پر مجھے ہمیشہ افسوس رہے گا ایک بات تو یہ ہے کہ جب اشعث بن قیس کو قید کر کے میرے سامنے لایا گیا تو میں نے فوراً بغاوت کے الزام میں اس کی گردن مروا دی حالانکہ وہ بانی شر نہیں تھا بلکہ اس نے اہل شر کی اعانت کی تھی۔ ایک بات یہ ہے کہ میں عمر بن خطاب کے ساتھ مشرق کی طرف گیا اگرچہ مشرق و مغرب یا شمال و جنوب میں میرا کہیں آنا جانا صرف فی سبیل اللہ ہی ہونا چاہیے تھا۔ ان دو باتوں کے علاوہ تیسری بات یہ ہے کہ جب میں نے جیش ردّہ کے لیے سامان فراہم کر کے اسے روانہ کر دیا تو خود اپنے مکان پر واپس آ کر صرف مسلمانوں کے سلام لیتا رہا، حالانکہ مجھے اس لشکر میں نہ صرف شریک بلکہ اس کے آگے آگے ہونا چاہیے تھا۔

حضرت ابوبکرؓ جہاں تک مذکورہ بالا لشکر کے ساتھ مدینے سے گئے تھے اس جگہ کا نام ذی قصّہ ہے۔ اسی لیے آپ نے یہ بھی فرمایا "کاش میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں (آپ کی وفات سے قبل) دریافت کر لیتا اور مسئلہ خلافت کے بارے میں بھی آپؐ سے دریافت کر لیتا تاکہ آپؐ کے اہل بیت اس سلسلے میں مجھ سے کوئی تنازعہ نہ کرتے!" آپ نے یہ بھی فرمایا: "کاش میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چچی اور بھتیجی کی میراث کے بارے میں بھی دریافت کر لیتا کہ ان کے حقوق خود میری ذات سے بھی تعلق رکھتے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے یہ بھی فرمایا:۔ کاش میں مسئلہ خلافت کے سلسلے میں انصار کے متعلق آپ کی رائے معلوم کر سکتا!"

آپ کی لڑکیاں

آپ نے اپنی وفات کے وقت جو بیٹیاں چھوڑیں ان میں ایک اسماء ذات النطاقین تھیں جو عبداللہؓ ابن زبیر کی والدہ تھیں اور دوسری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں۔

آپ سے حضرت علیؓ کی بیعت

حضرت ابوبکر صدیقؓ سے حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کی بیعت کے بارے میں لوگ مختلف الرائے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے دس دن بعد بیعت کر لی تھی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ۷۰ اور نصف دن بعد لیکن بعض لوگ تین مہینے

بعد بتاتے ہیں اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضؓ نے ان کی بیعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چھ ماہ بعد کی تھی اور بعض لوگ اس سے کچھ کم و بیش بتاتے ہیں۔

امرائے لشکر کو آپ کی وصیّت

آپ نے شام کی طرف جو امرا یا گورنر یا امیر لشکر روانہ فرمائے ان میں یزید بن ابی سفیان بھی تھا جو آپ کا طرف دار سمجھا جاتا ہے۔ آپ نے اسے جو وصیت فرمائی تھی یہ تھی کہ جب تم اپنی عمل داری میں پہنچو تو فوراً ہی بھلائی کا کام شروع کر دو، اس میں تاخیر و تعویق سے کام نہ لینا، جب کوئی وعدہ کرو تو پہلے اس کا جواز دیکھ لو اور اس سے زیادہ باتیں نہ کرو کیونکہ لوگ بعض باتیں یاد رکھتے ہیں اور بعض کو بھول جاتے ہیں۔ اگر تم اپنی اصلاح کر لو گے تو لوگ تمہاری اصلاحی باتوں کو سنیں گے۔ جب تمہارے کسی دشمن کا قاصد پہنچے تو اس کے حسب مرتبہ اس کا بھی احترام کرو، یہی دشمنوں کے ساتھ تمہاری بھلائی کا آغاز ہوگا۔ انہیں اپنے پاس زیادہ نہ ٹھہراؤ کیونکہ وہ تمہارے بارے میں پھر بھی لاعلم ہی رہیں گے، ان کی ہر بات قابل قبول نہ سمجھا کرو لیکن یہ ظاہر کیا کرو کہ تم نے ان کی باتیں سمجھ لی ہیں۔ اپنی راز کی باتوں کو اپنی اعلانیہ باتوں میں شامل نہ کیا کرو بلکہ ان کا امتزاج عمل کے ساتھ ہونا چاہیے جب کوئی بات معلوم ہو تو اس کی تصدیق کر لیا کرو۔ اپنی ہر بات پر دوسروں سے مشورے سے قبل خود غور کر لیا کرو۔ جب تمہارے پاس کوئی چیز پوشیدہ طور پر بھیجی جائے تو اس کا بے وقت اظہار نہ کیا کرو بلکہ اس کے بارے میں کافی غور و خوض کر لیا کرو۔ اپنے لشکر سے اطلاعات پوشیدہ رکھا کرو کیونکہ یہ تمہاری ذاتی حفاظت کے لیے ضروری ہے اور ان کے لیے یہ اچانک خبریں انہیں پریشان کرنے کے علاوہ تمہارے لیے بھی رات دن کی بے چینی کا باعث بنیں گی اور ان کے تحفظ میں تمہیں دشواری پیش آئے گی۔ بظاہر کھلی باتوں کی بھی تصدیق کر لیا کرو۔ دوسروں کے سامنے اپنے خوف کا اظہار نہ کیا کرو، ویسے دوسروں سے خائف ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

آپ کے زمانے میں نبوت کے مدعی

ہم نے اس کتاب میں بخوف طوالت اور اختصار کے پیش نظر ان جملہ نبوت کے دعوے داروں کا تفصیلی ذکر نہیں کیا ہے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں نبوت کے مدعی تھے مثلاً، نبوت کا ایک جھوٹا مدعی عبہلہ تھا جس کے دعوئ نبوت کی خبریں یمن اور صنعا میں بہت پھیلی تھیں اور بعد میں اسے قتل کر دیا گیا تھا یا طلیحہ اور اس کے دعوئ نبوت کا ذکر اور اسی طرح یا اس کی پیروی میں سجاح بنت حارث بن سوید کا دعوئ نبوت۔ لوگ اسے بنت غطفان بھی بتاتے ہیں، ممکن

ہے وہ اُمّتِ صادر ہو، جیساکہ کچھ لوگ بیان کرتے ہیں۔ ایک شاعر نے آخر الذکر کے بارے میں کہا ہے:۔

شعر

"ہم میں ایک عورت نبوت کی دعوے دار تھی ۔۔۔ ویسے ہم نے نبوت کے مرد دعوے داروں کا ذکر بہت سُنا ہے"

ایک اور شاعر سجاح بنت حارث بن سوید کے بارے میں کہتا ہے:۔

شعر

"بنی تمیم کو اللہ نے گمراہ کیا تھا! ۔۔۔ ان میں سجاح نے گمراہی پھیلائی تھی"

نبوت کے ان جھوٹے دعوے داروں میں ایک مُسیلمہ کذاب بھی تھا۔ اس کے دعوئ نبوت سے قبل سجاح نبوّت کا دعویٰ کر چکی تھی۔ اس کے اس دعوے کے لیے سطیح، ابن سلمہ، مامون حارثی اور عمرو بن لُحَی وغیرہ کاہنوں نے راہ ہموار کی تھی۔ سجاح جب مسیلمہ کذاب کے پاس پہنچی تو اس نے یعنی مُسیلمہ نے اس سے نکاح کر لیا تھا۔ نبوّت کے ان دعوے داروں کے واقعات کے علاوہ اور بھی بہت سے ایسے واقعات ہیں جن کی تفصیلات میں جانے سے اختصار کے پیشِ نظر یہاں گریز کیا ہے اور انھیں مجملاً بیان کر دیا ہے۔

مثلاً: مثلاً خالد بن ولید رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مسیلمہ کا مقابلہ اور اس کا قتل، ایک انصاری کا اس میں ملوث ہونا۔ یہ ہجرت کے گیارہویں سال کے واقعات ہیں۔ ان کے علاوہ سقیفہ کا قصّہ ہے نیز یہ کہ اس سلسلے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت میں کس کس نے سبقت کی تھی اور کیوں کی تھی؟ اس سلسلے میں منذر بن حباب کا قول بھی یاد رکھنے کے قابل ہے۔ اس نے بیعت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے بارے میں کہا تھا: "میں نے اس کی خوشبو سُونگھی اور جب اسے چکھا تو دونوں حالتوں میں پسندیدہ پایا۔ اب خدا کو گواہ کر کے بتاؤ کہ اسے بُرا بھلا کہنے سے کیا فائدہ ہے؟" اس کے علاوہ اس بارے میں سعد بن عبادہ اور بشیر ابن سعد کی باہمی تکرار اور قبیلہ اوس کا یہ خوف کہ اگر عبادہؓ نے حد سے تجاوز کیا تو وہ خزرج میں باہمی تنازعہ کا باعث بن جائے کیونکہ یہ بات اس قبیلے تک پہنچے بغیر نہ رہے گی۔ اس کے علاوہ بنی ہاشم کی بیعت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے متعلق باتیں اور مفسّرین و مؤرخین کی اس بارے میں بحث و تمحیص اور حقوقِ امامت کے متعلق ان کی رائیں، اس کے علاوہ بیعت اور امامت مفضول کے متعلق لوگوں میں چرچے اور چہ میگوئیاں نیز اپنی بیماری کے دوران میں بنت رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا اپنے والد بزرگوار کے مزار مبارک پر حاضر ہو کر کرم گستری کے لیے استدعا اور اس سلسلے میں صفیہ بنت عبد المطلب کا قول۔ بہر کیف جیسا کہ ہم نے ابھی عرض کیا بخیال وخوف طوالت اور بخیال اختصار ہم نے ان واقعات کی تفصیل میں جانے سے یہاں گریز کیا ہے۔ اس کے علاوہ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم ان واقعات کو اپنی دو پچھلی کتابوں "اخبار الزماں" اور "کتاب الاوسط" میں بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں۔

باب (۴۲)

ذکرِ خلافت حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت کے لیے بیعت اس وقت لی گئی تھی جب تیرھویں سال ہجری کے آغاز میں آپ حج سے واپسی پر مدینے میں داخل ہوئے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کو اپنی جانشینی کے لیے نامزد ضرور کیا تھا لیکن یہ نامزدگی مجلسِ شوریٰ کے متفقہ فیصلے کے بغیر نہیں ہوئی تھی۔ مجلس شوریٰ حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت سعدؓ اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف پر مشتمل تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کی خلافت کے دوران ہی میں مغیرہ کے غلام ابو لوٴلوہ نے قتل کر دیا تھا۔ اس وقت سن ہجری کا تیئیسواں سال تھا اور بدھ کا دن تھا جب کہ ماہ ذی الحجہ کے اختتام میں چار روز باقی تھے۔ اس وقت تک آپ کے دورِ خلافت کو دس سال چھ مہینے اور چار راتیں گزر چکی تھیں۔ آپ کو صبح کی نماز میں شہید کیا گیا تھا، اس وقت آپ کی عمر ۶۳ سال تھی۔ آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی قبروں کے پاس دفن کیا گیا اور آپ کا سر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کی طرف رکھا گیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی قبریں ایک قطار میں ہیں یعنی آپؐ کی قبر کے پہلو میں حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کو دفن کیا گیا ہے۔ آپ نے نو حج کیے تھے، آپ کے جنازے کی نماز عبدالرحمٰن بن عوف نے پڑھائی تھی۔ آپ کی شہادت کے تین روز بعد مذکورہ بالا مجلس شوریٰ کا دوبارہ اجلاس منعقد ہوا تھا۔

آپ کا نسب، کردار اور احوال و آثار

حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کا نسب نویں پشت میں جا کر یعنی کعب پر پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے نسب سے مل جاتا ہے جو یہ ہے :۔

"عمر بن خطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن قرط بن رباح بن عبداللہ بن رزاح بن عدی بن کعب"
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی والدہ حنتمہ بنت ہشام ابن مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم تھیں جو سوداء کے نام سے مشہور تھیں۔ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کو فاروق اس لیے کہا جاتا تھا کہ آپ نے حق و باطل کے درمیان حد فاصل قائم کی تھی یا فرق بتایا تھا۔ آپ کی کنیت ابوحفص تھی۔ آپ پہلے خلیفہ تھے جنہیں امیرالمومنین کہہ کر پکارا گیا۔ آپ کا نام عمر عدی بن حاتم نے رکھا تھا، البتہ اس بارے میں لوگ مختلف الرائے ہیں، واللہ اعلم۔ جس شخص نے آپ کو امیرالمومنین کہہ کر بلایا وہ مغیرہ بن شعبہ تھا، ویسے ابوموسےٰ اشعری (رضی اللہ عنہ) نے منبر سے آپ کو امیرالمومنین کہہ کر یاد کیا پھر آپ کو حسب ذیل ایک خط بھی اس طرح لکھا :" ابوموسےٰ اشعریؓ کی طرف سے عبداللہ عمر امیرالمومنین کے نام ۔" جب آپ کو یہ خط پڑھ کر سنایا گیا تو آپ نے فرمایا :" میں اللہ کا بندہ ہوں "عمر" ہوں اور الحمدللہ امیرالمومنین بھی ہوں ۔"

آپ کے اوصاف

آپ حد درجہ متواضع تھے، موٹا لباس پہنتے تھے لیکن جب اللہ اور لوگوں کے درمیان کوئی معاملہ ہوتا تو اس میں حد درجہ سختی برتتے تھے۔ آپ کے جملہ عمال افعال و اخلاق میں آپ کی پیروی کرتے تھے، وہ سب کے سب آپ کے سامنے آپ ہی کی طرح نظر آتے تھے۔ آپ کی عبا موٹے اون کی ہوتی تھی جس میں چمڑے کے پیوند لگے ہوتے تھے۔ چیزوں کو اپنے کاندھے پر اس طرح رکھتے تھے جیسے وہ رزق ہو لیکن آپ کے چہرے سے ہیبت و جلال کا اظہار ہوتا تھا۔ آپ کی سواری اکثر و بیشتر اونٹ ہوتا تھا جس پر معمولی کپڑا پڑا ہوتا تھا۔ اور یہی حال آپ کے جملہ عمال کا بھی تھا۔ آپ کے اس تمام عجز و انکسار اور سادگی کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں بہت سے ملک فتح کرائے اور مملکت اسلامیہ کو وسعت بخشی اور دولت سے مالا مال کر دیا۔

آپ کے عمال یا گورنر

آپ کے عمال یا گورنروں میں ایک گورنر سعید بن عامر بن خریم بھی تھے، حمص کے کچھ لوگوں نے جہاں کے وہ گورنر تھے حضرت عمرؓ کے پاس ان کی شکایت بھیجی کہ وہ طلوع آفتاب کے بعد عوام سے ملتے ہیں، رات کے وقت کسی سے نہیں ملتے اور ہفتے میں ایک دن اپنے گھر سے باہر نہیں آتے۔ آپ کو جب یہ شکایات پہنچی تو آپ نے فرمایا : اللہ مجھے عدل کی توفیق دے اور تیری فراست کم نہ کرے۔ پھر سعید بن عامر اور شکایت

کرنے والوں کو مدینے طلب فرمایا اور شکایت کرنے والوں سے فرمایا: "اب ان کے سامنے اپنی شکایات بیان کرو۔" چنانچہ انہوں نے مذکورہ بالا تینوں شکایتیں من وعن دہرا دیں۔ آپ نے سعید بن عامر کو حکم دیا کہ ان شکایات کا جواب دیں۔ وہ بولے: "یا امیر المومنین! میرے پاس کوئی نوکر نہیں ہے اس لیے میں صبح کا کھانا خود ہی تیار کرتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ میں اس کے بعد لوگوں سے ملاقات کرتا ہوں۔ دوسری بات یعنی رات کے وقت لوگوں سے ملاقات نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ میں نے رات کا وقت صرف عبادت الٰہی کے لیے مخصوص کر رکھا ہے، تیسری بات یہ کہ میں ہفتے میں ایک روز گھر سے باہر نہیں نکلتا اُس کی وجہ یہ ہے کہ میرے پاس کوئی خادم نہیں ہے جو میرے کپڑے دھو دیا کرے اور چونکہ میرے پاس عموماً صرف ایک ہی جوڑا کپڑوں کا ہے اس لیے میں اسے خود ہی دھو کر سکھانے کے لیے ڈال دیتا ہوں اور جب وہ سُوکھ جاتا ہے تو اسے پہنتا ہوں، اس کام کے لیے میں نے ہفتے میں ایک دن مقرر کر رکھا ہے۔" آپ نے سعید بن عامر کے یہ جوابات سن کر خدا کا شکر ادا کیا اور فرمایا کہ بحمد اللہ عُمّال کے تقرر میں میری فراست کم نہیں ہے۔ پھر اہل حمص سے مخاطب ہو کر فرمایا: "آپ لوگ بھی خدا کا شکر ادا کریں کہ اس نے آپ کو ایسا امیر دیا ہے، لہٰذا اس کے متعلق گمان نیک رکھا کرو اور اس سے بھلائی کے ساتھ پیش آیا کرو۔" اس کے کچھ عرصے بعد آپ نے سعید بن عامر کو ہزار دینار بھیجے اور انہیں اپنے تصرف میں لانے کی اجازت دی۔ سعید کی بیوی بولیں: "خدا نے ہمیں اب فارغ البال کر دیا ہے۔ اب آپ اپنے اور میرے کچھ کپڑے بنا لیں اور گھر کے لیے کچھ تھوڑا بہت سامان خرید لیں۔" اس کے جواب میں سعید بولے: "دوسرے لوگ ہم سے بھی زیادہ اس کے مستحق ہیں۔" چنانچہ انہوں نے اپنی بیوی سے کہہ کر ان دیناروں کو ایک تھیلی میں ڈالا اور نام بنام غریبوں، ناداروں اور یتیموں میں انہیں تقسیم کرنے کا حکم دیا تاہم ان میں سے پھر بھی جب کچھ دینار بچ گئے تو ان کی بیوی بولیں: "ان باقی دیناروں سے آپ ایک خادم اپنی خدمت کے لیے رکھ لیں۔" سعید نے جواب دیا! کیا آپ کے خیال میں مجھے واقعی کسی خادم کی ضرورت ہے جب کہ کچھ اور لوگ ہم سے زیادہ ان دیناروں کے مستحق ہیں۔

سلمان فارسی

حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کے مقررہ ایک اور عامل سلمان فارسی تھے جو مدائن کے گورنر مقرر کیے گئے تھے۔ وہ موٹے صوف کا لباس پہنتے تھے اور گدھے کی ننگی پیٹھ پر سواری کرتے تھے، جو کی روٹی کھاتے تھے اور ہمیشہ ریاضت الٰہی میں مصروف رہتے تھے۔ جب سعد

بن ابی وقاص نے ان سے مدائن میں ملاقات کی تو ان سے کہا: "اے ابو عبداللہ! مجھے کچھ نصیحت کیجئے" سلمان فارسی بولے "جب کسی کام کی ہمت کرو تو خدا کا نام لیا کرو اور اس کا زیادہ سے زیادہ ذکر کیا کرو، حکمت کی باتیں بیان کرتے وقت زبان کا لحاظ رکھا کرو، جب کچھ تقسیم کرنے لگو تو ہاتھ پر نظر رکھا کرو۔" یہ کہہ کر سلمان فارسی رونے لگے۔ سعد بن وقاص نے ان سے رونے کا سبب پوچھا تو بولے: "آپ دیکھتے ہیں کہ میرے گھر میں طہارت اور لوازم عبادت کے آرام و آسائش کا کوئی سامان نہیں ہے لیکن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ترک آرائش بڑی بات نہیں خدا کا خوف سب سے اہم چیز ہے، بس اس لیے روتا ہوں کہ دنیاوی معاملات میں جو میرے سپرد ہیں مجھ سے کوئی کوتاہی نہ ہو جائے جو اللہ تعالےٰ کی ناراضگی کا سبب بن جائے۔"

ابو عبیدہ رض ابو عبیدہ بن جراح حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کی طرف سے شام کے گورنر مقرر کیے گئے تھے۔ وہ کھردرے اون کا موٹا لباس پہنتے تھے۔ ایک بار ان کے کچھ قریب تر لوگوں نے ان سے کہا:۔

"ہمارے گرد و نواح میں دشمن رہتے ہیں، آپ ماشاء اللہ امیرالمومنین حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کے گورنر ہیں، آپ بھی اس نواح کے حکمرانوں کی طرح ذرا ٹھاٹھ باٹھ اور شان و شوکت سے رہا کریں تاکہ ان پر آپ کا اچھا اثر پڑے۔" عبیدہ بن جراح رض نے جواب دیا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں میں جس طرح زندگی بسر کرتا تھا کیا اسے ترک کر دوں؟"

جہاد کے لیے آپ کی تاکید جب حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) جہاد کے لیے مسلمانوں کو طلب فرماتے تو اس کے ساتھ ہی جہاد کے اسلامی اصولوں سے انہیں بڑی شد و مد کے ساتھ خبردار فرماتے تھے۔ واقدی اپنی کتاب فتوح الامصار میں لکھتا ہے:۔ جب حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے جہاد کا ارادہ فرمایا تو مسجد میں تشریف لا کر اللہ تعالےٰ کی حمد اور ثنائے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں کو جہاد کی دعوت دی اور انہیں اس کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا: تم حجاز کے علاوہ دوسرے ملکوں میں بہت سے دن گزار آئے ہو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے قیصر و کسریٰ کے ممالک کی فتح کا وعدہ فرمایا تھا چنانچہ اب تم سرزمین فارس کی طرف روانہ ہو جاؤ۔" چنانچہ سب سے پہلے ابو عبیدہ کھڑے ہو کر بولے: "یا امیرالمومنین! میں اس کے لیے حاضر ہوں۔" جب ابو عبیدہ رض نے جہاد کے لیے

بڑی سرگرمی کے ساتھ اپنی آمادگی کا اظہار کیا تو دُوسروں نے بھی آپ کی دعوت پہ لبیک کہا ۔جب سب لوگ جہاد کے لیے اپنی آمادگی کا اظہار کر چکے تو ابو عبید نے آپ سے عرض کیا :" یا امیرالمومنین !آپ مہاجرین یا انصار میں سے بنی ثقیف کے جس شخص کو حکم دیں گے وہی مجاہدین کا سردار ہوگا ۔" آپ نے یہ سُن کر فرمایا :" جس نے سب سے پہلے جہاد کے لیے آمادگی کا اظہار کیا ہے میں اسی کو اب کے مجاہدین کا سردار مقرر کرتا ہوں ۔" چنانچہ ابو عبید کو مجاہدین کا امیر مقرر کیا گیا ۔کچھ روایات کے مطابق آپ نے یہ فرما کر کہ جس نے سب سے پہلے جہاد پر اپنی آمادگی کا اظہار کیا ہے وہی اس لشکر کا سردار ہوگا یعنی ابو عبید ۔پھر انہیں خبردار کیا کہ وہ ماضی سے اپنا رشتہ نہ توڑیں اور مسلمہ بن اسلم بن حریش اور سلیط بن قیس کا پہلے کی طرح احترام کرتے رہیں کیونکہ وہ دونوں اہل بدر میں سے ہیں ۔بہرکیف آپ نے مجاہدین کے اس لشکر کو کچھ ایسے انداز سے روانہ فرمایا کہ گویا سارا عجم اس کے سامنے تھا اور وہ اس کی فتح کا ارادہ کر کے نکلا تھا ___ مگر بقول جالینوس :" اس نے سارے عجم کو دیکھا "لیکن لاعلمی کی بناء پر شکست سے دوچار ہوا ۔

چنانچہ ابو عبیدہ نے مدینے سے روانہ ہو کر دریائے فرات عبور کیا جہاں کے کسانوں نے ان کے لیے وہاں ایک پُل بنا دیا تھا لیکن جب انہوں نے دریا پار کر کے پلٹ کر پُل پہ نگاہ ڈالی تو اسے منہدم کرنے کا حکم دے دیا ۔اور وہ پُل توڑ دیا گیا ۔اس پہ مسلمہ بن اسلم نے ان سے کہا :" اے مردِ خدا !جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں وہ تیری نظر سے پوشیدہ ہے ۔تو نے اس پُل کو تڑوا کر اچھا نہیں کیا ۔کیا تو چاہتا ہے کہ اپنی سوئے تدبیر سے خود بھی ہلاک ہو اور اپنے ساتھی مسلمانوں کو بھی ہلاکت میں ڈال دے ۔اس پُل کو دوبارہ بنوا دے کیونکہ اگر یہ ٹوٹا رہا تو مسلمانوں کو واپسی کے لیے کوئی راستہ نہیں ملے گا کہ وہ اس صحرائے لق و دق سے کہیں پناہ حاصل کر سکیں ۔ہم جانتے ہیں کہ تو مسلمانوں کو ہلاک کرانا نہیں چاہتا لیکن آنے والے حالات سے واقف نہیں ہے تو ہماری مخالفت کر رہا ہے چنانچہ جلد ہی اس کا انجام دیکھ لے گا ۔" اس پر ابو عبیدؓ نے مسلمہ بن اسلم کو جواب دیا :" اے بندہ خدا !آگے بڑھ کر جنگ میں شریک ہو اور دشمنوں کو قتل کر ،انجام تیرے سامنے خود آ جائے گا ۔" یہ سُن کر سلیط بولے :" عربوں اور اہل فارس کی جنگ کے طریقے الگ الگ ہیں ،تم ان مقامات پہ جنگ کرنے کا تجربہ نہیں رکھتے ،بہتر یہی ہے کہ خدا نخواستہ اگر مسلمانوں کو شکست ہو جائے تو وہ یہاں سے بچ کر نکل سکیں ۔" سلیط بن قیس کی زبان سے یہ سُن کر ابو عبیدہ بولے :" اے سلیط میں بُزدل نہیں ہوں نہ بزدلی کا مظاہرہ کرتا

چاہتا ہوں ۔" سلیط نے کہا: "بخدا میں تمہیں بزدل نہیں سمجھتا لیکن تمہاری اور دوسرے مجاہدین کی ہلاکت دیکھنے کی بھی مجھ میں تاب نہیں ہے، میرے خیال میں پل توڑنے کا جو تم نے حکم دیا ہے وہ غلط تھا۔" اس کے بعد جب فارسی فوجوں سے لڑائی کا موقع آیا اور گھمسان کی جنگ شروع ہوئی تو عربوں نے دیکھا کہ ہاتھی بڑھے چلے آرہے ہیں اور ان پر فوجی سوار ہیں یہ منظر ان کی نظر سے پہلے کبھی نہیں گزرا تھا اس لیے وہ سب کے سب بھاگ کھڑے ہوئے اور ان میں جو قتل ہونے سے بچ گئے وہ دریائے فرات میں ڈوب کر ہلاک ہوگئے، ابو عبید نے سلیط کی رائے کی مخالفت کی تھی حالانکہ حضرت عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے انہیں مسلمہ اور سلیط دونوں سے مشورہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ سلیط کا مشورہ یہ تھا کہ ابو عبید دریا کو عبور نہ کریں بلکہ دشمن کو دریا عبور کر کے اپنی طرف آنے دیں اور اگر دریا عبور بھی کرلیں تو پل نہ توڑا جائے لیکن ابو عبید نے ان کے مشورے پر عمل نہیں کیا۔ سلیط نے کہا تھا: "میں مشورہ دینے والوں کی مخالفت کو بُرا سمجھتا ہوں، اگر مشورہ لیتا ہوں تو اس پر عمل بھی کرتا ہوں کیونکہ میری خودسری لوگوں کو ہلاکت میں ڈال سکتی ہے۔" بہرحال ابو عبید نے ان کے مشورے پر عمل نہیں کیا بلکہ نیزہ لے کر شجاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے آگے بڑھے اور ایک ہاتھی کی آنکھ میں نیزہ گھونپ دیا مگر اس ہاتھی نے غصے میں آکر انہیں سونڈ میں پکڑ کر اُٹھایا اور واپس لوٹا دیا جہاں فارس کے فوجیوں نے انہیں قتل کر دیا۔ اس کے بعد بکر بن وائل کا ایک شخص اور پھر بنی حارثہ کے دو آدمی آگے بڑھے لیکن ان کا انجام بھی وہی ہوا جو ابو عبید کا ہوا تھا۔ یہ دیکھ کر مجاہدین پلٹے لیکن چار ہزار کے قریب قتل ہوئے یا دریا میں ڈوب گئے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس سے قبل مجاہدین فارس کی فوج کے چھ ہزار افراد کو موت کے گھاٹ اُتار چکے تھے۔ اس روز فارس کی فوج کے پاس وہ غیر معمولی طویل و عریض پرچم بھی تھا جو فارس کے ایک سابق بادشاہ فریدوں نے تیار کرایا تھا، اس کی بلندی بارہ گز اور عرض آٹھ گز تھا اور اسے موصل لمبی شاخوں پر ایستادہ کیا گیا تھا، اسے درفش کاویانی کہا جاتا تھا، اور اہل فارس کے نزدیک وہ نیک شگون کی علامت تھا۔ یہ سب باتیں ہم اپنی پچھلی کتابوں میں تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔

جب مذکورہ بالا پل پر ابو عبید ثقفی کی شہادت کی خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ملی تو اسے سُن کر آپ کو اور دوسرے مسلمانوں کو بہت صدمہ ہوا۔ بہرکیف آپ نے مسلمانوں کو دوبارہ جہاد کے لیے تاکید اً آمادہ کیا۔ جب لشکر عراق کے لیے روانہ ہونے لگا تو آپ نے اس کی ترتیب کا

خاص خیال رکھا۔ آپ نے مقدمۃ الجیش کے لیے طلحہ بن عبید اللہ کو منتخب کیا، میمنہ کے لیے زبیر بن عوام اور میسرہ کے لیے عبد الرحمٰن بن عوف کو مقرر کیا۔ پھر آپ نے کچھ خاص خاص لوگوں سے یہ مشورہ بھی کیا کہ آیا انھیں بہ نفس نفیس اس لشکر کے ساتھ جانا چاہیے یا نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ انہیں لشکر کے ساتھ جانا چاہیے تاکہ دشمن پر ان کے ہیبت و جلال کا اثر ہو۔ اس کے بعد آپ نے عباس بن عبد المطلب کو قریش کے کچھ چیدہ چیدہ لوگوں کے ساتھ طلب کر کے ان سے مشورہ لیا۔ ان کی متفقہ رائے یہ تھی کہ سردار لشکر کسی اور کو منتخب کر کے بھیجا جائے اور آپ کو مدینے ہی میں ٹھہرنا چاہیے کیونکہ اگر مسلمانوں کو خدا نخواستہ شکست بھی ہوئی تو اس کی ذمّہ داری ان پر عائد نہ ہوگی۔ اس کے بعد آپ نے عبد الرحمٰن رضؓ بن عوف سے مشورہ کیا۔ وہ بولے: "میں اور میرے ماں باپ آپ پر قربان جائیں آپ کو یہیں ٹھہرنا چاہیے اور کسی اور شخص کو لشکر کی کمان دی جائے کیونکہ اس صورت میں اگر مسلمانوں کو شکست بھی ہوئی تو اس کا الزام آپ پر نہیں آئے گا لیکن اگر آپ لشکر کے ہمراہ گئے اور خدا نخواستہ دشمن کے ہاتھوں شہید ہو گئے تو کسی اور جگہ تو کیا شاید عرب میں کوئی کلمہ گو باقی نہ رہے۔" یہ سن کر آپ نے فرمایا: "پھر تم علی (رضی اللہ عنہ) سے مشورہ کرو کہ اس لشکر کی کمان کس کے سپرد کی جائے؟" اس پر عبد الرحمٰن رضؓ بن عوف بولے: "میرے خیال میں یہ ذمّہ داری سعدؓ بن ابی وقاص پر ڈالی جائے۔" یہ سن کر حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: میں جانتا ہوں کہ سعد بڑے بہادر آدمی ہیں لیکن مجھے خوف ہے کہ وہ تدابیر حرب کے لحاظ سے اس ذمّہ داری سے عہدہ برآ نہ ہو سکیں گے۔" اس کے جواب میں عبد الرحمٰن بن عوف نے عرض کیا: "وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کبار میں سے ہیں، شجاعت میں جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کسی سے کم نہیں ہیں غزوۂ بدر میں شریک رہ کر اس کا تجربہ کر چکے ہیں لیکن آپ مناسب خیال فرمائیں تو ان سے فرمائیں کہ وہ موقع بموقع ہم سے مشورہ کر لیا کریں۔ مجھے امید ہے کہ وہ آپ کے اس حکم سے سرتابی ہرگز نہیں کریں گے۔" اس کے بعد آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا تو انہوں نے بھی آپ کو مدینے میں ٹھہرنے کا مشورہ یہی کہہ کر دیا کہ وہ یہ کبھی نہ چاہیں گے کہ ان کے بعد عرب اسلام کے منکر ہو جائیں۔ پھر جب حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے ان سے امیر لشکر کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ کسی ایسے شخص کو امیر لشکر مقرر کیا جائے جو بہادر ہونے کے علاوہ جنگ کا ضروری تجربہ بھی رکھتا ہو۔ اس پر حضرت عمرؓ بولے کہ میں

ایک ایسے شخص کو جانتا ہوں جو بہادر تو بہت ہے لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ اسے جنگ کا جتنا چاہیے تجربہ حاصل نہیں ہے۔ حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) نے جب آپ سے اس شخص کا نام پوچھا تو آپ نے سعدؓ بن ابی وقاص کا نام لیا۔ اس پر حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) بولے کہ وہ تو یہاں موجود نہیں ہیں۔ ان سے دریافت کیے بغیر آپ انھیں امیر لشکر کس طرح مقرر کر سکتے ہیں تو آپ نے فرمایا: میں انھیں یہاں بلا لوں گا یا انھیں لکھ دوں گا کہ جب لشکر روانہ ہو جائے تو وہ راستے میں اس میں شریک ہو جائیں اور میرے حکم سے سارے لشکر کو آگاہ کر دیں۔ چنانچہ جب حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے دیکھا کہ اکثر لوگوں کا مشورہ یہی ہے کہ وہ مدینہ میں ٹھہریں اور کسی اور کو لشکر کا امیر بنا کر عراق بھیجیں نیز یہ کہ کسی نے سعدؓ بن ابی وقاص کو امیر لشکر مقرر کیے جانے کی مخالفت نہیں کی تو آپ نے انہیں امیر لشکر مقرر کر کے انہیں اطلاع دے دی کہ وہ راستے میں لشکر میں شامل ہو جائیں یا تنہا ہی عراق پہنچ جائیں۔

اس کے بعد بن عبداللہ بجلی جبلہ کو ساتھ لے کر آپ کے پاس پہنچے تو آپ نے انہیں بھی عراق روانہ کر دیا اور تاکید کر دی کہ وہاں کے حالات سے سعدؓ بن ابی وقاص کو آگاہ کرتے رہیں چنانچہ جریر پہلے سعدؓ سے ابلہ میں ملے اور پھر ان کے آگے آگے مرزبان مدائن کی قیام گاہ تک جا پہنچے اور یہ معلوم کر گئے آئے کہ وہاں دس ہزار سپاہیوں پر مشتمل فوج جمع ہے۔ یہ سن کر جبلہ نے جریر سے کہا کہ ایسی صورت میں ہمیں دجلہ عبور کر کے مدائن کی طرف بڑھنا چاہیے تو وہ بولے: "تم اس سے قبل دریا عبور کر کے دشمن سے مقابلہ کرنے کا نتیجہ دیکھ چکے ہو لہٰذا تمہاری یہ رائے صائب نہیں ہے بلکہ یہ بہتر ہوگا کہ جب فارس کی بہت سی فوج مدائن میں جمع ہو جائے تو اسے دجلہ عبور کر کے ہمارے مقابلے میں آنے کا موقع دیا جائے۔ ایسی صورت میں انشاء اللہ میدان ہمارے ہاتھ رہے گا۔" چنانچہ جریر کے مشورے پر عمل کیا گیا۔ جب فارس کی تمام فوج مدائن میں جمع ہو گئی تو مرزبان کی سرکردگی میں اس نے دریائے دجلہ عبور کرنا شروع کیا لیکن وہ ابھی دریا کے بیچ میں پہنچے تھے کہ اس کنارے سے جریر نے اپنا رسالہ لے کر اس فوج پر حملہ کر دیا جبلہ نے بھی جریر کی مدد کی یہاں تک کہ ان دونوں اور ان کے رسالوں نے مل کر اور اچانک حملہ کر کے فارسی فوج کے ٹکڑے ٹکڑے اڑا دیے۔ مرزبان مارا گیا اور اس کی تلوار بھی مسلمانوں کے ہاتھ آئی۔ فارسی لشکر کی کثیر تعداد دریائے دجلہ میں غرق ہو گئی اور اس کا سارا ساز و سامان بطور مال غنیمت مسلمانوں کے حصے میں آیا۔ اس کے بعد جریر آگے بڑھ کر بجلہ میں مثنیٰ بن حارثہ

ثیبانی سے جا ملا۔ مہران جو فارسی لشکر کا ایک سردار تھا ان کے مقابل آیا تو اس وقت بھی مسلمان دریا عبور کرنے سے رُکے رہے چنانچہ مہران خود ہی دریا عبور کر کے مسلمانوں کی اس جماعت پر حملہ آور ہوا لیکن میدانِ جنگ میں مہران مارا گیا اور مسلمانوں کو یہاں بھی فتح حاصل ہوئی۔ مہران کو جریر بن عبداللہؓ بجلی اور حسان بن منذر بن ضرار ضبی نے مل کر قتل کیا تھا۔ واقعہ یہ تھا کہ حسان نے اسے گھیرا تھا جس کے بعد جریر نے اس کو زخمی کیا تھا اور پھر حسان ہی نے اس کا سر قلم کیا تھا لیکن بعد میں جریر اور حسان اس بارے میں جھگڑتے رہے کہ مہران کو کس نے قتل کیا تھا۔ حسان نے اس کے متعلق کچھ اشعار بھی کہے ہیں۔ اس کے علاوہ مؤرخین اور اہل سیر میں اس کے متعلق بھی اختلاف رائے پایا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے جس لشکر نے مہران کے لشکر کا مقابلہ کیا تھا اس کا سردار جریر تھا یا مثنیٰؓ؟ بعض جریر کا نام لیتے اور بعض مثنیٰؓ کا اور کچھ یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ دونوں الگ الگ اپنے اپنے قبائل پر مشتمل رسالوں کی کمان کر رہے تھے۔

مہران کے قتل کا اہل فارس نے بہت زیادہ سوگ منایا۔ اس کے بعد شیرزاد جس کی کنیت بوران تھی فارس کا ایک عظیم لشکر جمع کر کے مسلمانوں کے مقابلے کے لیے آئی۔ اس کے آگے آگے سردار لشکر رستم تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ سارے اہل فارس کو اپنے ساتھ لے آئی ہے کوفے اور زبالہ کے درمیانی علاقے میں جو کم سے کم تین میل ہے اور جس کے قریب منزل واقصہ اس کے لشکر کا ساز و سامان پھیلا ہوا تھا۔ اس سے مقابلے کے لیے جریر جب کاظمہ پہنچا تو وہ وہاں ٹھہر گئی، دوسری طرف سے مثنیٰ اپنے قبیلے بکر بن وائل کے جنگجو سپاہیوں کو لے کر اس کے مقابلے کے لیے سیراف میں آکر ٹھہرا لیکن مثنیٰؓ کے جسم پر یوم الجسر میں متعدد زخم آچکے تھے اور وہ ابھی تک مندمل نہیں ہوئے تھے چنانچہ وہ سیراف ہی میں وفات پا گیا۔

سعد بن ابی وقاص

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خط سعد بن ابی وقاص کو ملا تو وہ آپ کے حکم کے مطابق زبالہ میں قیام کے بعد سیراف کی طرف روانہ ہو گئے جہاں شامی افواج بھی ان سے آملیں۔ سیراف سے چل کر وہ عذیب پہنچے جو اس میدانی علاقے کے سرے پر ہے جہاں سے قادسیہ کا علاقہ شروع ہوتا ہے۔ انہوں نے وہاں پہنچ کر مسلمانوں کا وہ لشکر دیکھا جسے مدینے سے روانگی کے وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مذکورہ بالا طریقے سے ترتیب دیا تھا اور فارس کے اس لشکر پر بھی نظر ڈالی جو رستم کی کمان میں تھا۔ انہیں بتایا گیا کہ مسلمانوں کا لشکر اٹھاسی ہزار افراد پر مشتمل ہے جب کہ دشمن کے فوجیوں

کی تعداد ساٹھ ہزار ہے لیکن جب انہوں نے مسلمانوں کی گنتی کرائی تو وہ درحقیقت تیس ہزار ہی نکلے جب کہ دشمن کے پاس ہاتھی بھی بے شمار تھے۔ تاہم مسلمانوں میں ایک سے ایک بڑھ کر جہاد کا شائق تھا۔ بہرکیف جب دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا تو فارسی لشکر نے اسلامی لشکر سے مبارز طلب کیا جس پر ادھر سے غالب بن عبداللہ اسدی نکلے اور ادھر سے ان کے مقابلے کے لیے ہرمز آیا جو باب الابواب کے حکمرانوں میں سے تھا۔ اس کے مقابلے کے لیے غالب کے بعد سعد بن مالک کو اور پھر عاصم بن عمرو کو آنا پڑا۔ عاصم نہ صرف ہرمز پر غالب آئے بلکہ فارسی لشکر میں آگے بڑھ کر گویا اس کی صفوں میں تیرتے چلے گئے۔ یہ دیکھ کر لوگ ان سے کترانے لگے۔ وہ اسی طرح قلب لشکر سے اس کے دونوں بازوؤں میں گھستے رہے، اس دوران میں سعد بن مالک بھی عاصم بن عمرو کے ساتھ ساتھ تھے۔ انہوں نے اپنے پہلو میں ایک سواری دیکھی جس پر بڑا قیمتی اور خوب صورت ساز و سامان لدا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک دوسری سواری پر بڑا ازرق برق لباس پہنے ایک شخص چل رہا تھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ فارس کے امیر لشکر کا خانساماں تھا اور دوسری سواری پر امیر لشکر کے کھانے پینے کا سامان تھا جو شہد کے علاوہ خوا کہات اور بہت سی نایاب اشیائے خوردنی پر مشتمل تھا۔ جب سعد بن مالک نے یہ دیکھا تو اس سامان پر قبضہ کرنے کی بجائے دشمن کے جو سپاہی ان کے قریب تھے ان سے بولے: "ہم تم سے یہ سامان نہیں چھینیں گے۔ تم جا کر اسے ہمارے امیر لشکر کی طرف سے اپنے امیر لشکر کو پیش کرو اور کہو کہ کھائے پیئے اور موج کرے۔"

جنگِ قادسیہ کے ایّام

قادسیہ کا واقعہ ہجرت کے چودھویں سال ماہ محرم میں پیش آیا تھا۔ دشمن کی فوج میں اس وقت سترہ ہاتھی تھے اور ہر ہاتھی پر بیس سپاہی سوار تھے۔ ہاتھیوں پر فولادی اسلحہ کے علاوہ بڑا قیمتی سامان بھی بار تھا جب کہ ان پر دیبا و حریر کی مرصع جھولیں پڑی ہوئی تھیں اور وہ بجیلہ کی طرف جا رہے تھے ان ہاتھیوں کے گرد فارس کی فوج کے جھنڈ کے جھنڈ تھے اس لیے انہیں ٹڈی دل کہا جا سکتا تھا۔ چنانچہ سعد نے بنی اسد کی طرف فوراً ایک قاصد روانہ کیا تاکہ وہ بجیلہ کی فوج کی مدد کے لیے آئیں۔ فارس کی فوج کے قلب میں دیکھا گیا تو صرف وہیں بیس ہاتھیوں کے قریب نکلے۔ بہر حال طلیحہ بن خویلد اسدی اسلامی لشکر سے اپنے رسالے کے علاوہ بنی اسد کے سواروں کو لے کر آگے بڑھے اور آناً فاناً دشمن پر ٹوٹ پڑے اور فارس کی فوج کے چھ سو سپاہی دیکھتے ہی دیکھتے

قتل کر ڈالے جن کے علاوہ پسپا ہوتے ہوئے سپاہیوں کی تعداد بے شمار تھی اور ان میں سے بھی اکثر مارے گئے۔ ہاتھیوں کو نیزوں سے روکا گیا اور ان کے سواروں کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اس روز جنگ میں سب سے زیادہ شجاعت اور جذبۂ جہاد بنی اسد کے جوانوں نے دکھایا اور اس دن کو اسی لیے یوم اغواث کہا گیا۔

جب دوسرا دن ہوا تو شام کی طرف سے مسلمانوں کا ایک عظیم لشکر آکر پہلے لشکر سے مل گیا ان میں پانچ ہزار سوار بنی ربیعہ اور مضر کے اور ایک ہزار یمن کے بھی تھے جن کی کمان ہاشم بن عتبہ بن وقاص کر رہے تھے۔ اس کے علاوہ ان کے ہمراہ قعقاع بن عمرو کا رسالہ بھی تھا۔ ان دنوں فتح دمشق کو ایک مہینہ گزر چکا تھا، اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابو عبیدہؓ بن جراح کو جو شام میں اس وقت گورنر تھے لکھ دیا تھا کہ خالد بن ولید کے ساتھیوں کو عراق روانہ کر دیا جائے لیکن اس خط میں آپ نے خالدؓ کا ذکر نہیں کیا تھا۔ چنانچہ ابو عبیدہ کو خالد کے نہ جانے سے خوشی ہوئی اور جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا اس لشکر کے ساتھ جو شام سے روانہ کیا گیا۔ تھا ہاشم بن عتبہ بھی مل گئے تھے۔ ویسے مالک بن نویرہ کے قضیے کی وجہ سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں پیش آیا حضرت عمرؓ خالدؓ سے کچھ کھنچے کھنچے سے تھے حالانکہ خالد آپ کے ماموں تھے۔

جیسا کہ ہم نے سطور بالا میں بیان کیا قادسیہ میں اسلامی لشکر کی مدد کے لیے سب سے پہلے پہنچے اور انہوں نے اہل قادسیہ کو بھی اپنے رسالے کی مدد کے لیے آمادہ کر لیا تھا حالانکہ وہ ایک روز پہلے اپنے قریبی مقام پر جنگ کی قیامت خونریزی دیکھ چکے تھے۔ چنانچہ اس روز وہی دشمن کے لشکر کے سامنے سب سے پہلے پہنچے اور مبارز طلب ہوئے۔ اُدھر سے ایک لحیم شحیم عظیم الجثہ شخص نکل کر صف لشکر سے باہر آیا تو قعقاع نے اس سے پوچھا: "تو کون ہے؟" وہ بولا: "میرا نام بہمن بن جادویہ ہے، میں ذی حاجب کے نام سے مشہور ہوں۔" اس پر قعقاع نے کہا: "اچھا فرات کے پل پر جسے ہم "یوم الجسر" کہتے ہیں تو نے ہی ابی عبید، سلیط اور ان کے ساتھیوں کو قتل کیا تھا۔" یہ کہہ کر انہوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور ایک ہی وار میں اسے قتل کر دیا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس روز قعقاع نے فارس کی سپاہ کے کم سے کم تیس ۳۰ ممتاز جنگجو قتل کیے اور اُن میں سے ہر ایک کو ایک ہی وار میں یکے بعد دیگرے موت کے گھاٹ اتارا۔ انہوں نے جن مشہور و معروف لوگوں کو قتل کیا تھا ان میں اعور بن قطبہ شہریار سجستان بھی تھا اور فارس کا ایک بہت

بڑا پہلوان بھی - لڑائی کے پہلے روز جس میں فارس کے فوج کے بے شمار سپاہی اور افسر قتل ہوئے جب سعد بن ابی وقاص عذیب کے قلعہ کی بالائی منزل میں رات کے وقت لڑائی بند ہو جانے کے بعد واپس آکر ٹھہرے اور لوگوں سے ملاقات کرنے لگے تو وہ لوگ یعنی جن سے وہ ملاقات کر رہے تھے اپنے اپنے آباؤ اجداد کے شاندار کارناموں کے ساتھ اس روز اپنی جنگی قابلیت کا بھی اظہار کرنے لگے - اس وقت انہوں نے (سعد نے) دروازے پر آہٹ سن کر نظر اٹھائی تو وہاں سلمیٰ بنت حفصہ مثنیٰ ابن حارثہ شیبانی کی زوجہ کو جن سے آپ نے ان کے انتقال کے بعد عقد کر لیا تھا کھڑے دیکھا اور پوچھا! سلمیٰ! خیریت تو ہے؟ کوئی خاص کام؟ وہ بولیں:- "میں ابھی برابر کے کمرے سے آپ کی اس مجلس میں موجود حضرات کی آج کی جنگ کے بارے میں لاف زنی سن رہی تھی لیکن کسی نے اس شخص کا ذکر نہیں کیا جس نے آج دشمن کی فوج کے ہر شخص کو چھٹی کا دودھ یاد دلا دیا - میں خدا کو حاضر ناظر جان کر کہتی ہوں کہ آج کی جنگ میں حد درجہ جم کر لڑنے اور داد شجاعت دینے کے بعد دشمن کی فوج جو شام ہوتے ہی پسپا ہونا شروع ہو گئی تھی اس کا سہرا صرف اور صرف ہمارے ایک اور شخص کے سر ہے -"

یہ سن کر سعد بن ابی وقاص چونکے، پھر بولے "سلمیٰ سچ کہہ رہی ہیں - میں نے آج کی جنگ میں اس شخص کو دیکھا تھا - واقعی وہ میدان جنگ میں بجلی کی طرح کوندا اور اِدھر اُدھر لپک رہا تھا، وہ ابھی قلب لشکر میں تھا تو پلک جھپکتے ہی کبھی میمنہ اور کبھی میسرہ میں جا نکلتا تھا اور ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ وہ ہر طرف دُور دُور تک دشمنوں کی صفوں کے بحر ذخار میں تیرتا پھر رہا ہے -" اپنے امیر لشکر سعد بن ابی وقاص کی زبان سے یہ سن کر حاضرین مجلس نے بھی یک زبان ہو کر اس کی تائید کی اور ایک شخص نے یہ بھی کہا کہ وہ عجیب و غریب خوب صورت سا نوجوان تھا جو گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار برق رفتاری سے دشمن کی صفوں میں اِدھر سے اُدھر جا رہا تھا -" یہ سن کر ایک اور صاحب نے اپنے امیر لشکر اور اس دوسرے شخص کی تائید کرتے ہوئے کہا:" اور یہ بھی دیکھیے کہ اس کے جسم پر زرہ تک نہ تھی، بس ایک ہاتھ میں تلوار تھی اور دوسرا ہاتھ جس میں سپر ہونا چاہیے تھی خالی تھا، بھئی اس کی شجاعت اور جوانمردی کی داد نہ دینا حقیقت سے روگردانی کرنا ہے -" جب حاضرین مجلس خاموش ہوئے تو سعد بن ابی وقاص نے حاضرین مجلس میں سے یکے بعد دیگرے ہر شخص سے دریافت کیا کہ آیا ان میں سے کوئی شخص اس بہادر نوجوان کو پہچانتا ہے؟ تو سب نے نفی میں جواب دیا اور یہی کہا کہ وہ

مشکل سے کبھی کبھی اس کی ایک جھلک دیکھ پاتے تھے کیونکہ وہ تو دشمن کی فوج کے سمندر میں لمحہ بہ لمحہ ڈوب ڈوب کر اُبھر رہا تھا ۔ حاضرینِ مجلس کا یہ جواب سُن کر سلمیٰ بولیں "سُنیئے میں بتاتی ہوں وہ کون شخص تھا ، وہ اس وقت بھی اسی قلعے کی نچلی منزل میں پابہ زنجیر قید میں پڑا ہوا ہے ۔"

اپنی بیوی سلمیٰ کی زبان سے یہ سُن کر سعد بن ابی وقاص اُچھل پڑے ، پھر بولے :۔

"قید میں ! پابہ زنجیر ! کون ہے وہ شخص ؟ سلمیٰ بنت حفصہ نے اس سوال کے جواب میں کہا :۔

"آپ کے اس سوال کا جواب میں آپ کو تنہائی میں دے سکتی ہوں ۔"

اپنی زوجہ سلمیٰ بنت حفصہ کا یہ جواب سُن کر سعد بن ابی وقاص کو فطری طور پر تجسس پیدا ہوا لیکن وہ مجلس برخاست ہونے تک خاموش بیٹھے صرف پہلو بدلتے رہے جب کہ دُوسرے حاضرینِ مجلس کو اس کی کوئی کرید نہ تھی ، تاہم امیر لشکر کی بیوی کے جواب پر حیرت انہیں بھی ہوئی تھی ۔

مجلس برخاست ہوتے ہی سعد بن ابی وقاص لپکتے ہوئے دوسرے کمرے میں پہنچے جہاں سلمیٰ خاموش بیٹھی کچھ سوچ رہی تھیں ۔

سعد وہاں پہنچ کر ان سے بولے :۔

"اب بتاؤ وہ کون شخص ہے اور تم اسے کس طرح جانتی ہو ؟"

سلمیٰ نے جواب دیا : آپ اطمینان سے تشریف رکھیے ، بتاتی ہوں ۔"

سعد ! جلد بتاؤ ، میں اس کا نام سُننے کے لیے بے تاب ہوں ۔"

ابو محجن ثقفی

سلمیٰ سعد کی بے تابی دیکھ کر بولیں :"اس کا نام ابو محجن ثقفی ہے ، وہی ایک جوان اور لاابالی سا شاعر جس کی شاعری کی آج کل سارے عرب میں دھوم ہے ۔"

سعد یہ سُن کر ایک بار پھر اُچھل پڑے ، پھر بولے :۔

مگر اسے تو شراب نوشی کے الزام میں قید کیا گیا ہے اور جلد ہی اسے قرار واقعی سزا دی جائے گی لیکن اسے رہا کس نے کیا ؟"

سلمیٰ ! "میں نے ۔"

سعد :" تم نے ! کیا تم شرعی معاملات میں بھی دخل دینے لگی ہو ؟"

سلمیٰ :" مجھ سے ایسی غلطی آج تک کبھی نہیں ہوئی ۔"

سعد: "پھر؟"

سلمیٰ: بات یہ ہے کہ جب طلوع آفتاب کے بعد جنگ شروع ہوئی اور آپ بھی میدان میں تشریف لے گئے تو میں نے نیچے کی منزل میں کسی کی بڑی دردناک آواز سنی، مجھے اس پر تجسس پیدا ہوا تو میں نیچے گئی، وہاں پہنچ کر مجھے معلوم ہوا کہ یہ آواز محبس (قید خانہ) سے آ رہی ہے۔ میں ذرا اور قریب گئی تو میں نے سنا کہ وہاں کوئی شخص بڑی پُرسوز آواز میں رو رو کر یہ شعر گا رہا تھا:-

"اے وائے قسمت، میری قوم میدانِ جنگ میں دادِ شجاعت دے رہی ہے
جب کہ میں یہاں پابہ زنجیر پڑا ہوں رہا ہوتا تو میں ثابت کرتا کہ میں بھی بزدل نہیں ہوں"

سعد: یہ اشعار سن کر آپ نے اسے فوراً رہا کر دیا؟ کیا یہ صحیح ہے؟ لیکن کیا آپ جانتی ہیں کہ اس کی شرعی سزا کیا ہو سکتی ہے؟"

سلمیٰ: "جی نہیں میں نے ایسا نہیں کیا بلکہ میں نے قید خانے کے دروازے پر جا کر سلاخوں سے اسے دیکھا اور دریافت کیا" تم کون ہو اور تمہیں کیوں قید کیا گیا ہے؟" میری آواز سن کر اس نے سر اُٹھایا تو میں نے دیکھا کہ وہ زار و قطار رو رہا تھا۔ جب میں نے اصرار کیا تو اس نے اپنا نام ابو محجن ثقفی بتایا۔ میں نے اس کا نام سنا تھا۔ میں نے پوچھا: مگر تمہاری قید کا کیا سبب ہے؟" پھر میرے بار بار پوچھنے پر اس نے بتایا کہ وہ ایک دو دن قبل قہوہ پی رہا تھا اور اس میں خوشبو کے طور پر عرق ملا رکھا تھا جو قطعاً شراب نہیں تھی لیکن میں نے قہوے کی خوشبو سے متاثر ہو کر اس کی تعریف میں فی البدیہہ کچھ اشعار کہے تو مجھ پر لوگوں نے شراب نوشی کا الزام لگا کر امیر لشکر جناب سعد بن ابی وقاص کے روبرو پیش کیا اور انہوں نے تا حکم ثانی مجھے قید رکھنے کا حکم دیا لیکن میں آپ سے رب العزت خدائے واحد کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ زمانہ جاہلیت سے قطع نظر جب میں شراب پیا کرتا تھا اسلام لانے کے بعد میں نے شراب کو کبھی منہ نہیں لگایا۔ نہ میں نے اس قبیح چیز کی کبھی تعریف کی۔ رو میں اس لیے رہا ہوں کہ میں جنگ میں شرکت سے مجبور ہوں یعنی حکم خداوندی کے خلاف جہاد کرنے سے قاصر ہوں۔ یہ سن کر مجھے اس پر ترس آ گیا کیونکہ اس کے زبان سے نکلے ہوئے ایک ایک لفظ سے مجھے صداقت کی خوشبو آ رہی تھی۔"

سعد: "خیر تم نے اسے رہا تو کر دیا لیکن گھوڑا اور تلوار اسے کس نے دی؟"

سلمیٰ: میں نے اپنا گھوڑا اور اپنی ہی تلوار اسے دی تھی۔ میں اس کے لیے زرہ بکتر

بھی اور ڈھال بھی منگواتی مگر وہ تو ہوا کے گھوڑے پر سوار تھا، اس نے گھوڑے پر زین تک نہیں رکھی، میں نے اسے اس قلعہ کی پشت پر ڈھلوان پر سے اچھل کر گھوڑے پر سوار ہوتے دیکھا مگر اس کے بعد وہ مجھے نظر ہی نہ آیا، بہرکیف میں نے جذبہ جہاد سے سرشار اس لاابالی شاعر کے لیے دعائے خیر ضرور کی تھی۔"

کہتے ہیں کہ اس واقعے کے چند روز بعد تک سعد بن ابی وقاص اپنی بیوی سلمیٰ سے ناراض رہے اور ان سے بات چیت تک بند رکھی لیکن جب تحقیق کے بعد یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ ابومحجن نے اسلام لانے کے بعد شراب نوشی قطعاً ترک کر دی تھی اور کچھ ثقہ لوگوں نے اس بات کی گواہی بھی دی کہ وہ واقعتہً قہوہ ہی پی رہا تھا اور اس کی تعریف میں اس کی زبان پر ارتجالاً بلکہ عادتاً چند شعر بھی آ گئے تھے تو آپ نے اسے رہا کر دیا اور اس کے جذبۂ جہاد کی تعریف کر کے اس کی حوصلہ افزائی بھی کی۔ اپنی بیوی سلمیٰ سے انہوں نے کہا: "تمہارا عمل اگرچہ درحقیقت عمل خیر ہی تھا لیکن میں ضروری تحقیق سے پہلے اسے عمل خیر سمجھنے سے قاصر تھا میں جو چند روز آپ سے ناراض رہا اس میں میں شرعی نقطۂ نظر سے حق بجانب تھا لیکن اب میں شرمندہ ہوں۔ اس کے علاوہ ابومحجن کی تعریف کیے بغیر بھی نہیں رہ سکتا کہ اس نے تم سے جو وعدہ کیا تھا اسے پورا کیا یعنی جنگ بند ہوتے ہی پھر قید خانے میں خود ہی آ پہنچا۔"

یوم عماس

جنگ کے تیسرے دن جسے عموماً "یوم عماس" کہا جاتا ہے جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہوئے تو تھوڑی ہی دیر بعد گھمسان کی لڑائی شروع ہو گئی جس کے نتیجے میں پندرہ سو مسلمان شہید ہوئے لیکن دشمن کی فوج کے مقتولین بے شمار تھے۔ سعد بن ابی وقاصؓ نے مسلمان مقتولین کے ورثا سے کہا کہ جو شخص چاہے اپنے عزیزوں کی تجہیز و تکفین اور تدفین کرے اور چاہے تو انہیں ان کے خون آلود کپڑوں ہی میں دفن کر دے۔ یہ سن کر کچھ مسلمان اپنے اپنے عزیزوں کی تجہیز و تکفین اور تدفین میں مصروف ہو گئے۔ زیادہ تر عورتیں شہیدوں کی لاشیں اٹھا کر لاتی تھیں اور ان کی چھوڑی ہوئی چیزیں ان کی رشتہ دار عورتوں کے سپرد کر کے انہیں صبر و شکر کی تلقین کرتی تھیں۔

میدان جنگ جو قادسیہ کے بالکل قریب تھا اور قلعہ عذیب کے درمیان جو کسی قدر فاصلے

پر تھا ایک نخلستان پڑتا تھا۔ جب کسی مسلمان زخمی سپاہی کو اس نخلستان میں لایا جاتا اور اس کے ہوش و حواس قائم ہوتے تو وہ خود کو اُٹھا کر لانے والی عورتوں سے کسی سرسبز کھجور کے درخت کو دیکھ کر کہتا: "مجھے اس کھجور کے درخت کے نیچے کچھ دیر لٹا کر اس کی خوشبو سونگھنے دو۔" اس کے بعد اس کے قریب لایا جانے والا آہستہ آہستہ کہتا "اے قادسیہ اور غدیب کے درمیانی علاقے کے نخلستان تیرے اردگرد تو دوسرا کوئی نخلستان نہیں ہے (یعنی تو واحد نخلستان ہے جو ہم جیسے دُور کے مسافروں کے لیے سایہ فراہم کر رہا ہے۔"

وہاں اس وقت وہ اکیلا نخلستان تھا جہاں اب اس کے اردگرد بہت سے نخلستان پائے جاتے ہیں۔

وہیں قریب ہی بنی تیم کا ایک ایسا زخمی بھی تھا جس کے پیٹ سے اس کی انتڑیاں باہر نکل آئی تھیں مگر اس حالت میں اس کی زبان سے دھیمی آواز میں یہ شعر سُنا گیا ؎

"اے پُرآب وادی لعبید کے نخلستان کے درختو! خدا تمہیں حوادث سے بچا کر دیر تک سرسبز و شاداب رکھے"

اعور بن قطبہ بھی میدان جنگ میں سخت زخمی ہو گیا تھا۔ جب اسے اُٹھا کر اس نخلستان میں لایا گیا تھا تو اس کی زبان سے بھی کچھ ایسے ہی الفاظ نکلے تھے۔

جس رات کی اگلی صبح کو قادسیہ میں ہر دن سے زیادہ گھمسان کی جنگ ہوئی وہ رات وہاں کے موسم سرما کی سرد ترین رات تھی، صبح کے وقت بھی دونوں طرف کی فوجیں سردی سے ٹھٹھری جا رہی تھیں۔ لیکن مقابلے کے جوش نے ان کا لہو گرم کر رکھا تھا۔ کہتے ہیں اس روز فارسی فوج کے تیس ہزار سے زیادہ آدمی میدان جنگ میں کھیت رہے۔ مسلمان مقتولین کی تعداد بھی کچھ کم نہ تھی لیکن ادھر کی فوج کا ہر سپاہی جذبۂ جہاد کی صہبائے کہنہ و پُرسرور سے سرشار تھا۔ مسلمان دشمن کی فوج کے قلب اور میمنہ و میسرہ پر ہر طرف سے دباؤ ڈالتے اور اسے پسپا کرتے ہوئے دُور تک چلے گئے جہاں سردار لشکر رستم کے اس زرنگار تخت کے قریب جا پہنچے جس پر ایک ریشمی مرصع چھتر تنا ہوا تھا اور اس کے تخت کے پیچھے وہ غیر معمولی طویل و عریض پرچم درفش کاویانی لہرا رہا تھا جس کا ہم سطور بالا میں ذکر کر چکے ہیں اس پرچم میں یاقوت سچے موتی اور دُوسرے بیش قیمت جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ اسلامی فوج کے کچھ باحوصلہ و بہادر سوار لڑتے بھڑتے رستم کے اس تخت کے قریب جا پہنچے تو اس نے وہاں سے اُٹھ کر راہِ فرار اختیار کی۔ یہ دیکھ کر قعقاع اس کے پیچھے لپکے تو اس نے پلٹ کر نیزے سے

ان پر حملہ کیا لیکن انہوں نے اس کا وار خالی دے کر اسے تلوار سے زخمی کر کے زمین پر گرا دیا۔ وہ اٹھ کر نہر عتیق کے کنارے پہنچا اور زخموں کی تاب نہ لا کر اپنا ہی نیزہ اپنے سینے میں گھونپنا چاہا، قعقاع بھی اس کے پیچھے لگے ہوئے تھے، وہ نہر میں کودا تو انہوں نے بھی اس کے پیچھے نہر میں چھلانگ لگا کر بہتے پانی میں اسے قتل کر دیا۔

جنگ قادسیہ کے اس آخری روز سب سے زیادہ گھمسان کی جنگ ہوئی اس جنگ میں اسلامی لشکر کے کم سے کم دس ہزار افراد شہید ہوئے لیکن اس نے دشمن کی فوج کے ایک ایک فرد کو چن چن کر موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ رستم کے قاتل کے بارے میں مؤرخین مختلف الرائے ہیں۔ اکثریت کا خیال ہے کہ اسے ہلال بن علقمہ نے قتل کیا تھا جن کا تعلق تیم الرباب سے تھا اور جن کا ہم ابھی ذکر کر چکے ہیں لیکن بعض لوگ یہ بھی کہتے کہ اسے بنی اسد کے ایک شخص نے قتل کیا تھا۔

وہ پرچم جس کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں ضرار بن خطاب کے ہاتھ آیا تھا اور انہیں کو ملا۔ اس زرنگار درفش کاویانی کی قیمت کا اندازہ اس وقت تیس ہزار دینار لگایا گیا تھا لیکن درحقیقت اس کی اصل قیمت لاکھوں کروڑوں دینار تھی۔

جنگِ قادسیہ کی تاریخوں کا صحیح تعین

جنگِ قادسیہ اور عذیب کی لڑائی کی تاریخوں کے تعین کے سلسلے میں مؤرخین میں اختلاف آراء پایا جاتا ہے۔ متاخرین میں واقدی اسے ہجرت کا سولہواں سال بتاتا ہے جب کہ کچھ دوسرے اسے پندرھواں اور باقی لوگ اسے ہجرت کا چودھواں سال بتاتے ہیں جیسا کہ ہم پچھلے صفحات میں بتا چکے ہیں۔ بہرکیف حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک روز ماہ رمضان کی نماز تراویح سے قبل اس سال کو ہجرت کا چودھواں سال فرمایا تھا اور جو لوگ جنگِ قادسیہ و عذیب کی تاریخوں کا تعین کرتے ہوئے اسے ہجرت کا چودھواں سال بتاتے ہیں وہ اس کے ثبوت میں حضرت عمرؓ کا مذکورہ بالا قول پیش کرتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اسی سال آپ نے مختلف شہروں کو نماز تراویح کی اقامت کا حکم بھیجا تھا۔ وہ لوگ جن میں مدائنی بھی شامل ہے یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اس سال یعنی سن چودہ ہجری میں عتبہ بن غزوان کو بصرہ بھیجا تھا جس نے اسے مزید آباد کیا تھا لیکن بعض لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ جس سال عتبہ بن غزوان بصرے پہنچے ہیں وہ ہجرت کا سولہواں سال تھا اور ربیع الاوّل کا مہینہ تھا لیکن

حقیقت یہ ہے کہ جب عتبہ بن غزوان جنگِ قادسیہ کے اختتام کے بعد مدائن سے بصرے پہنچے ہیں اور اسے آباد کیا ہے وہ ہجرت کا پندرہواں سال تھا جب کہ سعد بن ابی وقاص جنگ جلولہ و تکریت سے فارغ ہو کر کوفے پہنچے اور اسے ابن نفیلہ بن غسانی کے بقول وہاں کی ایک سطح مرتفع پہ آباد کیا تھا جہاں وہ آج تک آباد ہے۔ اس طرح یعنی ان واقعات کو دیکھتے ہوئے جنگ قادسیہ و عذیب کا سال جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں ہجرت کا چودھواں سال ہی ٹھہرتا ہے۔

مغیرہ بن شعبہ کا غلام ابولولوہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کسی عجمی کو مدینے میں داخل ہو کر وہاں مستقل قیام کی اجازت نہیں دیتے تھے لیکن ایک مرتبہ مغیرہ بن شعبہ نے انہیں لکھا کہ ان کے پاس ایک غلام ہے جو نجاری کے کام کے علاوہ لکڑی پر نقش و نگار بنانے میں ماہر ہے، لہٰذا اسے مدینے میں قیام کی اجازت دی جائے کیونکہ اس سے اہلِ مدینہ کو بہت فائدہ پہنچے گا۔ چنانچہ آپ نے مغیرہ بن شعبہ کی اس درخواست کو قبول کرتے ہوئے ان کے مذکورہ بالا غلام کو جو نہاوند کا ایک مجوسی تھا اور اس کا نام ابولولوہ تھا مدینے میں مستقل قیام کی اجازت دے دی۔ ایک روز اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بازار میں روک کر ان سے شکایت کی کہ اس کا آقا اس کی مزدوری میں سے بہت زیادہ حصہ لیتا ہے۔ آپ نے اس سے پوچھا: "وہ تم سے یومیہ کیا لیتا ہے؟" اس نے جواب دیا "دو درہم" آپ نے اس سے دریافت کیا: "اور تم کرتے کیا ہو؟" وہ بولا: "لکڑی اور لوہے پر نقش و نگار بناتا ہوں" آپ نے فرمایا: "اس کام کی اجرت تو بہت ہوتی ہے اس لیے اگر تمہارا آقا تم سے دو درہم یومیہ وصول کرتا ہے تو وہ تمہارے اس کام کو دیکھتے ہوئے کچھ زیادہ نہیں ہیں۔" یہ کہہ کر آپ آگے بڑھ گئے۔

پھر ایک روز وہ آپ سے ملا تو وہ آپ کی دشمنی پر اُتر آیا تھا۔ آپ نے اس سے دریافت کیا: "تم لوہے سے کیا کیا چیزیں بنا لیتے ہو؟" اس نے کہا: "میں لوہے سے خنجر بھی بنا لیتا ہوں اور آپ کے لیے ایسا خنجر بناؤں گا جسے آپ ہمیشہ یاد رکھیں گے۔" ابولولوہ کے ان الفاظ کا حقیقی مطلب نہ سمجھتے ہوئے آپ نے فرمایا: "اچھی بات ہے" اور پھر آگے بڑھ گئے۔ اس کے بعد ابولولوہ آپ کو قتل کرنے کا موقع تلاش کرتا رہا۔ یہ موقع اسے ایک روز اس وقت ملا جب آپ علی الصبح لوگوں کے دروازوں پر دستک دے کر انہیں نماز کے لیے بلاتے ہوئے مسجد کی طرف تشریف لے جا رہے تھے۔ اس نے اپنے پیراہن کے نیچے ایک بہت ہی تیز دھار والا خنجر چھپا رکھا تھا (جو زہر آلود بھی تھا) اس نے ایک جگہ چھپ کر موقع پاتے ہی پشت کی جانب

سے آپ پر حملہ کیا اور وہ خنجر آپ کی پشت کے پار کر دیا۔ آپ وہ کاری زخم کھا کر پلٹے لیکن اس وقت بارہ آدمیوں نے جو مسجد کی طرف آرہے تھے اسے گھیرنا چاہا تو اس نے ان میں سے چھ آدمیوں کو اسی خنجر سے قتل کر دیا لیکن اس کے باوجود اسے گھیر کر پکڑ لیا گیا تاہم اس نے موقع پاکر اپنے ہی خنجر سے خودکشی کر لی۔

جس وقت آپ کو آپ کے گھر لایا گیا اس وقت آپ موت و حیات کی کش مکش میں مبتلا تھے اور لوگ سمجھ رہے تھے کہ اس مہلک زخم سے آپ کا جانبر ہونا محال ہے۔ بہرحال اسی حالت میں بڑے صبر و ضبط سے کام لیتے ہوئے آپ کے بیٹے عبداللہؓ بن عمرؓ نے آپ سے عرض کیا:۔

"بابا! آپ اپنا اونٹ اور بکریاں تو کسی رکھوالے یا چرواہے کی نگرانی کے بغیر چھوڑ دیا کرتے تھے لیکن یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت یعنی خلافت کا معاملہ ہے، اس امانت کا ضیاع آپ یقیناً پسند نہیں فرمائیں گے اس لیے ارشاد فرما دیجیے کہ اس سلسلے میں آپ کی وصیت کیا ہے؟"

اس کے جواب میں آپ نے بمشکل اور بہت ہی دھیمی آواز میں فرمایا: "جس طرح ابوبکرؓ نے یہ امانت چھوڑی تھی، میں بھی اسے اسی طرح چھوڑے جاتا ہوں۔" یہ سنتے ہی عبداللہؓ بن عمرؓ کچھ افسردہ و رنجیدہ ہو کر آپ کے پاس سے چلے گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہجرت سے چار سال قبل اسلام لائے تھے۔ آپ اپنی داڑھی میں حنا اور وسمہ کا خضاب لگایا کرتے تھے۔

حضرت عمرؓ کی اولاد

آپ کی اولاد میں عبداللہؓ، حفصہ زوجۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عاصم، عبیداللہ، زید، عبدالرحمٰن، فاطمہ جو آپ کی آخری صاحبزادی تھیں اور سب سے چھوٹے بیٹے عبدالرحمٰن اصغر تھے جو اکل و شرب میں مگن رہتے تھے۔ انہیں لوگ ابی شحمہ بھی کہتے تھے بلکہ وہ اسی نام سے مشہور تھے۔ زید اور اس عبدالرحمٰن اصغر یا ابی شحمہ کی ماؤں کے نام معلوم نہیں ہیں۔

حضرت عمرؓ اور ابن عباسؓ

عبداللہؓ بن عباس بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے پاس ایک ثقہ و معتبر شخص کے ذریعہ یہ کہلا کر بھیجا کہ "اے ابن عباس تمہیں معلوم ہوگا کہ حمص کا گورنر جو اہل خیر میں سے تھا ہلاک ہو چکا ہے اور یہ بھی تم جانتے ہو کہ اہل خیر دنیا میں بہت کم ہوتے ہیں، البتہ میرے نزدیک تم ان میں سے ہو۔ بہرحال تمہارے بارے میں جو میرے خیالات ہیں اگرچہ آج تک تمہاری

طرف سے ظاہری طور پر ان کا اظہار تو نہیں ہوا ہے لیکن اب عملاً انہیں منظرِ عام پر لانے کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے ؟ ویسے میں نے تمہیں اپنے ذاتی محاسن کو روبعمل لانے کے لیے تم سے اپنی خواہش کا اظہار تو نہیں کیا لیکن اب اس خواہش کا اظہار کر رہا ہوں۔ اس کے بارے میں تم مجھے اپنی رائے سے مطلع کرو۔ تمہاری جانب سے اظہار رضامندی کے بعد میں تمہیں تمہارا تحریری تقرر نامہ بھیجوں گا لیکن تم اپنے زبانی جواب سے فوراً مطلع کرو۔ ویسے مجھے اُمید ہے کہ جب تم اب کے میرے پاس آؤ گے تو بحیثیت عامل آؤ گے۔ بہرکیف یہ بات پہلے ہی سے اپنی گرہ میں باندھ لو کہ "ہرچہ بر خود نہ پسندی بر دیگراں پسند" غلط نہیں ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپؐ نے تم جیسے لوگوں کو چھوڑ کر اوروں سے بھی کام لیا ہے لہٰذا اُمید ہے کہ تم مجھے اس کا موقع نہیں دو گے اور مجھے یہ بھی اُمید ہے کہ تم سے کوئی ایسی بات عمل میں نہیں آئے گی جس کی وجہ سے تم (شرعاً) میری ناراضگی (یا سزا) کے مستحق ٹھہرو، کیونکہ ایسی صورت میں سزا لازم ہو جاتی ہے۔ اگر تم میری اس رائے سے متفق ہو تو فوراً لکھ بھیجو۔" ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ "جب میں نے بحیثیت عامل اپنے تقرر سے معذرت ظاہر کی تو حضرت عمرؓ نے مجھ سے کسی دُوسرے شخص کے بارے میں مشورہ طلب فرمایا اور جب میں نے اس سلسلے میں یہ عرض کیا کہ آپ سے بہتر صائب الرائے اور کون ہو سکتا ہے، جسے آپ اس عہدے پر مقرر فرمائیں گے وہ آپ کے نزدیک یقیناً دُوسروں سے بہتر ہو گا تو آپ نے میرا تقرر نامہ مجھے بھیج دیا اور مجھے آپ کو یہ اطلاع دے کر کہ جسے آپ جس کام کے لیے منتخب فرمائیں گے وہ آپ کے نزدیک اس کام کا اہل ہی ہو گا حضرت عمرؓ کے ارشاد پر سرِ تسلیم خم کرنا پڑا۔

فتح نہاوند کے سلسلے میں حضرت عمرؓ کی نگاہِ انتخاب

جب فتح قادسیہ و جلولاء اور مدائن کے بعد فارس کے علاقے نہاوند اور اس کے قرب و جوار کے علاقوں اصفہان و آذربائیجان سے عربوں کے خلاف بغاوت کی خبریں حضرت عمرؓ کو ملیں تو آپ نے ان سب علاقوں کو فتح کرنے اور اس کے بعد وہاں کسی عامل کے تقرر کا ارادہ فرمایا تو آپ کی نگاہِ انتخاب نعمان بن مقرن پر پڑی۔ چنانچہ آپ مسجد میں تشریف لے گئے جہاں مؤخرالذکر اس وقت نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ ان کے پہلو میں بیٹھ گئے اور جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو ان سے فرمایا: جیسا کہ تمہیں معلوم ہو گا فارس

میں نہاوند وغیرہ سے بغاوت کی خبریں موصول ہو رہی ہیں، لہٰذا میں نہاوند اور اس کے قریبی علاقوں اصفہان و آذربائیجان کی فتح اور اس کے بعد وہاں کے ملکی انتظام کے لیے آپ کو بھیجنا چاہتا ہوں" یہ سن کر نعمان بن مقرن بولے :"میں اس کے لیے آپ کا حد درجہ شکر گزار ہوں لیکن آپ جانتے ہیں کہ میں صرف ایک غازی یا مجاہد ہوں اس لیے مجھے جہاد کے علاوہ ملکی انتظام و انصرام کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔" نعمان کے اس جواب پر آپ نے فرمایا :" تم پہلے جا کر ان علاقوں کو فتح تو کرو، اس کے بعد دوسری باتیں بعد میں دیکھی جائیں گی۔" اس پر نعمان بولے : میں تعمیل ارشاد کے لیے حاضر ہوں۔" چنانچہ فتح نہاوند وغیرہ کے لیے سردار لشکر کا انتخاب کرنے کے بعد آپ نے اہل کوفہ کو نعمان بن مقرن کی مدد کے لیے لکھا اور ان کے ساتھ زبیر بن عوام عمرو بن معدیکرب، حذیفہ، ابن عمر اور اشعث بن قیس کو بھی روانہ کر دیا۔ جب نعمان بن مقرن فارس میں داخل ہوئے تو انہوں نے پہلے نہاوند کے حکمران کے پاس اپنا قاصد بھیجا اور خود نہر نہاوند کے پار اس علاقے میں ٹھہرے جسے "ذی الجناحین" کہا جاتا ہے۔ قاصد کے بارے میں انہوں نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا کہ وہ نہاوند کے حکمران سے سیاسی گفتگو کرے یا اس سے جنگ کی گفتگو چھیڑے تو انہیں یہ مشورہ دیا گیا کہ اس سے پہلے مصالحانہ گفتگو کی جائے لیکن اس کے مخالفانہ جواب کی صورت میں جنگ کے سوا اور چارہ کار ہی کیا رہ جائے گا۔ اس مشورے کے بعد مغیرہ کو بطور قاصد نہاوند کے حکمران کے پاس بھیجا گیا اور جب وہ اس کے دربار میں پہنچے تو دیکھا کہ وہ ایک مرصع تخت پر بیٹھا ہے، اس کا بادشاہوں جیسا مُذہّب و مطلا ہے اور اس پر بیش قیمت جواہرات لگے ہوئے ہیں۔ اور اس کے علاوہ اس کے سر پر بے بہا مرصع تاج ہے۔ حکمران کے دائیں بائیں اس کے بیٹے زرنگار نشستوں پر بیٹھے ہیں اور وہ بھی زرق برق لباس میں ملبوس ہیں۔ اسی طرح اس کے اہل دربار بھی اپنے اپنے مرتبے کے مطابق دائیں بائیں اور سامنے اعلیٰ نشستوں پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ دربار ہال میں اس سرے سے اس سرے تک بیش قیمت قالین پڑے ہوئے ہیں۔ مغیرہ اور اُن کے دونوں ساتھی دربار ہال کے دروازے سے داخل ہو کر بڑی بے باکی کے ساتھ شاہی تخت تک جا پہنچے اور ان کے لیے جو نشستیں رکھی گئی تھیں انہیں چھوڑ کر تخت کے سامنے کھڑے ہو کر بادشاہ سے گفتگو شروع کرنا چاہی تو بڑی نخوت سے بولا : تم عرب لوگ بڑے غیر مہذب بلکہ اجڈ ہو تمہیں شاہی درباروں کے آداب سے واقفیت

نہیں ہے اور ہوتی بھی کیسے ہیں نے سُنا ہے کہ تم کھانے میں سُور اور کتوں تک کا گوشت کھا لیتے ہو، جنگلیوں کی طرح لڑتے ہو اور اسے اپنی بہادری سمجھتے ہو لیکن میں تمہارے دماغ سے بہت جلد یہ خناس نکال کر سارے عراق و شام پر پہلے کی طرح قبضہ کر لوں گا۔"

نہاوند کے حکمران کی یہ لاف و گزاف سُن کر مغیرہ بولے: "ایں خیال است و محال است و جنوں"۔ جہاں تک ہمارے وحشی ہونے اور کھانے پینے کا سوال ہے تو وہ زمانۂ جاہلیت کا دور تھا۔ اب خدائے واحد کے فضل سے ہم نے اپنے عادات و اطوار دُرست کر لیے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس کا کوئی شریک نہیں ہم میں اپنا آخری نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) مبعوث فرمایا ہے، اس نے ہمیں حلال و حرام میں فرق اور نیکی و بدی وحق و باطل میں تمیز کرنا سکھایا ہے۔ تم اگر ہماری مخالفت سے ہاتھ اُٹھا لو گے تو ہم بھی تم سے درگزر کریں گے ورنہ تمہارا یہ تاج و تخت خاک میں ملا دیں گے تمہیں سفیروں سے بات کرنے کا ڈھنگ نہیں آتا، ہم تمہارے سفیروں سے اس قسم کی گفتگو کبھی نہ کرتے اور ان سے اس متکبرانہ انداز کے ساتھ کبھی پیش نہ آتے۔ بہر کیف اب ہم تمہارا جواب سُننے کے منتظر ہیں۔"

نہاوند کے حکمران کو مغیرہ کی یہ فصیح و بلیغ تقریر سُن کر سخت تعجب ہوا کیونکہ وہ انہیں اپنے نزدیک ایک جاہل عرب سمجھا تھا۔ پھر بھی بڑی نخوت سے بولا:۔

"تم اس وقت کا انتظار کرو جب میں تمہاری حکومت اور تمہارے جملہ مقبوضات کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا۔"

یہ سُن کر مغیرہ بولے: اچھا تو ہمیں جانے کی اجازت دیجیے لیکن اتنا اور بتا دیجیے کہ آپ ہم پر حملہ آور ہوں گے یا ہم آگے بڑھ کر آپ کے بقول آپ کی حکومت بلکہ سارے ملک کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں؟" نہاوند کے حکمران نے اسی طرح اکڑ کر جواب دیا: "ہمیں تمہاری طرف آئیں گے۔" اس کے بعد مغیرہ اور ان کے ہمراہی فارس کے شاہی دربار سے رخصت ہو گئے۔

نعمان بن مقرن نہاوند کے بادشاہ کے ساتھ مغیرہ کی گفتگو سُن کر بہت خوش ہوئے، پھر بولے:۔ "میں جانتا ہوں تم صاحب اوصاف ہو، تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات میں شریک رہے ہو، بے شک خطابت کے علاوہ تمہاری جنگی مہارت بھی مسلمہ ہے تم نے طلوع سحر سے قبل جنگ کبھی شروع نہیں کی نہ رات کے وقت اور کمک آنے سے پہلے جنگ جاری

دکھی۔ تم نے جنگ سے کبھی منہ نہیں موڑا اور اکثر زخمی ہوئے ہو۔

مغیرہ بیان کرتے ہیں کہ نہاوند کا بادشاہ اپنے وعدے کے مطابق ہم پر آگے بڑھ کر حملہ آور تو کیا ہوتا اس کی طرف سے جب ہمیں کسی ایسے اقدام کی خبر نہ ملی تو خود ہم نے اس کے ملک میں پیش قدمی کی اور میدانِ جنگ میں جب اس کی فوج کے بے شمار سردار اور سپاہی مارے گئے تو اس نے ہتھیار ڈال دینے ہی میں بہتری سمجھی۔

نعمان بن مقرن کے بارے میں مغیرہ بیان کرتے ہیں کہ وہ بے مثل مجاہد ہونے کے علاوہ بڑا انتشرع شخص تھا، عدل وانصاف کے سلسلے میں اس کا پلہ دُوسرے بہتوں سے بھاری تھا۔ اپنے بارے میں نعمان نے مغیرہ کے بقول صرف اتنا کہا: میں نے تین بار کے علاوہ اپنا جھنڈا کبھی نیچا نہیں کیا اور گھوڑے کی پیٹھ سے زمین کی طرف جُھکا نہیں یعنی گھوڑے سے نیچے نہیں اُترا، پہلی بار جب کسی شکستہ حال سائل نے مجھ سے کوئی سوال کیا، دوسرے جب اپنے کسی ساتھی مجاہد کو اس کے جوتے کے ٹوٹے ہوئے تسمے کی طرف جھکا ہوا پایا یا اسے تلوار وغیرہ کی ضرورت پیش آئی تیسرے جب کسی زخمی مجاہد کو میدانِ جنگ سے اُٹھانے کی ضرورت ہوئی کیونکہ اس کے دوسرے ساتھی اس کی طرف شدتِ جنگ کی وجہ سے متوجہ نہ تھے۔"

مغیرہ کہتے ہیں کہ جنگ نہاوند کے وقت میں نے سوچا تھا کہ اگر اس جنگ میں نعمان شہید ہو گئے تو میں ان کی جگہ اس وقت تک لڑوں گا جب تک مسلمانوں کی فتح اور ملک میں امن قائم نہ ہو جائے۔ اس کے بعد مغیرہ بیان کرتے ہیں کہ اس روز میں نے مغیرہ کی مدد کے لیے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی تھی تاکہ قوم کو امن حاصل ہو جائے۔ اس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ نعمان نے واقعی جنگ نہاوند کے روز صرف تین بار اپنا جھنڈا انہیں تین حالتوں میں نیچا کیا جن کے بارے میں وہ مجھے بتا چکے تھے۔ اس روز کی جنگ نہر نہاوند کے دوسری طرف میدان "ذی جناحین" ہی میں ہوئی، نعمان نے حد سے زیادہ شجاعت کا ثبوت دیا اور دشمن کی فوج میں تن تنہا کشتوں کے پشتے لگا دیے، لیکن وہ ایک بزدل دشمن کے ہاتھوں میں جس نے چھپ کر ان پر حملہ کیا شہید ہو گئے۔ ہمیں یقین ہے کہ وہ اب خلد نشین وجنت نشین ہوں گے۔ ان کی شہادت کے بعد لوگوں نے اشعث بن قیس کو ان کی والدہ کے خیمے میں بھیجا اور ان سے دریافت کرایا کہ حضرت عمرؓ کی طرف سے ان کی یعنی نعمان کی نیابت کا کوئی تحریری حکم ان کے پاس ہے تو انہوں نے نعمان کے نام حضرت عمرؓ کا ایک مکتوب دکھایا جس میں صریحی طور پر تحریر تھا کہ نعمان کی

شہادت کی صورت میں فلاں شخص امیر لشکر ہوں گے اور ان کے بعد فلاں فلاں اشخاص یکے بعد دیگرے امیران لشکر ہوں گے۔

مغیرہ آخر میں بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے　　اپنے فضل سے اسی روز مسلمانوں کو دشمنوں پر فتح عظیم بخشی۔

شہدائے نہاوند

جنگ نہاوند کا مختصر ذکر ہم نے سطور بالا میں کیا۔ اس روز فارس کا عظیم ترین لشکر میدان میں آیا تھا لیکن اس کے اکثر و بیشتر سردار اور سپاہی جنگ میں کام آ گئے تھے جس کی وجہ سے دشمن کو پسپا ہونا پڑا اور اسلامی لشکر کو فتح نصیب ہوئی۔ اس جنگ میں جو مسلمان شہید ہوئے ان میں نعمان بن مقرن کے علاوہ عمرو بن معدیکرب وغیرہ بھی تھے۔ ان کی قبریں نہاوند سے ایک کوس کے فاصلے پر اب بھی موجود ہے۔ جنگ نہاوند کے تفصیلی واقعات ہم اپنی پچھلی کتابوں میں بیان کر چکے ہیں۔

عربی قبائل کے بارے میں حضرت عمرؓ کے عمرو بن معدیکرب سے سوالات

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عربی قبائل کے بارے میں عمرو بن معدیکرب سے جو مندرجہ ذیل سوالات کیے ان سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ آپ ان کے متعلق لاعلم تھے بلکہ آپ ان کے بارے میں عمرو بن معدیکرب جیسے ماہر انساب اور باخبر شخص سے اپنی رائے کی تصدیق فرمانا چاہتے تھے۔

ابو مخنف لوط بن یحییٰ نے بیان کیا ہے کہ جب عمرو بن معدیکرب　　کوفے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے سب سے پہلے ان سے سعد بن ابی وقاص کی خیریت دریافت کی تو عمرو بن معدیکرب نے ان کی خیر و عافیت کی اطلاع دینے کے بعد ان کی بہت تعریف کی۔ اس کے بعد آپ نے ان سے مذحج کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے جو ان کے متعلق انہیں معلوم تھا آپ کے روبرو بیان کر دیا۔ اس کے بعد آپ نے ان سے خود ان کی قوم کے بارے میں دریافت کیا اور یہ بھی فرمایا کہ جو کچھ کہیں مختصر کہیں لیکن اپنی قوم کی ہر کمزوری کو صاف صاف بیان کریں تو وہ بولے: "میری قوم کے کسی فرد میں کوئی کمزوری ہوتی تو میں اسے ضرور بیان کرتا۔" اس کے بعد آپ نے ان سے علقمہ بن جلو کے بارے میں دریافت کیا تو وہ بولے کہ اپنے سواروں کے ذریعہ ہماری مدد کرتے ہیں اور ہمیں کوئی تکلیف ہو تو اسے دُور کرنے کی حتی الامکان کوشش کرتے ہیں یعنی بیماریوں کے علاج معالجے میں بھی ہمارا ہاتھ بٹاتے ہیں اور وہ ان کا سارا قبیلہ ہتھیار بند ہے

چنانچہ جہاد کے لیے ہر وقت تیار رہتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے ان سے سعد بن ابی وقاص کے عزیزوں کے متعلق دریافت کیا تو وہ بولے کہ وہ سب کے سب بڑے عظیم کردار کے لوگ ہیں، بڑے سخی اور صاحب ایثار ہیں، ان میں سے ہر فرد کسی قوم کا رئیس ہونے کے قابل ہے۔ اس کے بعد آپ نے ان سے مُراد کے باقی ماندہ لوگوں کے بارے میں دریافت کیا تو وہ بولے کہ انہوں نے ہمارے گھروں کو وسعت دی ہے، وہ بڑے اچھے پڑوسی ہیں، دُوری ونزدیکی کا خیال نہیں کرتے، بڑے متقی اور پرہیزگار لوگ ہیں اور خیر و فلاح کے کاموں کے لیے ہمہ وقت کوشاں رہتے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے ان سے بنی زبید کے بارے میں دریافت کیا تو وہ بولے: مجھے ان کے بارے میں تو بہت کم معلوم ہے لیکن لوگوں سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا ہے کہ وہ تمام اچھی باتوں کے علاوہ دکھ بُری باتوں میں بھی سب سے آگے رہتے ہیں" اس کے بعد آپ نے ان سے بنی طے کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے بتایا کہ وہ سخاوت میں سب سے بڑھ کر بلکہ سارے عرب کی انگیٹھی ہیں یعنی ساری قوم عرب کو فیض پہنچانے میں پیش پیش ہیں۔ اس کے بعد جب آپ نے ان سے بنی حمیر کے بارے میں دریافت کیا تو وہ بولے:۔ "عفو و درگزر میں پیش پیش اور اکل و شرب میں پاک صاف۔" جب ان سے قبیلہ کندہ کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ بندگان خدا میں بھلا کہلانے کے مستحق نہیں ہیں کیونکہ ان کی وضع قطع اور گفتگو سے شہریوں کی طرح اظہار تمکنت ہوتا ہے۔ جب ان سے بنی ہمدان کے متعلق دریافت کیا گیا تو وہ بولے کہ وہ رات کے راہی اور اہل میل ہیں، کسی کے پاس پڑوس میں رہنے کو اچھا نہیں سمجھتے بلکہ زیادہ سے زیادہ کی طلب میں ادھر اُدھر گھومتے پھرتے ہیں۔ جب ان سے بنی ازد کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ کثیر العیال ہیں اور انہوں نے بہت سی بستیاں بسائی ہیں۔ حارث ابن کعب کے بارے میں انہوں نے بتایا کہ وہ بڑے دانا بینا ہیں، اہل دام درہم ہیں "اپنے نیزوں کے پاس کسی کو پھٹکنے نہیں دیتے۔ بنی لخم کے متعلق انہوں نے کہا کہ وہ ہلاکت میں مقدم اور آبادکاری میں مؤخر ہیں۔ بنی جذام کے متعلق انہوں نے کہا کہ وہ بڑے بوڑھوں کی طرح جہاں دیدہ لوگ ہیں اور قول و عمل دونوں میں اچھے ہیں۔ جب ان سے قبیلہ غسّان کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ زمانہ جاہلیت میں سردار تھے اور زمانہ اسلام میں ستاروں کی طرح چمکتے ہیں۔ جب ان سے اوس و خزرج کے بارے میں دریافت کیا تو وہ بولے: "وہ انصار

ہیں انہوں نے ہمارے لیے گھر فراہم کیے اور ہمیں ہر تکلیف سے بچانے کا خیال رکھا - میں یا میرا قبیلہ ان کی تعریف میں کیا کہے گا جب کہ خود اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف اس طرح کی ہے (والذین تبتو والدار والایمان - آیت) جب ان سے خزاعہ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا :" وہ اور بنی کنانہ ایک ہی ہیں، اس لیے ہمارے ہم نسب ہیں، انہوں نے ہماری بہت مدد کی ہے -" جب ان سے یہ دریافت کیا گیا کہ ان کی دشمنی میں پہلے کون سے قبائل پیش پیش تھے جن میں سے کچھ اب بھی باقی ہیں تو انہوں نے ربیعہ کی چند شاخوں کا ذکر کیا - عمرو بن معدیکرب کے قبیلے اور بنی ربیعہ میں اختلافات اور بغض و حسد نیز حد درجہ عداوت کے بارے میں مؤرخین نے بہت کچھ لکھا ہے جس کی تفصیل ہم اپنی پچھلی کتابوں میں پیش کر چکے ہیں -

حرب کے بارے میں سوال

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عمرو بن معدیکرب سے حرب کے بارے میں سوال کیا تو وہ بولے :" اسے نیچے سے دیکھیے تو اچھی طرح اور اوپر سے دیکھیے تو بُری -" آپ نے پوچھا :" اس کا کیا مطلب ہے ؟" وہ بے باکی سے بولے :" آپ اسے اپنی والدہ سے مماثلت دے سکتے ہیں -" یہ سن کر حضرت عمرؓ ان کے سر پر اپنا دُرّہ لہرایا پھر تلوار کی طرف ہاتھ بڑھا کر بولے :" بدتمیزی کو تو میں تمہاری زبان کاٹ ڈالوں گا -" اس گفتگو کے بعد حضرت عمرؓ عمرو بن معدیکرب سے کافی عرصے تک ناراض رہے تھے لیکن پھر انہیں معاف کر دیا تھا -

اس کے بعد جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور عمرو بن معدیکرب ایک دوسرے سے مانوس ہوئے تو آپ نے ایک روز ان سے دریافت کیا :" تم زمانہ جاہلیت میں بہت سی لڑائیوں میں شریک رہے اور بہت سے مانوس و نامانوس قبائل سے تمہیں واسطہ پڑا ہے اور اب بھی تم انہیں جانتے ہو گے، ان کے بارے میں کچھ بتاؤ -"

وہ بولے : میں نے زمانۂ جاہلیت میں کبھی جھوٹ نہیں بولا تو اب اسلام لانے کے بعد جھوٹ کیسے بولوں گا سنیے ایک دفعہ زمانۂ جاہلیت میں حرب کی ایک شاخ سعد سے واسطہ پڑا تھا، وہ ایک خانہ بدوش بدوی قبیلہ تھا - میں نے ان کی عورتوں کو حسن و جمال میں لاجواب پایا تھا، اب زمانۂ اسلام میں بھی میرا اس قبیلے کی طرف گزر ہوا جسے اسلام کی خوبیوں کے بارے میں غالباً آگاہی نہیں ہے تو پہلے ایک شخص جو ان کا سردار معلوم ہوتا تھا ننگی تلوار لے کر میری طرف بڑھا، میں نے اسے بتایا کہ میں عمرو بن معدیکرب ہوں اور ان کا دشمن نہیں ہوں

تو وہ مجھے گھوڑے سے اُترنے کا اشارہ کر کے اپنے خیمے کی طرف ہولیا، میں سمجھ گیا وہ قبیلہ سمعہ کا سردار تھا بہرحال جب میں اس کے پیچھے چلتا ہوا اس کے خیمے کے باہر رُک گیا تو اس نے بڑے نرم الفاظ میں مجھے خیمے میں داخلے کی اجازت دے دی اور اپنا نام ربیعہ بن مکدم بتایا۔ وہاں ایک حددرجہ حسین وجمیل عورت بڑے خوبصورت کپڑے کے فرش پر بیٹھی ہوئی تھی اور ..." حضرت عمرؓ نے عمرو بن معدیکرب کا قطع کلام کرتے ہوئے پوچھا؛" تم نے کیسے سمجھا کہ وہ قبیلہ سمعہ تھا؟" عمرو بولے:" وہاں ہر طرف طرح طرح کے کھانے پینے کا سامان ہو رہا تھا دیگیں چولہوں پر چڑھی ہوئی تھیں جن کی خوشبو اُڑ کر دُور دُور تک جا رہی تھی۔ قبیلہ سمعہ زمانہ جاہلیت میں بھی جنگجوئی کے علاوہ فیاضی اور تواضع میں مشہور تھا اور پہلے بھی اس کے پاس خانہ بدوش ہونے کے باوجود سامانِ عیش وعشرت سب قبیلوں سے زیادہ تھا اور آج کل بھی وہ اس لحاظ سے سارے عرب میں ممتاز ترین سمجھا جاتا ہے۔ اس سردار نے جب مجھے کھانے پر بٹھایا تو میں اس کے دسترخوان پر انواع واقسام کے کھانے دیکھ کر حیران ہوا اور سمجھ گیا کہ وہ سمعہ بنی حرب کے سوا کوئی دوسرا قبیلہ نہیں ہے۔" یہ سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا؛" تم ابھی اس قبیلے کے سردار کے خیمے میں بیٹھی ہوئی ایک عورت کا ذکر کر رہے تھے۔" عمرو بولے؛" جی ہاں اس عورت کی خوب صورتی نے بھی مجھے یہ سمجھنے میں مدد دی کہ اس کا تعلق سمعہ بن حرب سے ہے، اس نے مجھ سے بڑے نرم الفاظ میں میرا، میرے قبیلے اور دوسرے قبیلوں کی عورتوں کا حال پوچھا اور جب میں نے اسے ان کا مختصر حال بتایا تو وہ رونے لگی۔ میں نے اس سے رونے کا سبب پوچھا تو وہ بولی کہ افسوس میں اپنی دوسری بہنوں کی طرح اسلامی طرزِ معاشرت اور اس قابلِ تعریف دین سے بہرہ یاب نہ ہو سکی۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زمانۂ جاہلیت میں بھی شام وعراق کے کئی بار سفر کیے تھے اور وہاں کے حکمرانوں سے ملاقات کی تھی، اسی طرح آپ نے اسلامی دور میں بھی متعدد سفر کیے آپ کے حُسنِ تدبّر، سیرت واخلاق کے بارے میں نیز آپ کے دورِ خلافت میں فتوحِ فارس ومصر وشام وعراق اور دوسرے شہروں میں غلبۂ اسلام کے متعلق جو آپ کی بہترین سیاست کا نتیجہ تھا مؤرخین اور دیگر اہلِ سیر نے بہت کچھ لکھا ہے اور ہم نے بھی ان تمام حالات وکوائف اور آپ کی سیرت وکردار، فراست وتدبّر وغیرہ کے بارے میں اپنی پچھلی دو کتابوں "اخبار الزماں" اور "کتاب الاوسط" میں تفصیل کے ساتھ لکھا اور اظہارِ خیال کیا ہے۔

اور اسکندریہ کے مذکورہ بالا آراستہ وپیراستہ مکانوں اور ان کے بیش قیمت ساز وسامان کے علاوہ ان کے ترکے میں پچاس ہزار دینار، ایک ہزار گھوڑے اور ایک ہزار لونڈیاں اور غلام پائے گئے۔

طلحہ بن عبید اللہ کی ثروت

اسی طرح طلحہ بن عبید اللہ تیمی نے کوفے میں ایک عالیشان مکان تعمیر کیا تھا جو "کناسہ دار البطحین" کے نام سے آج تک مشہور ہے، عراق کی گورنری کے زمانے میں ان کی وہاں کی آمدنی ہر روز ہزار دینار ہوتے تھے، انہوں نے مدینے میں بھی پختہ اینٹوں چونے کے پتھر اور ساکھو کے درخت کی قیمتی لکڑی سے ایک مکان بنایا تھا۔

عبد الرحمٰنؓ بن عوف کی ثروت

اسی طرح عبد الرحمٰن بن عوف زہری نے بھی ایک مکان بنایا تھا اور اسے بڑھا بڑھا کر حد سے زیادہ وسیع کر لیا تھا، ان کے اصطبل میں ہر وقت سو گھوڑے موجود رہتے تھے اور ان کے پاس ایک ہزار اونٹوں کے علاوہ دس ہزار بکریاں تھیں۔ ان کی وفات کے بعد ان کے نقد مال کی چوتھائی قیمت کا اندازہ ۸۴ ہزار دینار لگایا گیا تھا۔

دُوسرے صحابہ کی ثروت

دوسرے صحابہ کی ثروت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ سعد بن ابی وقاص نے عقیق میں ایک عالی شان مکان بنایا تھا جس کی چھت اور دیواریں انتہائی بلند تھیں اور اس سر بفلک چھت پر بلند و بالا برجیاں بنائی گئی تھیں۔

سعید بن مُسَیّب کہتے ہیں کہ زید بن ثابت نے اپنے انتقال کے وقت کثیر مقدار میں چاندی سونے اور دوسرے نمائشی سامان کے علاوہ ایک لاکھ دینار چھوڑے تھے۔

اس طرح مقداد نے مدینے سے چند میل کے فاصلے پر مشہور مقام جُرف میں ایک مکان بنایا تھا جس کی چھت پر بُرج بنوائے تھے اس کل مکان میں اندر اور باہر ساکھو کی قیمتی لکڑی استعمال کی گئی تھی۔

اسی طرح یعلیٰ بن منیہ نے اپنے انتقال کے بعد پانچ لاکھ دینار نقد اور لوگوں پر قرضے اور زمینوں کے علاوہ جو قیمتی سامان چھوڑا تھا اس کی قیمت کا اندازہ کم سے پانچ لاکھ دینار لگایا گیا تھا۔

سطور بالا میں ہم نے جو کچھ بیان کیا اس سے ہمارا مقصد دورِ عثمانی میں مال کی ریل پیل اور

صحابہ تک میں جمع مال و دولت کے جذبے کا اظہار تھا جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اس کا نام و نشان تک نہ تھا۔ وہ خود جب ایک بار حج کے لیے تشریف لے گئے تھے تو آمد و رفت پر سولہ دینار خرچ ہوئے تھے، اس کے باوجود اپنے بیٹے سے فرمایا تھا: "اس سفر پر ہم نے اپنی حیثیت سے زیادہ خرچ کر دیا ہے۔" اس سے دورِ فاروقی اور دورِ عثمانی کے فرق کا بہ لحاظ اسراف و تبذیر اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے ضمن میں حمص کے گورنر کا واقعہ پچھلے صفحات میں بیان کیا جا چکا ہے۔ انہیں کے زمانے میں ایک اور قابلِ ذکر واقعہ یہ ہے کہ اہلِ کوفہ نے اپنے امیر سعد بن ابی وقاص کی شکایت حضرت عمرؓ کو لکھی تھی تو آپ نے محمد بن مسلمہ انصاری، بنی عبدالاشہر کے حلیف کو وہاں بھیجا تھا۔ انہوں نے وہاں پہنچ کر باب کوفہ پر وہاں کے گورنر سعد بن ابی وقاص کو طلب کیا تھا اور اس کے بعد انہیں مسجدیں لے جا کر ان کے خلاف اہلِ کوفہ کی شکایات سُنی تھیں تو بعض لوگوں نے ان کی تعریف کی تھی اور بعض نے ان کی شکایت کی تھی۔ اس کے باوجود حضرت عمرؓ نے سعد بن ابی وقاص کو معزول کر کے ان کی جگہ عمار بن یاسر کو انتظامیہ کا اور عثمان بن حنیف کو محصولات کا ذمہ دار بنا کر کوفے بھیجا تھا۔ ان کے علاوہ عبداللہ بن مسعود کو بیت المال کی ذمہ داری سونپی تھی اور انہیں یعنی ان تینوں کو یہ بھی حکم دیا تھا کہ وہ اہلِ کوفہ کو قرآن کی کم سے کم ایک ایک آیت کا درس دیا کریں۔ جہاں تک ان تینوں کی نشست گاہ میں فرش کا تعلق ہے تو عمار بن یاسر گورنر کوفہ کے لیے ایک علیحدہ فرش تھا جب کہ عبداللہ بن مسعود اور عثمان بن حنیف کی نشست گاہ کا فرش مشترکہ تھا پس کہاں حضرت عثمانؓ اور کہاں حضرت عمرؓ فاروق۔

حضرت عثمانؓ کے عمال (گورنر)

حضرت عثمانؓ کے خلیفہ ہوتے ہی آپ کے پاس حکم بن ابی العاص اس کا بیٹا مروان اور بنی اُمیہ کے دوسرے لوگ پہنچ گئے۔ حکم وہ شخص تھا جسے سرکشی کی وجہ سے مدینے سے نکال کر اپنے قریب پھٹکنے سے بھی منع کر دیا تھا لیکن حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں بنو اُمیہ کے جن لوگوں کو گورنری کے عہدے دیے گئے ان میں سے ولید بن عقبہ کو کوفے کا گورنر بنایا گیا (یہ وہ شخص تھا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناری (دوزخی) فرمایا تھا) عبداللہ بن ابی سرح کو مصر کی گورنری کا عہدہ دیا گیا اور معاویہ بن ابی سفیان کو شام کا گورنر مقرر کیا گیا۔ ان کے علاوہ عبداللہ بن عامر کو بصرے کی گورنری دی گئی (جب ولید بن عقبہ کو اس کی بدعنوانیوں کی وجہ سے) کوفے کی گورنری سے علیحدہ کیا گیا تو

اس کی جگہ سعید ابن العاص کو بھیج دیا گیا۔

ولید بن عُقبہ

ہم نے ابھی ولید بن عقبہ کی کوفے کی گورنری سے علیحدگی کا سبب اس کی بدعنوانیاں بتایا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ وہ صبح سے شام تک اپنے ہم صحبت لوگوں کے ساتھ شراب پیتا اور اس کے نشے میں مدہوش رہتا تھا اور رات ہوتے ہی اس کی مجلس میں ارباب نشاط آ دھمکتے جن سے وہ صبح تک گانا سُنتا رہتا تھا۔ جب مؤذن صبح کی اذان دیتا تو وہ اس مجلس عیش و نشاط سے جھومتا جھامتا بلکہ لڑکھڑاتا ہوا اُٹھتا اور مسجد میں داخل ہو کر محراب مسجد میں نماز فجر کی امامت کے لیے کھڑا ہو جاتا۔ ایک ایسے ہی موقع پر جب اس کے پیچھے چار صفوں میں مقتدی نماز پڑھ رہے تھے تو اس نے پہلی ہی رکعت میں سجدے سے اُٹھنے کا نام نہ لیا بلکہ لڑکھڑاتی زبان سے بولا تو یہ کہ "کیا اور زیادہ نماز پڑھاؤں ؟" یہ سُن کر پہلی صف کے مقتدیوں میں سے کوئی بولا: "خدا تجھے نیک ہدایت دے، اللہ تعالے نے جتنی نماز فرض کی ہے تو اس سے زیادہ کیا پڑھائے گا ؟ یوں تجھ سے کچھ بعید نہیں ہے، ہمیں اگر تعجب ہے تو صرف اس بات پر کہ تو ہمارا امیر کیسے بن گیا ہے !" جس شخص نے ولید بن عقبہ سے یہ بات کہی تھی اس کا نام عتاب بن غیلان ثقفی تھا۔

جب ولید اپنی مذکورہ بالا مضحکہ خیز نماز سے فارغ ہوا تو اس نے نمازیوں سے خطاب کرنا چاہا لیکن لوگ اسے گھیر کر لعنت ملامت کرنے لگے، اس لیے وہ کسی نہ کسی طرح ان سے پیچھا چھڑا کر اسی طرح جھومتا جھامتا قصر امارت میں جا گھسا اور شراب و موانعات شرعی کی تعریف میں زمانۂ جاہلیت کے شاعروں کی طرح عُریاں اشعار کہنے لگا۔ اس کے ایسے اشعار سُن کر حطیئہ نے بھی اس کی ہجو میں کچھ اشعار کہے تھے۔

جب اس کی شراب نوشی اور فسق و فجور کے چرچے عام ہونے لگے تو ایک دن مسجد سے کچھ لوگ اس کے پاس پہنچے جن میں ابوزینب بن عوف ازدی اور جندب بن زہیر ازدی وغیرہ بھی شامل تھے تو اسے شراب کے نشے میں دھت تخت پر اوندھا پڑا پایا۔ انہوں نے اسے جگانا چاہا تو اسی حالت میں مغلظات بکنے لگا اور برتن اُٹھا کر اس میں جو شراب تھی ان لوگوں پر اُلٹ دی۔ یہ دیکھ کر ان لوگوں نے بمشکل اس کے ہاتھ سے شراب کا برتن چھینا اور قصر امارت سے باہر نکل کر فوری طور پر خلیفہ وقت حضرت عثمانؓ سے اس کی شکایت کرنے اور اس کے خلاف شرع افعال کی گواہی دینے کے لیے کوفے سے مدینے روانہ ہو گئے۔ جب انہوں نے حضرت

عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوکر ولید کی بداعمالیوں کی شکایت کی تو وہ بولے: "تم کس طرح سمجھے کہ اس نے شراب ہی پی رکھی تھی؟" ان لوگوں نے آپ کو سارا واقعہ سُنا کر کہا، اس نے جس شراب کا برتن اُٹھا کر اسے ہمارے منہ اور سینوں پر اُلٹا تھا اس میں وہی شراب تھی جو ہم زمانہ جاہلیت میں پیا کرتے تھے۔" اس کے باوجود آپ نے انہیں جھڑک دیا اور بولے: "تم ایسے من گھڑت قصے سُنا کر ولید کے خلاف مجھ سے کسی کاروائی کی اُمید مت رکھو۔" وہاں سے مایوس ہوکر وہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے اور انہیں سارا ماجرا سنایا۔ چنانچہ وہ حضرت عثمانؓ کے پاس آئے اور ان سے کہا: "آپ نے گواہوں کو نکال کر حدودِ شرعی کا ابطال کیا ہے" اس پر وہ بولے: "آپ اس معاملے میں کس نتیجے پر پہنچے ہیں؟" آپ نے کہا: "میں سمجھتا ہوں کہ اگر یہ لوگ سچ کہتے ہیں تو ولید کو بلا کر اس کی تصدیق کی جائے اور ان کی شکایات درست ثابت ہوں تو اس پر شرعی حد جاری کی جائے۔" چنانچہ ولید کو کوفے سے طلب کیا گیا اور جب اسے اپنے خلاف شکایات کے سلسلے میں کوئی معقول جواب دینے کے بجائے خاموش پایا تو حضرت عثمانؓ نے اپنا کوڑا حضرت علیؓ کی طرف بڑھایا۔ آپ نے اپنے بیٹے حسن سے کہا: "اسے تھامے رہو، میں اسے خود حکم خداوندی کے مطابق کوڑے لگاؤں گا۔" جب آپ کوڑا لے کر اس کی طرف بڑھے تو وہ آپ کو گالیاں دینے لگا اور کہنے لگا کہ آپ چند لوگوں کی گواہی پر مجھے سزا دینا چاہتے ہیں نیز کچھ اور لوگ بھی حضرت عثمانؓ سے اس کی قرابت داری کا خیال کرکے حضرت علیؓ سے کہنے لگے کہ اسے کوڑوں کی سزا نہ دی جائے۔ لیکن جب حضرت علیؓ کوڑا لے کر اس کے پاس پہنچے تو اس نے آپ کو "صاحب مکس" یعنی محصول جمع کرنے والا کہہ کر خطاب کیا۔ اس پر عقیل بن ابی طالب نے جو اس وقت وہاں موجود تھے اس سے کہا: "تو دوسروں کو اسے ابی معیط کے بیٹے کیا کہتا ہے، اپنے آپ پر نظر نہیں ڈالتا کہ تو خود کیا ہے، تو اہل صفوریہ (عکا دالجوف کے درمیان ایک گاؤں کا نام جو طبریہ میں اُردن کا علاقہ ہے جہاں ولید کے یہودی آباؤ اجداد رہتے تھے) کا لدّو، گدھا ہے۔" جب حضرت علیؓ ولید کے اور قریب پہنچے تو وہ ان پر جھپٹ پڑا لیکن آپ نے اسے سر سے بلند کرکے زمین پر پٹک دیا اور جب اسے ضرب لگانے کے لیے کوڑا بلند کیا تو حضرت عثمان بولے: "آپ اس کے ساتھ ایسا سخت برتاؤ کرنے کا حق نہیں رکھتے۔" حضرت علیؓ بولے: "میں اسے کوڑے لگا کر فرمان خداوندی کی تعمیل کرنا چاہتا ہوں لیکن آپ اس میں مزاحمت کرنا چاہتے ہیں۔"

سعید بن عاص ولید بن عقبہ کے بعد سعید بن عاص کو کوفے کا گورنر مقرر کیا گیا تو اوّل اوّل تو اس نے بڑی صاف باطنی اور پاک طینتی کا ثبوت دیا۔ مثلاً جب وہ پہلے پہل کوفے پہنچا اور لوگوں سے خطاب کرنا چاہا تو اس نے مسجد کے منبر کو یہ کہہ کر دھلوایا کہ اس پر ولید جیسا نجس شخص بیٹھا تھا، اس لیے وہ ناپاک ہوگیا ہے۔ لیکن کچھ عرصہ بعد اس نے بھی ہاتھ پاؤں اور پر پرزے نکالنے شروع کیے تو اس کے خلاف بھی مدینے میں شکایات پہنچنے لگیں۔ اس کے خلاف شکایات یہ تھیں کہ اس نے ان ارضی قطعات کو اپنے لیے مخصوص کر لیا ہے جو قریش کو دی گئی تھیں۔ اس کے علاوہ یہ کہ وہ محصولات میں بھی خیانت کا مرتکب ہوا ہے۔ یہ شکایات پہلے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو زبانی پہنچائی گئیں لیکن پھر اس سلسلے میں انہیں متعدد خطوط بھی لکھے گئے۔

پہلے مالک اشتر بن حارث نخعی نے سعید بن عاص سے یہ بھی کہا کہ "کیا تو ان زمینوں کو ناجائز طور پر اپنے اور اپنے لوگوں کے لیے مخصوص کرنا چاہتا ہے جو ہم نے اپنی تلواروں کے سائے اور نیزوں کی نوک پر حاصل کی ہیں؟" مگر جب سعید نے ان کی اس دلیل کو رد کر دیا تو وہ اہل کوفہ کے ستر لوگوں کو ساتھ لے کر مدینے پہنچے اور حضرت عثمان رضؓ کی خدمت میں ذاتی طور پر سعید بن عاص کی بے اعتدالیوں اور بدعنوانیوں کے متعلق شکایات پیش کیں اور ان سے گزارش کی کہ سعید کو معزول کر دیا جائے۔ مالک اشتر اپنے ہمراہیوں کے ساتھ مدینے میں کافی عرصے تک ٹھہرے رہے لیکن حضرت عثمانؓ نے ان کی شکایات کے سلسلے میں سعید کے خلاف کوئی اقدام نہیں کیا بلکہ اس اثناء میں ان کے دوسرے گورنر مدینے آ پہنچے۔ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح مصر سے، معاویہ شام سے، عبداللہ بن عامر بصرے سے اور خود سعید بن عاص کوفے سے آئے اور کافی دنوں تک مدینے میں ٹھہرے رہے۔ جب سعید کافی عرصے تک کوفے نہیں پہنچے نہ ان کے معزول ہونے کی اہل کوفہ کو کوئی خبر نہ ملی تو انہوں نے باقاعدہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کی بدعنوانیوں کی ناقابل تردید ثبوت کے ساتھ تحریری اطلاع دی جس پر انہوں نے اپنے مذکورہ بالا عمّال (گورنروں) سے پوچھا: "آپ لوگوں کی اس معاملے میں کیا رائے ہے؟" یہ سُن کر معاویہ نے کہا: "میں اپنے ساتھی گورنروں کی شکایات مقامی لوگوں سے موقع بے موقع یا جا بجا سُننے کا روادار نہیں ہوں۔ عبداللہ بن عامر بن کریز بولے: اس سے قبل بھی کوفے کے ایک گورنر کو معزول کیا جا چکا ہے، کیا اب اس کا اعادہ غلط نہیں ہوگا؟" عبدالرحمٰن بن سعد بن ابی سرح نے کہا "کیا گورنروں کی اس طرح بار بار اور جلد جلد معزولی مناسب ہوگی؟" خود سعید بن عاص نے اپنے

الفاظ پہ زور دیتے ہوئے کہا، اس طرح تو کوفے میں گورنروں کا عزل ونصب توآپ کے بجائے اہل کوفہ کی مرضی کے مطابق ہو جائے گا، وہ جب چاہیں گے انہیں یا تو خود معزول کر دیا کریں گے یا آپ سے جا وبے جا شکائتیں کر کے معزول کرادیا کریں گے۔

حضرت عثمان ؓ نے فرمایا "اچھا تم لوگ مسجد میں جاؤ اور معاملے میں عمرو بن عاص جو کچھ کہیں اسے غور سے سنو لیکن گفت وشنید کے علاوہ تمہیں فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں ہے۔"
جب ▪ لوگ مسجد کی طرف جانے لگے تو مالک اشتر بولے: "آپ لوگ کچھ ہی کہیں یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کچھ فیصلہ کریں ہم اس وقت تک سعید کو کوفے میں داخل نہیں ہونے دیں گے جب تک ہم میں سے ایک ایک آدمی زندہ رہے گا کیونکہ سعید صریحی طور پر بدعنوانیوں اور بے اعتدالیوں کا مرتکب ہوا ہے۔" بہرکیف جب سب لوگ مسجد میں پہنچے تو طلحہ وزبیر عمرو بن عاص کے قریب بیٹھ گئے اور ان دونوں نے انہیں اپنے اور قریب آنے کا اشارہ کر کے بولے: "آپ اس معاملے میں کیا کہنا چاہتے ہیں؟" عمرو بن عاص بولے: جب ہم منکرات سے پیچھا چھڑا ہی رہے ہیں تو ان سے چمٹے رہنے سے کیا حاصل ہوگا؟ لیکن میں اس معاملے میں سعید کا ہم خیال ہوں۔" جب طلحہ وزبیر عمرو بن عاص کی رائے معلوم کر چکے تو اس کے بعد مالک اشتر کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے کہا: "سعید نے تمہیں تمہاری زمینوں سے بے دخل تو نہیں کیا۔ اس کے برعکس اس نے اہل کوفہ کو مال ومتاع سے بھی نوازا ہے، لہٰذا تم اپنی شکایات سے قطع نظر کر کے کوفے واپس چلے جاؤ۔" اس کے بعد ان الفاظ کا بھی اضافہ کیا: "تم لوگوں کی آمد ورفت کے اخراجات کا جو اندازہ ہو وہ تم ہم سے لے لو۔" یہ سُن کر مالک اشتر طنزاً بولے: "ہمارا اندازہ ایک لاکھ دینار ہے۔" اس پر طلحہ وزبیر دونوں نے پچاس پچاس ہزار دینار ان کے حوالے کرنا چاہے تو مالک اشتر ان کی یہ پیشکش رد کرتے ہوئے اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اپنے ساتھیوں کے ساتھ گھوڑوں پہ سوار ہوئے اور ان کا رُخ کوفے کی طرف پھیر دیا لیکن سعید بن عاص تو ان سے پہلے ہی کوفے جا پہنچا تھا۔ اس نے کوفے پہنچتے ہی مسجد کا رُخ کیا تھا۔ جب لوگ مسجد میں جمع ہو گئے تو وہ ان سے خطاب کرتے ہوئے بولا: "آپ لوگوں نے دیکھ لیا کہ اہل کوفہ نے میرے خلاف جو شکایات زبانی یا لکھ کر دارالخلافہ بھیجی تھیں وہ غلط تھیں، اس کا ثبوت یہ ہے کہ میں دوبارہ گورنر کی حیثیت سے کوفے لوٹ آیا ہوں۔" اتنا کہہ کر اس نے یہ بھی کہا کہ "جو شخص مجھ سے متفق ہو وہ از سر نو میری اطاعت کا اقرار کر کے میرے ہاتھ پہ

بیعت کرے۔ چنانچہ اسی وقت اہل کوفہ میں سے کم از کم دس ہزار افراد نے اس کی بیعت کر لی۔ وہ اس طرف سے مطمئن ہو کر خفیہ طور پر مدینے یا مکّے کے ارادے سے کوفے سے نکلا لیکن ابھی واقصہ پہنچا تھا کہ اسے اپنی معزولی کی خبر ملی۔ وجہ یہ تھی کہ مالک اُشتر نے کوفے پہنچ کر حضرت عثمان رضؓ کو صاف صاف لکھ دیا تھا کہ وہ سعید بن عاص کو اب کسی قیمت پر کوفے میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ اس کی وجہ انہوں نے سعید کی معصیت زندگی اور خلافِ شرع حرکات بتائی تھیں۔ انہوں نے حضرت عثمان رضؓ کو یہ بھی لکھا تھا کہ وہ سعید بن عاص کے علاوہ جسے چاہیں کوفے کا گورنر مقرر کر کے بھیج دیں۔ چنانچہ اس تمام ردّ و قدح کے بعد آپ نے اہل کوفہ سے انہیں خط لکھ کر دریافت کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ان کا امیر کون تھا اور جب انہیں معلوم ہوا کہ ان کے زمانے میں ابوموسےٰ اشعری کوفے کے گورنر تھے تو انہوں نے انہیں کوفے کا دوبارہ گورنر مقرر کر دیا۔

حضرت عثمان پر طعن و تشنیع کی ابتدا اور اس کا سبب

ہجرت کے پینتیسویں سال حضرت عثمان رضؓ پر طعن و تشنیع اور الزامات کی بہتات ہو گئی اور اس کا سبب ان سے سرزد ہونے والے کچھ افعال کو بتایا گیا۔ اس کی ابتدا ان واقعات سے ہوئی جو آپ کے اور عبداللہ کے مابین پیش آئے اور آپ سے ہذیل کے انحراف اور بیزاری کا سبب بنے۔ انہیں میں سے وہ واقعات ہیں جو عمار بن یاسر کے لیے جھگڑے فساد اور حرب و ضرب کا سبب بنے اور آپ سے بنی مخزوم کی بیزاری اور انحراف کا سبب بھی ٹھہرے۔

ولید بن عقبہ اور مشعوذ یہودی

آپ کے خلاف لوگوں کی شورش اور آپ سے بیزاری کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ ولید بن عقبہ کے پاس ایک یہودی آیا جو مضافاتِ کوفہ میں جسرِ بابل کے قریب ایک گاؤں زرارہ میں رہتا تھا۔ اس کا نام بطرونی تھا اور وہ شعبدے اور جادو کے کھیل دکھایا کرتا تھا۔ ولید اسے کوفے کی مسجد میں لے آیا اور اس کے متعلق یہ خیالی قصہ سنایا کہ اس نے ایک عظیم الجثہ شخص کو گھوڑے پر سوار مسجد میں کل رات کے وقت ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک آتے جاتے دیکھا ہے پھر اس رات کو مذکورہ بالا یہودی نے مسجد میں ایک اونٹ کو رسی پر چلا کر دکھایا۔ اس نے اس کے بعد ایک گدھا بنا کر دکھایا جو اونٹ کے منہ میں داخل ہو کر اس کے دُبر سے نکل گیا۔ اس نے اس کے بعد ایک آدمی کے تلوار سے دو ٹکڑے کر دیے اور جب تلوار کی نوک سے ان ٹکڑوں کی طرف اشارہ کیا تو وہ شخص ان دونوں

ٹکڑے کے ملنے کے بعد زندہ ہو کر کھڑا ہو گیا۔

جو لوگ اس وقت مسجد میں موجود تھے ان میں جندب بن کعب ازدی بھی تھا۔ اس نے اس یہودی کے یہ شعبدے اور جادو کے کھیل دیکھ کر لاحول پڑھی اور انہیں اعمال رحمانی سے بعید اور اعمال شیطانی ٹھہرایا اور تلوار لے کر اس یہودی کے جسم کے دو ٹکڑے کر دیئے پھر اس کی گردن سر سے الگ کر دی جس کے بعد قرآن کی یہ آیت پڑھی: "جاء الحق وزھق الباطل، إنّ الباطل کان زھوقاً۔"

یہ بھی کہا جاتا کہ اس وقت دن تھا۔ جندب یہودی کے یہ شعبدے دیکھ کر مسجد سے نکلے اور جب بازار میں پہنچے تو لوگ اس یہودی کو گھیرے کھڑے تھے۔ جندب نے لوگوں کی بھیڑ میں گھس کر اچانک اپنی تلوار نکالی اور اس یہودی کی گردن پہ ایک ہی وار کر کے اس کا سر تن سے جُدا کر دیا۔ پھر بولے: اگر تو سچّا ہے تو اب زندہ ہو کر دکھا۔ یہ خبر جب ولید کو پہنچی تو اس نے جندب کو گرفتار کرا کے چاہا کہ اسی وقت اسے قتل کر دے اور اس کی دلیل یہ دی کہ ایسے افعال جو یہودی سے دیکھنے میں آئے اولیاءاللہ سے بھی ظہور میں آتے ہیں لیکن ازدی نے جندب کے قتل سے اسے باز رکھا جس پہ ولید نے جندب کو قید کر دیا اور قید خانے کے پہرے دار کو حکم دیا کہ رات بھر اس پہ کڑی نگرانی رکھے۔ صبح ہوئی تو ولید نے حکم دیا کہ جندب کو اس کے سامنے حاضر کیا جائے۔ ولید کا ارادہ جندب کو قتل کرنے کا تھا لیکن پہرے دار نے قید خانے سے جندب کے فرار کی اطلاع دی تو ولید نے طیش میں آ کر پہرے دار ہی کو قتل کر کے اس کی لاش دار الامارت کے دروازے پہ لٹکوا دی۔

حضرت عثمان اور ابوذرؓ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف الزامات، طعن و تشنیع اور شورش کا ایک سبب ان کے ساتھ آپ کا غیر منصفانہ سلوک بھی تھا۔ ایک روز ابوذر غفاریؓ آپ کی اس مجلس میں موجود تھے جس میں آپ یہ فرما رہے تھے: "آپ لوگوں کا اس بارے میں کیا خیال ہے کہ کسی کے جمع کردہ مال میں کسی دوسرے کا حق ہو گا یا نہیں؟" اس سوال کے جواب میں کعب بولے: "نہیں یا امیرالمومنین اس میں کسی دوسرے کا حق نہیں ہو گا یعنی وہ شخص اسے جس طرح چاہے خرچ کرے۔" جب ابوذرؓ نے کعب کی زبان سے یہ سُنا تو وہ اُٹھ کر اس کے سامنے کھڑے ہو گئے اور بولے:۔ "اے یہودی کے بیٹے! تو نے جھوٹ کہا کیونکہ یہ حق العباد کا معاملہ ہے" اس کے بعد ابوذرؓ

قرآن کی یہ آیت پڑھی : (لیس البرّان تولو وجوھکم قبل المشرق والمغرب) اس کے بعد حضرت عثمان رضؓ نے فرمایا : اور اس بارے میں تم لوگوں کا کیا خیال ہے کہ اگر ہم مسلمانوں کے بیت المال میں سے کچھ مال لے کر اسے خود استعمال کرلیں یا چاہیں تو تمہیں دے دیں ؟" اس سوال کے جواب میں بھی سب سے پہلے کعب ہی بولے :" یا امیر المومنین ! اس میں کچھ حرج نہیں ہے ۔" یہ سننا تھا کہ ابوذر رضؓ کعب کے سینے میں اپنا ڈنڈا چبھو کر غصے سے بولے :" او یہودی کے بیٹے ! تجھے ہمارے دینی معاملات میں دخل دینے کی جرأت کیسے ہوئی ؟" ابوذرؓ کی زبان سے یہ سن کر حضرت عثمانؓ نے فرمایا :" تو میرے لیے آج تک ہمیشہ تکلیف کا سبب بنا رہا لہٰذا میرے سامنے سے دور ہو کر کہیں اور چلا جا۔ کیونکہ یہ بات کہہ کر بھی تو نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے ۔" حضرت عثمان رضؓ کی زبان سے یہ الفاظ سن کر ابوذر شام چلے گئے ۔ وہاں سے معاویہ نے حضرت عثمان رضؓ کو لکھا : جب سے ابوذرؓ یہاں پہنچے ہیں ان کے پاس کثرت سے لوگ جمع ہو رہے ہیں مجھے ڈر ہے کہ وہ یہاں فتنہ و فساد کا باعث نہ بن جائیں ، اگر آپ قوم کو مطمئن رکھ کر اس سے کوئی حسب مراد کام لینا چاہتے ہیں تو ابوذرؓ کو مدینے بلا لیجیے ۔" حضرت عثمان رضؓ کی اجازت ملنے کے بعد معاویہؓ نے ابوذر رضؓ کو مدینے اس طرح روانہ کیا کہ اس اونٹ پر جس پر انہیں سوار کیا گیا صرف ایک سخت ترین پالان ڈالا گیا اور انہیں مدینے تک پہنچانے اور ان کی نگرانی کے لیے پانچ صقالبی سوار کر دیے جو مدینے پہنچنے تک ان کی نگرانی کرتے رہے ۔ جب ابوذر رضؓ مدینے پہنچے تو وہ سوکھ کر ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گئے تھے ۔ کہتے ہیں اس وجہ سے ان کی وفات ہوئی ۔ کہتے ہیں مرتے وقت ان کی زبان سے یہ الفاظ نکلے تھے !" افسوس ! اپنے فرائض کی بجا آوری سے قبل میری جان جا رہی ہے ۔" اس کے بعد ابوذرؓ پر جو گزری وہ ایک طویل داستان ہے جو مورخین نے تفصیل سے بیان کی ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ ان کی تجہیز و تکفین کس نے کی تھی ۔ بہر کیف حضرت عثمان رضؓ نے انہیں ایک مکان میں رکھ کر ان سے کچھ روز اچھا سلوک کیا اور جب آتے تو ان کے پاؤں کی طرف بیٹھ جاتے اور ان سے دیر تک باتیں کرتے رہے جس میں یہ بات بھی تھی کہ عمرو بن عاص کے بیٹے عباد اللہ کو چالیس آدمی کس طرح گھیر گھار کر ان کے پاس لائے تھے ۔ لیکن تھوڑے دنوں کے بعد حضرت عثمانؓ کے پاس عبدالرحمٰن بن عوف زہری کے ترکے کا مال پہنچا اور وہ اس شخص سے جو وہ مال لے کر آیا تھا اور ابھی ان کے سامنے کھڑا تھا بولے : میں عبدالرحمٰن کی آخرت میں بھلائی چاہتا ہوں ، وہ صدقہ خیرات بھی کیا کرتے

تھے اور مہمانوں کی خاطر تواضع بڑی فیاضی سے کرتے تھے، اس کے باوجود دیکھو انہوں نے ترکے میں کتنا مال چھوڑا ہے!" اس پر کعب احبار جو اس وقت وہاں حاضر تھا بولا: "امیر المومنین! آپ سچ فرماتے ہیں۔"

یہ سنتے ہی ابوذرؓ نے اپنا ڈنڈا اُٹھا کر کعب کے سر پر رسید کیا اور یہ دیکھے بغیر کہ اس کے سر میں کتنی چوٹ آئی ہے کڑک کر بولے: "اے یہودی کے بیٹے! تو اس شخص کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کر رہا ہے جو مرنے کے بعد اتنا ڈھیر کا ڈھیر مال و زر چھوڑ گیا، اللہ نے اسے دین و دنیا کی بھلائی عطا کی تھی لیکن اس نے خدا سے اپنا رشتہ تو مرنے سے پہلے ہی توڑ لیا تھا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا ہے: "میں چاہتا ہوں کہ جب میں واصل بحق ہونے لگوں تو ایک قیراط بھر وزن کی سونا بھی میرے پاس نہ ہو۔" ابوذرؓ کی زبان سے یہ باتیں سُن کر حضرت عثمانؓ غصے سے بولے: "اب تو یہاں سے پھر وفع ہو جا!" یہ سُن کر ابوذرؓ نے پوچھا: "کیا آپ مجھے مکے بھیج کر وہاں نظر بند رکھنا چاہتے ہیں؟"

حضرت عثمانؓ نے جواب دیا: "نہیں، خدا کی قسم میں ایسا نہیں کروں گا۔"

ابوذر بولے: "جہاں میں اپنے رب کی عبادت کرتا رہا ہوں وہیں میں اپنی موت کا بھی متمنی ہوں۔"

حضرت عثمانؓ نے دریافت کیا: "وہ کونسی جگہ ہے؟"

ابوذر بولے: "شام"

حضرت عثمانؓ: "میں تمہیں وہاں نہیں بھیجنا چاہتا۔"

ابوذر: "بصرے؟"

حضرت عثمانؓ: نہیں وہاں بھی نہیں۔"

ابوذرؓ: "اگر ان تمام شہروں میں سے جن کا میں نے نام لیا مجھے آپ کہیں نہیں بھیجنا چاہتے تو کاش آپ مجھے وہیں رہ کر مرنے دیتے جہاں ہجرت کے بعد میں مدینے میں ٹھہرا تھا اور اگر یہ بھی نہیں چاہتے تو پھر آپ جہاں بھی چاہیں مجھے بھیج دیں۔"

حضرت عثمانؓ: "میں تمہیں ربذہ بھیجوں گا۔"

ابوذرؓ: "اللہ اکبر! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا تھا اور جہاں جہاں آپ کے بعد مجھے رہنا تھا یا جہاں مجھے موت آنا تھی اس کی خبر مجھے آپ نے دے دی تھی۔"

حضرت عثمانؓ: "آپ نے تم سے کیا کہا تھا؟"

ابوذرؓ: "آپ نے فرمایا تھا کہ تمہیں مکے یا مدینے میں قیام کرنے کی ممانعت کی جائے گی اور یہ کہ میری موت ربذہ میں ہوگی اور یہ بھی فرمایا تھا کہ عراق کے کچھ مسافر جب نواح حجاز میں پہنچیں گے تو وہی میری تجہیز و تکفین کریں گے۔"

ابوذرؓ حضرت عثمانؓ سے اس گفتگو کے بعد اس اونٹ کے قریب گئے جو ان کے ربذہ بھیجنے کے لیے تیار کیا گیا تھا۔ ابوذرؓ کے ساتھ اس اونٹ پر ان کی بیوی کو بھی سوار کیا گیا تھا لیکن بعض مورخین لکھتے ہیں کہ وہ ان کی بیٹی تھیں۔ حضرت عثمانؓ نے اگرچہ یہ حکم دے دیا تھا کہ ربذہ تک ابوذر کے ساتھ کوئی نہیں جائے گا لیکن جب وہ مدینے سے روانہ ہونے لگے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے دونوں بیٹے حسنؓ اور حسین، ان کے بھائی عقیل، عبداللہ بن جعفر اور عمار بن یاسرؓ بھی ان کے پیچھے پیچھے ہو لیے۔ اس پر مروان نے اعتراف کرتے ہوئے کہا: "یا علی! امیرالمومنین کا حکم ہے کہ ابوذر (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ کوئی نہیں جائے گا نہ ان کی کسی قسم کی مدد کرے گا تا آنکہ وہ ربذہ پہنچ جائیں، اگر آپ کو امیرالمومنین کے اس حکم کی خبر نہ ہو تو میں آپ کو جتائے دیتا ہوں۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مروان کی یہ بات سن کر اپنے کوڑے سے اس کی سواری کے کان پر ایک ضرب لگائی اور فرمایا: "خدا تجھے دوزخ میں ڈالے، دُور ہو جا یہاں سے۔" مروان سے یہ کہہ کر حضرت علیؓ اور ان کے مذکورہ بالا ہمراہی پھر ابوذرؓ کے ساتھ ساتھ چلنے لگے، اور انہیں مدینے کے باہر تک پہنچایا۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ ابوذرؓ سے رخصت ہونے لگے تو ابوذر رو پڑے، پھر بولے: "اے اہل بیت! اللہ تعالیٰ آپ لوگوں پر رحم فرمائے اے ابوالحسن (حضرت علیؓ) جب سے میں نے آپ کو اور آپ کی اولاد کو دیکھا ہے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ سب کا اکثر ذکر کرتا رہا ہوں۔"

مروان نے جب حضرت عثمانؓ کے پاس جا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شکایت کی تو آپ نے حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا اے مسلمانو! تم علی رضی اللہ کے بارے میں میرے سامنے کیا عذر پیش کرو گے؟ میں ان کے حقوق کو سمجھتا ہوں لیکن تم نے سنا کہ انہوں نے میرے حکم سے کس طرح سرتابی کی اور میرے بھیجے ہوئے آدمی (مروان) کے ساتھ کیا سلوک کیا؟"

جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابوذرؓ کو مدینے سے باہر تک پہنچا کر واپس لوٹے

تو اکثر اہلِ مدینہ نے ان کا استقبال کر کے کہا: "امیر المومنین آپ سے سخت ناراض ہیں کہ آپ ابوذر رضی اللہ عنہ کو مدینے سے باہر تک پہنچانے اور ان کی مدد کے لیے ان کے ہمراہ تشریف لے گئے تھے۔" یہ سُن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:۔

"اکثر لوگ ہوا سے بھی ناراض ہو جایا کرتے ہیں۔"

جب رات کے وقت حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ کے پاس آئے تو آخر الذکر نے ان سے کہا:۔

آپ نے میری حکم عدولی کے علاوہ میرے بھیجے ہوئے آدمی کو گالی دی اور اس کی سواری کے ماتھے پر کوڑا بھی مارا۔ آپ کے پاس اس کا کیا جواب ہے؟

حضرت علیؓ بولے: وہ جس طرح میرے ساتھ پیش آیا تھا میں بھی اس کے ساتھ اسی طرح پیش آیا۔"

حضرت عثمانؓ: "لیکن آپ میرے حکم کے خلاف ابوذر (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ اس کی مدد کے لیے مدینے کے باہر تک گئے تھے یا نہیں؟"

حضرت علیؓ: میں خلیفہ کی حیثیت سے آپ کا ہر حکم مانتا ہوں لیکن اسی وقت تک جب تک وہ حکمِ الٰہی کے خلاف نہ ہو۔ اگر آپ کا حکم فرمانِ خداوندی کے خلاف ہوگا تو خدا کی قسم میں اسے کبھی نہیں مانوں گا۔"

حضرت عثمانؓ: آپ نے مروان کو بُرا بھلا کہا اور اس کی سواری پہ کوڑا مارا، اگر وہ بھی آپ کے ساتھ یہی سلوک کرے تو؟"

حضرت علیؓ: جو امر واقعہ ہے اگر اس میں مَیں غلطی پہ ہوں تو وہ ضرور ایسا کرے۔"

حضرت عثمانؓ: میں مروان کو آپ سے افضل سمجھتا ہوں۔"

حضرت علیؓ: "اگر آپ اسے مجھ سے افضل سمجھتے ہیں تو میں خدا کی قسم اپنے آپ کو آپ سے افضل سمجھنے میں حق بجانب ہوں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ابو الفضل آپ کے باپ سے افضل اور میری ماں آپ کی ماں سے افضل ہے۔ اگر آپ کو اس سے انکار ہو تو اپنے گریبان میں منہ ڈال کر خود فیصلہ کر لیں۔" حضرت علیؓ کی زبان سے یہ سُن کر حضرت عثمانؓ کا چہرہ غصّے سے سُرخ ہو گیا اور وہ اُٹھ کر اپنے مکان کے اندر چلے گئے۔ جب حضرت علیؓ اپنے مکان پہ پہنچے تو وہاں آپ کے پاس آپ کے اہلِ خانہ کے علاوہ

بہت سے مہاجرین و انصار بھی آپ سے دریافت حال کے لیے جمع ہو گئے تھے۔

دُوسرے دن جب لوگ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے ان سے حضرت علیؓ کی شکایت کرتے ہوئے کہا کہ وہ مجھے عیب لگاتے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ یقیناً میرے خلاف ہیں یہی حال ابوذر (رضی اللہ عنہ) کا تھا اور یہی حال عمار بن یاسر وغیرہ کا ہے۔ بہر کیف لوگوں نے بیچ میں پڑ کر حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ میں صلح صفائی کرا دی تو حضرت علیؓ نے کہا: "میں نے ابوذرؓ کی مدد کا ارادہ نہیں کیا تھا لیکن خدا نے میرے ذریعہ ان کی مدد کی ہے۔"

عمار بن یاسرؓ

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت ان کے مکان میں کی جا رہی تھی تو کچھ دیر بعد ابوسفیان صخر بن حرب نے عمار بن یاسر کو بھی ان کی بیعت کے لیے بلایا۔ جب وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مکان پر پہنچے تو ان کے ہمراہ بنو اُمیہ کے ہی لوگ تھے۔ جب یہ لوگ مکان میں داخل ہونے لگے تو ابوسفیان بولا: تمہارے ساتھ تمہارے علاوہ بھی کوئی اور ہے؟ (ابوسفیان نابینا تھا) جب انہوں نے کہا کہ ہم دونوں کے سوا کوئی اور نہیں ہے تو وہ بولا: "اے بنی اُمیہ! اب تک بار بار تمہاری حق تلفی ہوتی رہی ہے۔ اب تمہیں اور تمہاری اولاد کو تمہارا حق ملنے والا ہے، سارے مہاجرین و انصار سے کہہ دو کہ وہ عثمان (رضی اللہ عنہ) کی بیعت کریں!"

ابوسفیان نے مہاجرین و انصار کو حضرت عثمانؓ کی بیعت کی ترغیب دلانے کے لیے اور بہت سی باتیں بھی کہیں جنہیں سن کر عمار بن یاسر اُٹھ کر وہاں سے چلے گئے لیکن اس کے بعد جب بہت سے لوگ مسجد میں جمع تھے تو انہوں نے انہیں مخاطب کر کے کہا:-

"اے قریشیو! تم نے اب تک بار بار وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت کے معاملے میں آپؐ کے اہل بیت کا حق مارا ہے، کیا تمہیں یہ زیب دیتا ہے کہ آپؐ کے بعد آپ کے اہل بیت کے حقوق کے بارے میں باہم لڑتے جھگڑتے ہی رہو اور ہمیشہ ان کا حق ضائع کرتے رہو؟"

اس کے بعد مقداد اُٹھے اور حاضرین کو مخاطب کر کے بولے:-

"جس طرح ہمارے لوگوں نے اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وفات کے بعد آپ کے اہل بیت کو جتنی ایذا پہنچائی ہے اس کی مثال اور کہیں نہیں ملتی۔"

یہ سن کر عبدالرحمٰن بن عوف بولے: "اے مقداد بن عمرو! آپ کو اس سلسلے میں کس بات سے

تکلیف پہنچی ہے ؟"

مقداد نے جواب دیا "تکلیف ؟" خدا کی قسم مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت سے صرف آپ ہی کی وجہ سے محبت ہے۔ جو ان کے حقوق سے انکار کرے گا خواہ انصار میں سے ہو یا قریش میں سے، میں انہیں اسی طرح قتل کروں گا جیسے میدان بدر میں آپ کے دشمنوں کو قتل کیا تھا۔"

مقداد کی اس گفتگو کے بعد حاضرین میں اس موضوع پر دیر تک گفتگو ہوئی جسے تفصیل و ترتیب وار ہم نے اپنی کتاب "اخبار الزمان" میں "ذکر شوریٰ والدار" کے عنوان سے پیش کیا ہے۔

حضرت عثمانؓ کے خلاف شورش

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف شورش کے بارے میں کم و بیش جملہ مورخین نے یہی لکھا ہے کہ سن ہجری کے پینتیسویں سال مالک بن حارث نخعی کوفے سے دو سو آدمیوں کے ساتھ، حکیم بن جبلہ عبدی بصرے کے سو آدمی لے کر اور مصر کے چھ سو اشخاص مدینے کی طرف چلے، مصر کے لوگوں کی سربراہی عبد الرحمن بن عدیس بلوی کر رہے تھے۔ واقدی اور دوسرے اصحاب سیر لکھتے ہیں کہ عبد الرحمن ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی تھی، دوسرے مصری لوگوں میں عمرو بن حمق خزاعی اور سعد بن حمران تجیبی تھے نیز ان لوگوں میں محمد بن ابوبکر صدیق بھی شامل تھے جن کے متعلق مصر میں یہ چرچے عام تھے کہ وہ وہاں کے گورنر بنائے جانے والے ہیں یہ لوگ مروان بن حکم کی لمبی چوڑی شکایات لے کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہونے چلے تھے۔ پہلے یہ سارے لوگ اس مقام پر جمع ہوئے جو "ذی خشب" کے نام سے مشہور ہے۔ جب حضرت عثمانؓ کو ان لوگوں کے وہاں پہنچنے کی خبر ملی تو انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا کر ان سے کہا کہ وہ ان لوگوں سے ان کی آمد کی وجہ سے باخبر ہو کر انہیں نرمی سے سمجھا بجھا کر واپس جانے پر آمادہ کر لیں۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان لوگوں کے پاس گئے اور انہیں بڑی طویل گفتگو کے بعد اپنے ارادے کی خبر دی۔ پھر وہ آپ کے سمجھانے پر "ذی خشب" سے واپس ہو کر اس مقام پر ٹھہرے جسے حِسمی کہا جاتا ہے تو انہیں ایک اونٹنی سوار جوان شخص مدینے کی طرف سے آتا ہوا ملا۔ وہ مدینے کا رہنے والا اقبل تھا جو حضرت عثمانؓ کا خاص غلام تھا۔ اس کی تلاشی لی گئی تو اس کے پاس سے ایک خط نکلا جو مصر کے گورنر کے نام تھا۔ اس خط میں لکھا تھا کہ فلاں آدمی کے ہاتھ کاٹ دو، فلاں شخص کو قتل کر دو اور فلاں فلاں کے ساتھ وہ سلوک کرو جس کا حکم اس خط میں دیا گیا ہے۔ جب مدینے کے مُقبل پر سختی

کی گئی تو اس نے اقرار کیا کہ وہ خط اسے مروان بن حکم نے دے کر مصر روانہ کیا ہے۔ مزید تحقیق پر معلوم ہوا کہ واقعی وہ خط خود مروان نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا۔ اس خط میں مصر میں اسلامی لشکر کے بہت سے سرداروں کو قید کرنے کا حکم بھی دیا گیا تھا اور اس کے علاوہ بہت سے ناروا احکام تھے۔ اس خط کو پڑھ کر وہ سب لوگ مدینے کی طرف چل پڑے اور ان کی اور ان لوگوں کی جو عراق سے آئے تھے متفقہ طور پر یہ رائے ہوئی کہ مسجد میں چل کر باہم مشورہ کیا جائے۔ انہوں نے مدینے کی مسجد میں جمع ہو کر ایک دوسرے کے سامنے وہ شکایات رکھیں جو انہیں اپنے اپنے عمّال (گورنروں) سے تھیں۔ اس کے بعد انہوں نے حضرت عثمانؓ کے مکان کا محاصرہ کر لیا اور ان کے گھر پانی لے جانے کی ہر شخص کو ممانعت کر دی۔ یہ دیکھ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک کھڑکی سے منہ نکال کر فرمایا: "کیا کوئی شخص ہمیں پانی پلائے گا؟" پھر آپ نے ان سے فرمایا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کسی شخص کو جائز طور پر قتل کرنے کے تین اسباب ہو سکتے ہیں (۱) ایمان لانے کے بعد وہ پھر کافر ہو جائے (۲) اس نے شادی کے بعد زنا کیا ہو، یا (۳) کسی شخص کو کسی جرم کے بغیر قتل کیا ہو۔ اب بتاؤ کہ اگر تم میرے قتل کو جائز سمجھتے ہو تو ان تینوں اسباب میں سے اس کا کونسا سبب ہے کیونکہ میں ان تینوں افعال میں سے زمانۂ جاہلیت میں بھی کسی ایک کا مرتکب نہیں ہوا۔

جب حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ کے سامنے آئے تو انہوں نے آپ سے پانی مانگا تو آپ نے ان کے پاس تین مشکیں پانی کی بھیجیں لیکن وہ ابھی ان کے پاس پہنچنے بھی نہ پائی تھیں کہ بلوائیوں نے حضرت عثمانؓ کے مکان پر دھاوا بول دیا۔ ان میں بنی ہاشم اور بنی اُمیہ دونوں کے طرف دار تھے اور حضرت عثمانؓ سے مطالبہ کر رہے تھے کہ مروان بن حکم کو ان کے حوالے کیا جائے۔ وہ لوگ شور مچا رہے تھے لیکن مروان کو ان کے حوالے کرنے سے حضرت عثمانؓ نے انکار کر دیا۔ جو لوگ حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کیے ہوئے تھے ان میں بنی زہرہ تھے جو عبداللہ بن مسعودؓ کے قتل کا مواخذہ چاہتے تھے کیونکہ وہ ان کے حلیف تھے، ہذیل بھی ان کے ساتھ تھے اور عبداللہ بن مسعود کے حلیف ہونے کی وجہ سے ان کے قتل کا مواخذہ و محاسبہ چاہتے تھے، بنی مخزوم عمار کے حلیف تھے، اس طرح غفار ابوذرؓ کے حلیف تھے جب کہ تیم بن مرہ محمد بن ابوبکرؓ کے ساتھ تھے۔ ان میں اور بہت سے لوگ تھے جن کا ہم نے اس کتاب میں نام بنام ذکر نہیں کیا ہے۔

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ خبر ملی کہ بلوائی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنا چاہتے ہیں تو آپ نے اپنے دونوں بیٹوں حسن وحسین اور ان کے دوستوں کو ہتھیار دے کر آپ کے دروازے پر ان کی مدد کے لیے بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ وہ انہیں حضرت عثمان رضؓ کو قتل کرنے سے روکیں۔ اس طرح زبیر رضؓ نے اپنے بیٹے محمد کو اور دُوسرے صحابہ نے بھی اپنے اپنے بیٹوں کو اسی غرض سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دروازے کی طرف روانہ کیا لیکن یہ لوگ بلوائیوں کو آپ کے دروازے سے دُور رکھنے یا ہٹانے کے لیے جو تیر چلا رہے تھے ان میں سے کسی سے حسن زخمی ہو گئے۔ قنبر کے سر میں زخم آیا اور محمد بن طلحہ بھی زخمی ہو گئے۔ یہ دیکھ کر انہوں نے سوچا کہ کہیں بنو ہاشم اور بنو اُمیہ میں لڑائی نہ چھڑ جائے اور صحابہ نے فیصلہ کیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دروازے پر یہ لڑائی بند کر دی جائے۔ اس بارے میں مزید مشورے کے لیے صحابہ اور ان کے ساتھی وہاں سے ہٹ گئے۔ اس اثنا میں انصاریوں کا ایک شخص آگے بڑھا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر اس نے حضرت عثمان رضؓ کے گھر کا دروازہ توڑ ڈالا۔ سب سے پہلے جو شخص حضرت عثمان رضؓ کے پاس پہنچا وہ محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے حضرت عثمان رضؓ کی داڑھی پکڑی تو آپ نے فرمایا: "تیرا باپ اس داڑھی کی عزت کرتا تھا" یہ سُن کر محمد بن ابوبکر رضؓ شرمندہ ہو کر آپ کے مکان سے باہر آ گئے۔ اس کے بعد دو اور شخص آپ کے مکان میں داخل ہوئے یا محمد بن ابوبکر کے ساتھ گئے تھے آپ کی طرف بڑھے۔ اس وقت آپ کی زوجہ نائلہ تھیں اور آپ قرآن پاک کی تلاوت فرما رہے تھے جب کہ آپ کے غلام اور دُوسرے نوکر چاکر باقی بلوائیوں کو گھر میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے ان سے دست بدست لڑ رہے تھے چنانچہ ان دو آدمیوں نے موقع پا کر آپ کو قتل کر دیا۔ یہ دیکھ کر آپ کی زوجہ چیخ چیخ کر کہنے لگیں: "امیر المومنین کو قتل کر دیا گیا۔" ان کی آواز سُن کر حسن وحسین اور ان کے ساتھ بنو اُمیہ کے جو لوگ تھے مکان میں داخل ہوئے لیکن اس وقت تک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔ یہ دیکھ کر یہ لوگ رو پڑے۔ جب آپ کے قتل کی خبر حضرت علی رضؓ، طلحہ رضؓ، زبیر رضؓ، سعد اور دوسرے مہاجرین وانصار کو ملی تو وہ ان پہنچ کر اپنے بیٹوں کو جھڑکنے لگے کہ ان کی موجودگی میں حضرت عثمان رضؓ کو کیونکر قتل کیا گیا تو انہوں نے وہ واقعہ سُنایا جو ہم سطور بالا میں بیان کر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ ان لوگوں نے حضرت علی رضؓ رضی اللہ عنہ کو بھی روکا جو اپنے بیٹوں حسن وحسین کے سینوں پر مکے مار رہے تھے اور ان

سے قتل عثمانؓ کے سلسلے میں باز پرس کر رہے تھے۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ بھی کہا کہ مروان بن حکم کو تلاش کیا جائے جو اس قتل کا ذمہ دار ہے چنانچہ اسے بہت تلاش کیا گیا لیکن اس کا کہیں پتہ نہ چل سکا کیونکہ وہ وہاں سے موقع پا کر پہلے ہی فرار ہو چکا تھا۔

حضرت عثمانؓ کی زوجہ نائلہ بنت فراضہ سے حضرت عثمانؓ کے قتل کے بارے میں یہ کہہ کر پوچھا گیا کہ آپ تو اس وقت موجود تھیں تو انہوں نے پہلے محمد بن ابوبکر کا واقعہ سنایا جس سے خود انہوں نے انکار نہیں کیا۔ پھر بتایا کہ ان کے مکان سے جانے کے بعد دو اور آدمیوں نے انہیں قتل کر دیا جنہیں میں نہیں جانتی۔ انہوں نے قسم کھا کر یہ بھی کہا کہ اس قتل میں ان کا ہاتھ تھا نہ اس کے اسباب کا انہیں علم تھا۔

حضرت عثمانؓ قتل سے پہلے اپنے مکان میں ۴۹ روز محصور رہے۔ بعض مؤرخین نے ان ایام کی تعداد زیادہ بتائی ہے۔

حضرت عثمانؓ کا مقتل اور ان کے قاتل

آپ کو جمعہ کی رات کو جب کہ ماہ ذی الحجہ کے تین دن باقی تھے قتل کیا گیا۔ اکثر مؤرخین لکھتے ہیں کہ ان دو آدمیوں میں سے جن کا ذکر آپ کی زوجہ نائلہ نے کیا تھا ایک کنانہ بن بشر تجیبی تھا جس نے آپ کے چہرے پہ گرز مارا تھا اور دوسرا شخص سعد بن حمران مرادی تھا جس نے آپ کے حلقوم پہ تلوار ماری تھی جس سے آپ کی شہ رگ کٹ گئی تھی اور آپ نے اسی وقت اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دی تھی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان دونوں میں سے ایک عمرو بن حمق نے آپ پہ تلوار سے نو وار کیے تھے اور دوسرا عمیر بن ضابی برجمی تمیمی تھا جس نے اپنی تلوار حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پیٹ میں گھونپ دی تھی۔

آپ کا مدفن

جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ آپ کو ایک مشہور جگہ بخش کوکب میں دفن کیا گیا تھا۔ یہاں بنو امیہ کی بہت سی قبریں ہیں۔ اس جگہ کو حلہ بھی کہا جاتا ہے۔ آپ کے جنازے پہ فاتحہ جبیر بن مطعم، حکیم بن حزام اور ابوجہم بن حذیفہ نے پڑھی تھی۔

جب حضرت عثمانؓ اپنے مکان میں محصور تھے تو مسجد میں پہلے ابوایوب انصاری نے نماز پڑھائی تھی جب انہیں روک دیا گیا تھا تو نماز کی امامت سہل بن حنیف نے کی تھی اور قربانی کے روز حضرت علیؓ نے نماز پڑھائی تھی۔

کہا جاتا ہے کہ جس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا تو اس وقت آپ کے

مکان میں بنی اُمیہ کے مروان بن حکم سمیت اٹھارہ آدمی موجود تھے۔

مراثی حضرت عثمانؓ کی شہادت پر کئی آدمیوں نے مراثی لکھے تھے جن میں آپ کی بیوی نائلہ کے علاوہ حسان بن ثابتؓ بھی تھے جن کے ساتھ حضرت عثمانؓ نے بہت اچھا سلوک کیا تھا۔

متعدد مورخین نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے محاسن سیرت بیان کیے ہیں جن کا ذکر ہم نے اپنی کتابوں "اخبار الزمان" اور کتاب الاوسط میں تفصیل سے کیا ہے اور آپ کے زمانے کے جملہ واقعات کے ساتھ رومیوں سے آپ کی جنگ کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں۔

باب (۴۸)

ذکرِ خلافت امیرالمومنین حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ

جزوی خلاصہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت اسی روز کی گئی جس روز حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا۔ آپ کا دورِ خلافت چار سال نو مہینے اور آٹھ دن رہا۔ اسے کچھ لوگ چار سال نو مہینے بتلاتے ہوئے دنوں کا ذکر نہیں کرتے۔ جیسا کہ ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔ آپ کی خلافت کے معاملے میں آپ کے اور معاویہ کے درمیان تنازعہ پیدا ہو گیا تھا کچھ مؤرخین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی مدت پانچ سال تین مہینے اور سات راتیں بتلاتے ہیں۔ آپ کی ولادت خانہ کعبہ میں ہوئی تھی۔ مہلک زخم لگنے کے بعد آپ جمعہ اور شنبہ کو بقیدِ حیات رہے اور یکشنبہ کو وفات پائی۔ اس وقت آپ کی عمر تریسٹھ سال تھی۔ کچھ مؤرخین نے آپ کی عمر اس سے کم بتائی ہے۔ آپ کے مدفن کے بارے میں بھی مؤرخین میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ کچھ لوگ آپ کی قبر کوفے کی مسجد میں بتاتے ہیں اور کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ کو کوفے سے مدینے لے جا کر حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہ کی قبر کے پاس دفن کیا گیا۔ بعض لوگ یہ بھی بتاتے ہیں کہ آپ کی میت تابوت کی شکل میں ایک اونٹ کی پشت پر رکھ دی گئی تھی اور وہ اونٹ وادی طے کے پہاڑی علاقے میں لے جایا گیا تھا لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اس کے برعکس بہت سی دوسری باتیں بیان کرتے ہوئے ان کی وجوہ بھی پیش کرتے ہیں۔ ہم نے ان جملہ واقعات کو اپنی پچھلی کتابوں "اخبار الزماں" اور کتاب الاوسط کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

آپ کا نسب آپ کے کچھ حالات اور سیرت

آپ کا نسب حسب ذیل ہے:-

علی بن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم بن

عبد مناف۔

آپ کی کنیت ابوالحسن تھی اور آپ کی والدہ کا نام فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء میں خلیفہ متقی عباسی کے عہد یعنی ہمارے زمانے تک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی خلیفہ کا نام متقی باللہ علی بن معتضد کے سوا علی نہیں ہوا۔ بنی ہاشم میں بھی آپ پہلے خلیفہ تھے۔ کہا گیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل سے لے کر چار روز تک عام لوگ آپ کی بیعت کرتے رہے۔ جس شخص نے سب پہلے آپ کی بیعت کی اس کا ذکر ہم پچھلے صفحات میں کر چکے ہیں اور یہ بھی بتا چکے ہیں کہ آپ کے والد ابی طالب کے نام کے بارے میں لوگوں میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ ابوطالب کے چار بیٹے طالب، عقیل، جعفر اور علیؓ تھے اور دو بیٹیاں فاختہ اور جمانہ تھیں۔ یہ سب کے سب فاطمہ بنت اسد بن ہاشم کے بطن سے تھے۔ ابوطالب کے دو پہلے بیٹوں کی ولادت میں دس سال کا فرق تھا لیکن جعفر و علی کی عمروں میں صرف دو سال کا فرق تھا۔ طالب مشرکین قریش کے ساتھ مل کر جنگ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے کے لیے طوعاً و کرہاً آئے تھے جو ان کے کہے ہوئے دو شعروں سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ ان اشعار میں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جنگ بدر میں غالب رہنے اور قریش کے مغلوب ہونے کی دعا کی تھی۔ ان کے مذکورہ بالا دو شعروں کے علاوہ اس جنگ کے سلسلے میں ان کے مزید حالات دستیاب نہیں ہیں۔ فاختہ بنت ابوطالب کے شوہر کا نام ابو وہب ہبیرہ بن عمرو ابن عائذ بن عمرو بن مخزوم تھا۔ فاختہ کے ایک بیٹا اور ایک بیٹی تھے فاختہ نے مکے سے مدینے ہجرت کی تھی لیکن ان کے شوہر نجران میں بحالت شرک انتقال کر گئے تھے۔ فاختہ نے جن کی کنیت ام ہانی تھی کافی طویل عمر پائی۔ اپنی خلافت کے زمانے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنے ساتھ رکھ لیا تھا۔

جمانہ کی شادی سفیان بن حارث بن عبدالمطلب سے ہوئی تھی اور وہ پہلی ہاشمی لڑکی تھیں ان کا ذکر زبیر بن بکار نے اپنی اس کتاب میں کیا ہے جو اس نے انساب قریش اور ان کے حالات و کوائف پر لکھی ہے۔ جمانہ نے مکے سے مدینے ہجرت کی تھی اور وہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں وفات پائی۔

آپ کا سفر بصرہ

۳۶ ہجری میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سفر بصرہ واقعہ جمل کے سلسلے میں تھا۔ یہ افسوس ناک واقعہ ماہ جمادی الاول کے دس روز بعد

جمعرات کو پیش آیا تھا جس میں بصرے کے تیرہ ہزار اصحاب جمل اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پانچ ہزار اصحاب کام آئے۔ اس جنگ میں کام آنے والے فریقین کے لوگوں کی تعداد کے بارے میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ مقلّل کے مطابق اس جنگ میں کام آنے والوں کی تعداد کل سات ہزار تھی جب کہ کثیر ان کی تعداد دس ہزار بتاتا ہے جو اپنی حسب منشا فریقین میں سے کسی ایک کے ساتھ ہو گئے تھے۔ بہرکیف یہ جنگ صرف ایک روز جاری رہی تھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے آغاز خلافت سے واقعہ جمل تک پانچ مہینے اور اکیس دن کا عرصہ بتایا جاتا ہے جب کہ روز ہجرت سے واقعہ جمل تک ۳۵ سال پانچ مہینے اور دس دن بیان کیا گیا ہے اس واقعے کے ایک مہینے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفے میں داخل ہوئے تھے۔ اس کے چھ مہینے اور تیرہ دن بعد صفین میں ان کا اور معاویہ کا مقابلہ ہوا تھا۔

جنگ صفین کی مدّت

جنگ صفین جس میں شام کے ۴۵ ہزار اور عراق کے ۲۵ ہزار افراد کام آئے تھے ایک سو دس دن جاری رہی تھی۔ اس جنگ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شانہ بشانہ افواج معاویہ سے جنگ کرتے ہوئے جو اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوئے ان میں عمار بن یاسر ابو یقظان جو ابن سمیہ کے نام سے مشہور ہیں شامل تھے۔ ان کی عمر اس وقت ۹۳ سال تھی۔ صفین کے علاوہ اہل عراق اور اہل شام کے درمیان چھوٹی موٹی لڑائیوں کی تعداد ستر بتائی جاتی ہے۔

دو ثالثوں کی گفتگو

حضرت علیؓ اور معاویہ کے درمیان خلافت کے معاملے میں جو تنازعہ تھا اس کے فیصلے کے لیے دو ثالث عمرو بن عاص اور ابو موسیٰ اشعری مقرر ہوئے تھے۔ ان دونوں کی باہمی گفتگو سرزمین دمشق کے مقام بلقا میں ہوئی تھی۔ کچھ لوگ اس گفتگو کا محل وقوع دومۃ الجندل بتاتے ہیں جو دمشق سے تقریباً دس میل کے فاصلے پر ہے اس گفتگو میں فیصلے تک پہنچنے تک ایک مہینہ لگ گیا تھا۔ مذکورہ بالا گفتگو کا حال ہم نے زیر نظر کتاب میں آگے چل کر بہ تمام و کمال بیان کیا ہے، البتہ اس کی جملہ تفصیلات ہم نے اپنی پہلی کتابوں میں درج کی ہیں۔

اسی سال فتنہ خوارج نے سر ابھارا تھا اسی لیے خوارج کو "شُراۃ" بھی کہا جاتا ہے۔

جنگ صفین میں حضرت علیؓ کا ساتھ دینے کے لیے جو اصحاب بدر شریک ہوئے تھے ان کی مجموعی تعداد ستاسی تھی جن میں سے سترہ مہاجرین اور باقی یعنی ستر انصار تھے۔ یہ

سب کے سب ان لوگوں میں بھی شامل تھے جنہوں نے درخت کے نیچے مدینے سے مکے جاتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی تھی، یہ بیعت تاریخ میں "بیعت رضوان" کے نام سے مشہور ہے۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کرنے والوں کی مجموعی تعداد نو سو تھی جب کہ جنگ صفین میں جن صحابہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیا ان کی مجموعی تعداد دو ہزار آٹھ سو تھی۔

حضرت علیؓ کی خوارج سے جنگ

۳۸ھ ہجری میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نہروان کے خارجیوں سے جنگ ہوئی۔ یہ وہ عثمانی جماعت تھی جو حضرت علی رضؓ کی بیعت سے منحرف ہو گئے تھے، ان میں سعد بن ابی وقاص اور عبداللہ بن عمرؓ بھی شامل تھے، انہوں نے بعدازاں عبدالملک بن مروان کے حق میں بھی بیعت کی تھی۔ ان کے ساتھ بیعت کرنے والوں میں قدامہ بن مظعون، اہبان ابن صیفی، عبداللہ بن سلام، مغیرہ بن شعبہ ثقفی بھی تھے ان کے علاوہ انصار سے علیحدہ ہونے والوں میں کعب بن مالک، حسان بن ثابت (یہ دونوں شاعر تھے) ابو سعید خدری، بنی عبدالاشہل کے حلیف محمد بن مسلمہ، یزید بن ثابت، رافع بن خدیج نعمان بن بشیر، فضالہ بن عبید، کعب بن عجرہ اور مسلمہ بن خالد بھی تھے ویسے ان آخری لوگوں کا نام نے عثمانی جماعت یا بنی اُمیہ کے انصار وغیرہ کے ساتھ کہیں ذکر نہیں کیا ہے۔

اس املاک کے بارے میں بھی تنازعہ پیدا ہوا تھا جو عثمان رضی اللہ عنہ نے کچھ مسلمانوں کے لیے مخصوص کر دی تھی نیز اس نقد بیت المال کے متعلق بھی اختلافات پیدا ہو گئے تھے جو آپ نے لوگوں میں تقسیم کر دیا تھا اور اس میں کسی ایک کو دوسرے پر فضیلت نہیں دی گئی تھی یعنی واضح حقوق کا خیال نہیں رکھا گیا تھا۔

واضح رہے کہ اُم حبیبہ بنت ابوسفیان نے اپنے بھائی معاویہ کے پاس نعمان بن بشیر انصاری کے ہاتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خون آلود قمیص اس وقت بھیجی تھی جب کوفے اور دوسرے شہروں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے بیعت لی جا رہی تھی اور اہل کوفہ اس میں پیش پیش تھے جن کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی تھی۔ ان سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں بیعت لینے والے ابو موسیٰ اشعری تھے جو اس سے قبل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے وہاں کے گورنر رہ چکے تھے۔

بنو امیہ کی آپ کی خدمت میں حاضری

بنو اُمیہ کے کچھ لوگ جنہوں نے بیعت کے سلسلے میں

آپ کی مخالفت کی تھی آپ کی خدمت میں آئے تو انہوں نے مختلف باتیں کیں۔ ان آنے والوں میں سعید بن عاص، مروان بن حکم اور ولید ابن عقبہ بن ابی معیط بھی شامل تھے۔ ولید بولا: "ہم صرف آپ کی بیعت کے مخالف نہیں ہیں بلکہ ہماری طرف سے آپ کی مخالفت کی وجہ یہ ہے کہ ساری قوم آپ کی مخالفت کر رہی ہے جب کہ ہم اپنے ذاتی معاملات کی وجہ سے بھی اب تک خاموش ہیں (یعنی ان کے باوجود کچھ نہیں کہتے) سعید بن عاص کے خاموش رہنے پر ولید پھر بولا:۔ آپ سعید ہی کو دیکھ لیجیے، آپ نے اس کے بزرگوں کو قتل کر دیا ہے اور دوسرے عزیزوں کی اہانت کی ہے، اس کے علاوہ آپ نے مروان کے بزرگوں کو بھی طعنے دیے ہیں جب کہ خود اسے پناہ دینے کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ذمہ داری لی تھی۔"

ابو مخنف لوط بن یحییٰ کا بیان ہے کہ بنو اُمیہ کا جو عثمانی گروہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں سب سے آخر میں آیا تھا اس میں حسان بن ثابت، کعب ابن مالک اور نعمان بن بشیر بھی شامل تھے۔ آخر الذکر آپ کی خدمت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خون آلود قمیص شام پہنچانے سے قبل آیا تھا۔ کعب بن مالک نے آپ سے کہا: "یا امیر المومنین! ہم آپ کے عتاب کے سزاوار نہیں ہے، ویسے ہم اس سے قبل آپ کی مخالفت کے سلسلے میں اگر کچھ عرض کریں گے تو وہ "عذر گناہ بدتر از گناہ" کا مصداق ہوگا۔ کعب بن مالک نے اس کے علاوہ آپ سے اور بھی بہت سی باتیں کیں جس کے بعد تینوں نے آپ کی بیعت کر لی۔

عمرو بن عاص

عمرو بن عاص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے منحرف ہو گیا تھا کیونکہ آپ نے اس سے ناراض ہو کر اسے مصر کی گورنری سے علیحدہ کر دیا تھا جس کے بعد اس نے شام کا رخ کیا تھا لیکن جب اسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل اور کوفے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کی خبر ملی تو اس نے معاویہ کو خون عثمان رضی اللہ عنہ کے مطالبے کے لیے لکھا اور یہ بھی لکھا کہ اس نے ہمیشہ معاویہ کی مدد کی تھی لہٰذا اب آخر الذکر کو اس کا صلہ ملنا چاہیئے جب معاویہ کو عمرو بن عاص کا یہ خط ملا تو اس نے اسے بلا بھیجا۔ جب وہ معاویہ کے پاس پہنچا تو اس نے پوچھا! "کہو اب تم کیا چاہتے ہو؟" وہ بولا: "میں نے دینی امور میں اب تک ہمیشہ آپ کی اطاعت کی ہے۔ اب آپ دنیاوی معاملے میں میری مدد فرمائیں" معاویہ نے پوچھا:۔ "وہ کیسے؟" عمرو بن عاص نے کہا: "مصر کی گورنری چاہتا ہوں۔" چنانچہ معاویہ نے اس کی خواہش کے مطابق اسے مصر کی گورنری پر مامور کر کے اس کے

لیے تحریری تقرر نامہ بھی اس کے حوالے کر دیا۔

مغیرہ بن شعبہ اور علیؓ

مغیرہ بن شعبہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آکر ان سے عرض کیا: "آپ کو حق پہنچتا ہے کہ آپ لوگوں کو نصیحت فرمائیں اور اپنی اطاعت کا حکم دیں۔ میں آج بھی آپ کا اطاعت گزار ہوں اور کل بھی رہوں گا لیکن جو لوگ آج آپ سے انحراف کرتے ہیں وہ کل بھی کریں گے۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ معاویہ کو شام کا گورنر رہنے دیں، اس طرح دوسرے عمّال کو بھی جہاں جہاں وہ ہیں وہیں وہیں گورنری پر مامور رکھیں پھر جب سب لوگ آپ کے طرف دار ہو جائیں تو پھر آپ جیسا چاہیں ان عمال کے ساتھ سلوک کر سکتے ہیں۔ میری رائے جو کل تھی وہی آج بھی ہے۔ جو شخص آپ کے پاس آئے اس سے آئندہ کے لیے بات چیت کیجیے اور جلدی اسے اپنی اطاعت کا حکم دیجیے۔"

جب مغیرہ بن شعبہ آپ کے پاس سے اُٹھ کر باہر جا رہا تھا اس وقت اسی دروازے سے ابن عباسؓ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے اندر جا رہے تھے۔ جب وہ آپ کی خدمت میں پہنچے تو عرض کیا! میں نے ابھی مغیرہ بن شعبہ کو یہاں سے جاتے دیکھا ہے، وہ آپ سے کیا کہنے آیا تھا؟ آپ نے فرمایا "وہ کل رونا دھوتا آیا تھا اور آج پرچانے کے"!

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر کہا: وہ کل بھی دھوکا دینے آیا ہوگا اور یقیناً آج بھی مشورے کے پردے میں دھوکا دینے آیا تھا۔ آپ یہاں سے فوراً مکے تشریف لے جائیے اور وہاں اپنا دروازہ بند کر کے بیٹھے رہیے کیونکہ فی الوقت عام لوگ آپ پر عثمان رضؓ کے قتل میں ملوث ہونے کا شبہ کر رہے ہیں جب کہ بنی اُمیہ اس شبہے میں اضافہ کرنے اور انہیں بھڑکانے میں مصروف ہیں۔"

مغیرہ نے لوگوں سے کہا: "میں نے انہیں نصیحت کی تھی لیکن جب انہوں نے نہیں مانی تو میں انہیں دھوکا دینے پر مجبور ہو گیا لیکن سچ پوچھیے تو پہلے بھی میری نصیحت نصیحت نہیں تھی نہ اس کے بعد کبھی ہوگی۔"

آخری روایات یہ ہیں کہ ابن عباسؓ خود اپنے بقول حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے پانچ روز بعد مکے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو معلوم ہوا کہ اس وقت مغیرہ بن شعبہ آپ کے پاس بیٹھا گفتگو کر رہا تھا، اس لیے وہ دروازے ہی پر تھوڑی دیر ٹھہر گئے اور جب مغیرہ باہر چلا گیا تو انہوں نے اندر جا کر حضرت علیؓ کو سلام کیا تو انہوں نے پوچھا۔

تم زبیرؓ اور طلحہؓ سے کب ملے تھے ؟" وہ بولے : تو اصف میں ملاقات ہوئی تھی ، ان کے ساتھ قریش کے کچھ اور لوگ بھی تھے ۔" یہ سُن کر حضرت علی رضؓ نے فرمایا : وہ مجھ سے خونِ عثمانؓ کا بدلہ لینے اور ان کے قاتلوں کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کا مطالبہ کرنے کے بعد یہاں سے گئے ہیں ۔" پھر اس کے بعد ابن عباسؓ اور حضرت علیؓ میں مغیرہ کے متعلق گفتگو ہوئی اور وہی ہوئی جو سطور بالا میں بیان کی جاچکی ہیں ۔ اس کے بعد ابن عباسؓ نے حضرت علیؓ سے عرض کیا : "آپ کم سے کم معاویہ کو شام کی گورنری پر مامور رہنے دیجیے ، اس کے جواز میں آپ فرما سکتے ہیں کہ اسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہاں کی امارت سونپی تھی ۔" اس کے جواب میں ابن عباسؓ کے بقول حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا : میرے پاس اس کے لیے تلوار کے سوا اور کچھ نہیں ہے ۔" اس کے بعد آپ نے معاویہ کے کردار کے بارے میں بھی چند باتیں فرمائیں ۔

عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں : "حضرت علی (رضی اللہ عنہ) سے میں نے عرض کیا : "معاویہ بڑا بے باک آدمی ہے ، شام کے لوگ اس کی بات مانتے ہیں ، آپ کی شجاعت میں اگرچہ کچھ کلام نہیں ہے لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا ہے کہ جنگ سے ہمیشہ تکلیف پہنچتی ہے ۔" حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا : "آپ نے صحیح فرمایا ہے لیکن معاویہ کا معاملہ اور ہے ، اس سے نمٹنا ہی ہوگا ۔" عبداللہ بن عباس نے عرض کیا :۔ "لیکن لوگ آپ کی ذاتی خوبیوں کے بجائے نتائج پر زیادہ غور کریں گے ۔" آپ نے فرمایا "میں تمہاری رائے سے اتفاق کرتا ہوں لیکن معاویہ کے بارے میں اگر تمہیں میری رائے سے اختلاف ہوگا تو میں تمہاری رائے سے اتفاق نہیں کروں گا ۔" یہ سُن کر عبداللہ بن عباس بولے اس صورت میں شاید میں آپ کی حمایت سے قاصر رہوں گا ، البتہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے توفیق کا طالب ضرور ہوں ۔

یومِ جمل کی ابتدا اور اس لڑائی کا حال

حضرت علیؓ کے خلاف بغاوت

طلحہؓ و زبیرؓ نے مدینے سے مکّے کے لیے روانگی سے قبل حضرت علی (رضی اللہ عنہ) سے کہا تھا کہ وہ عمرہ کرنے وہاں جا رہے ہیں، چنانچہ آپ نے انہیں اس کی اجازت دے دی تھی لیکن یہ بھی دریافت کیا تھا کہ آیا وہ بصرے یا شام جانے کا ارادہ رکھتے ہیں یا نہیں۔ اس سوال کے جواب میں ان دونوں نے قسم کھا کر کہا تھا کہ وہ مکّے کے علاوہ اور کہیں نہیں جائیں گے۔ اس زمانے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مکے میں تشریف فرما تھیں۔ اسی زمانے میں عبداللہ بن عامر جنہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بصرے کا گورنر مقرر کیا تھا اپنی جگہ حارثہ بن قدامہ سعدی کو چھوڑ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں بیعت لینے کے لیے وہاں آئے ہوئے تھے۔

مکے میں سب سے پہلے عثمان بن حنیف انصاری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور انھیں مشورہ دیا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وہاں آمد سے قبل مکے سے روانہ ہو جائیں۔ انہیں دنوں یعلیٰ بن منیہ جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے یمن کے حاکم تھے مکے آئے تھے۔ انہوں نے وہاں پہنچتے ہی حضرت عائشہؓ اور طلحہ و زبیر کے علاوہ بنی اُمیہ کے مروان بن حکم سے ملاقات کی اور ان سب کو حضرت عثمانؓ کے قتل کا بدلہ لینے پر اکسایا نیز حضرت عائشہؓ اور طلحہؓ و زبیرؓ کو چار لاکھ دینار کے علاوہ اسلحہ مہیا کیا اور انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت پر آمادہ کیا۔ یعلیٰ نے حضرت عائشہ رضؓ کی خدمت میں ایک اُونٹ بھی بھیجا جس کا نام عسکر تھا۔ یہ اُونٹ یعلیٰ نے یمن میں دوسو دینار میں خریدا تھا

ان لوگوں نے پہلے شام جانے کا ارادہ کیا لیکن عبداللہ بن عامر نے ان سے کہا کہ وہ لوگ وہاں نہ جائیں کیونکہ معاویہ ان کی اطاعت پر کمربستہ نہ ہوں گے۔ ابن عامر نے ان سے کہا کہ وہ شام کے بجائے بصرے چلیں جہاں ان کے لیے افرادی قوت کے علاوہ دوسرے سامان کی بھی کمی نہ ہوگی۔ ابن عامر نے ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک لاکھ درہم کے علاوہ ان سب کو سو اونٹ بھی دیے اور انہیں چھ سو دوسرے سواروں کے ساتھ بصرے روانہ کر دیا۔

ان لوگوں نے مکے سے روانگی کے بعد رات کے وقت بنی کلاب کے جس کنوئیں کے قریب قیام کیا وہ جگہ حوآب کے نام سے مشہور تھی۔ اس قافلے کے وہاں پڑاؤ ڈالتے ہی کتے بھونکنے لگے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: "اس جگہ کا نام کیا ہے؟" اس سوال کے جواب میں آپ کا ساربان بولا: "اسے حوآب کہتے ہیں۔" یہ سنتے ہی آپ نے وہاں سے واپسی کا قصد فرمایا اور اس جگہ کے بارے میں جو پہلے سن رکھا تھا اپنے ساتھیوں کو بتایا اور یہ بھی فرمایا: میں یہاں سے آگے نہیں جاؤں گی، مجھے حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دو۔" اس پر زبیرؓ نے کہا: "میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ یہ جگہ حوآب نہیں ہے آپ کے ساربان نے غلط کہا ہے۔" اس کے بعد طلحہ بھی جو لوگوں کے بیچ میں تھے باہر آئے اور آپ سے بولے: "میں بھی خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ جگہ حوآب نہیں ہے۔" طلحہؓ اور زبیرؓ دونوں نے اپنی اپنی بات کی اپنے پچاس ساتھیوں سے گواہی بھی دلائی۔ یہیں سے اہل اسلام میں جھوٹی گواہی کی ابتدا ہوئی تھی۔

جب یہ لوگ بصرے میں داخل ہونے لگے تو انہیں عثمان بن حُنیف نے شہر سے باہر آکر روکا تو اس پر ان لوگوں نے لڑائی چھیڑ دی اور بصرے کے بہت سے لوگوں کو قتل کر دیا لیکن پھر ان میں اس بات پر صلح ہو گئی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے وہاں تشریف لانے تک لڑائی بند رہے گی۔ اس کے باوجود یہ لوگ رات کے وقت عثمان بن حنیف کے گھر میں خفیہ طور پر داخل ہوئے، انہیں جگا کر زدوکوب کیا اور ان کی داڑھی نوچ لی لیکن پھر اس خوف سے کہ عثمان کے بھائی سہل بن حُنیف اور مدینے کے دوسرے انصار کے خلاف ہو جائیں گے وہاں سے نکل آئے۔ عثمان بن حنیف کے مکان سے نکل کر انہوں نے بیت المال لوٹنے کا قصد کیا۔ جہاں ان کے ہاتھوں پہرہ داروں کے علاوہ ستر غیر مسلح مؤکل بھی قتل ہوئے جنہوں نے مزاحمت کی کوشش کی تھی۔ ان ستر میں وہ پچاس مؤکل بھی شامل تھے جنہیں ان باغیوں نے رات کے وقت

گرفتار کر کے صبح کو اُن کی گردن ماری۔ ابتدائے اسلام کے بعد یہ پہلا موقع تھا جب کوئی بے گناہ مسلمان یا دوسرا شخص بے گناہ صرف ظلم و تعدی کے تحت قتل کیا گیا۔ ان مقتولوں میں حکیم بن جبلہ عبدی بھی شامل تھے۔ جو عبدالقیس کے سرداروں اور بنی ربیعہ کے منتخب عبادت گزاروں اور پاکبازوں میں شمار کیے جاتے تھے۔

دوسری صبح زبیرؓ نے مسجد میں نماز کی امامت کی لیکن پھر زبیرؓ اور طلحہ میں کافی بحث و مباحثے کے بعد یہ طے پایا کہ ہر روز دونوں یکے بعد دیگرے نماز پڑھایا کریں گے۔

حضرت علیؓ کا سفر عراق

حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے چار مہینے یا بقول کچھ لوگوں کے اس سے کچھ کم و بیش عرصے کے بعد مدینے سے عازم عراق ہوئے۔ آپ کے ہمراہ سات سو سواروں پر مشتمل رسالہ تھا جن میں چار سو مدینے کے مہاجرین و انصار، ستر اصحاب بدر اور دُوسرے صحابہ بھی شامل تھے۔ آپ نے مدینے میں اپنی جگہ سہل بن حنیف کو مقرر کیا تھا۔ جب آپ عراق کے راستے میں پڑنے والے مقام ربذہ پہنچے تو طلحہؓ اور ان کے ساتھی خاموشی سے عراق کی طرف چل دیے۔ چنانچہ آپ بھی ان کے پیچھے بلا توقف عراق روانہ ہو گئے۔ ربذہ سے عراق کی جانب روانگی سے قبل آپ کے ساتھ انصار مدینہ کی ایک اور جماعت بھی آملی جن میں خزیمہ بن ثابت ذوشہادتین بھی شامل تھے۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی کہ آپ کی کمک کے لیے راستے ہی میں بنی طے کے سات سوار پہنچنے والے ہیں۔ آپ نے ربذہ سے کوفے کے گورنر ابوموسےٰ اشعریؓ کو کوفے کی طرف اپنی روانگی کی اطلاع دیتے ہوئے اہل کوفہ کو سمجھا بجھا کر اطمینان رکھنے اور پُرامن رہنے کی تلقین کے لیے پیغام بھیجا تھا لیکن اس کا جواب انہوں نے یہ دیا تھا کہ وہاں فتنہ و فساد کا غلبہ ہے اس لیے وہاں تشریف نہ لائیں۔ اس کے جواب میں آپ نے ابوموسےٰ کو سخت دُرشت کہتے ہوئے لکھا کہ جب تمہارا طرزِ عمل ہمارے ساتھ روزِ اوّل ہی ایسا ہے تو آگے چل کر ہمیں تم سے تعاون کی کیا اُمید ہو سکتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی آپ نے ابوموسےٰ اشعری کی جگہ قرظہ بن کعب انصاری کو کوفے کا گورنر مقرر کر کے وہاں روانہ کر دیا۔

جب آپ ربذہ سے ذی قار پہنچے تو آپ کے استقبال کے لیے سات ہزار اہل کوفہ وہاں آ گئے تھے۔ بعض مورخین نے ان لوگوں کی تعداد چھ ہزار پانچ سو ساٹھ لکھی ہے

جن میں اُشتر بھی شامل تھے۔ بہرکیف آپ نے اپنے فرزند حضرت حسن اور ابن یاسر کو ان کے ساتھ کر کے انہیں کوفے واپس بھیج دیا تاکہ وہاں لوگوں کو امن وامان قائم رکھنے کی تلقین کریں۔ اس کے بعد آپ نے ذی قار سے بصرے کا رُخ کیا تو اس سے قبل اہل بصرہ کو احکام الٰہی اور ان کے اتباع کی تلقین کرتے ہوئے وہاں بھی امن وامان قائم رکھنے کے لیے پیغام بھیجا لیکن وہ لوگ آپ کے ساتھ جنگ کرنے پر اڑے رہے۔

آپ کا بصرے میں داخلہ

ابو خلیفہ فضل بن حُباب جُمحی نے یکے بعد دیگرے حسب روایت ابن عائشہ، معن بن عیسیٰ اور منذر بن جارود کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بصرے میں داخل ہو کر اس جگہ پہنچے جو طف کے قریب ہے اور پھر زاویہ کی طرف بڑھے تو منذر بن جارود نے دیکھا کہ سب سے آگے اشہبی رنگ گھوڑوں پر قریباً ایک ہزار سوار سفید کپڑوں میں ملبوس چلے آ رہے ہیں اور ان کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں ہیں نیز ان کے ساتھ ایک پرچم بھی ہے۔ منذر نے کسی سے پوچھا کہ اس رسالے کا یہ سردار کون ہے جو سب سے آگے ہے تو جواب ملا:۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ابو ایوب انصاری اور ان کے رسالے میں سب کے سب انصار ہیں۔ اس کے بعد ہزار سواروں کا ایک اور رسالہ تھا جس کے آگے آگے سفید کپڑوں ہی میں ملبوس، کاندھے پر کمان لٹکائے ایک ہاتھ میں شمشیر برہنہ اور دوسرے ہاتھ میں پرچم لیے اشقر گھوڑے پر سوار ایک اور شخص گزرا تو منذر نے اس شخص سے پوچھا: "یہ شخص کون ہے؟" جواب ملا "خزیمہ بن ثابت انصاری ذوشہادتین"۔ اس کے بعد منذر بن جارود بیان کرتے ہیں کہ ان کے سامنے سے اس دوسرے رسالے کے بعد ایک اور سواروں کا رسالہ گزرا، وہ بھی ہزار سواروں پر مشتمل تھا، ان کے آگے کمیت گھوڑے پر ایک سوار چل رہا تھا، اس کا عمامہ آبی رنگ تھا، اس کا کُرتہ سفید تھا اور اس کے اُوپر سفید چیک دار قبا تھی، اس کی پیٹی میں تلوار لٹک رہی تھی اور کاندھے پر کمان تھی اس کے پاس بھی پرچم تھا منذر نے اسی پہلے شخص سے پوچھا "یہ کون ہے؟" وہ بولا: یہ ابو قتادہ بن ربعی ہیں۔ ابو قتادہ بن ربعی کے بعد ایک ہزار سواروں پر مشتمل ایک اور رسالہ گزرا۔ اس کے آگے آگے ایک بہت ہی تنومند شہابی رنگ گھوڑے پر جو شخص سوار تھا اس کا لباس بھی سفید تھا لیکن عمامہ اس کا سیاہ رنگ کا تھا۔ اس کے کاندھے پر بھی کمان پڑی تھی اور پہلو پر تلوار لٹک رہی تھی۔ اس کے پیچھے آنے والا سوار دل

کا دستہ مختلف قبائل کے لوگوں پر مشتمل تھا۔ منذر نے اپنے ساتھی سے پوچھا: "یہ شخص کون ہے؟"
وہ بولا: "یہ اس رسالے کے سردار عمار بن یاسرؓ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو بلند آواز سے قرآنی آیات کی تلاوت کر رہے ہیں۔ ان کے وقار کا عالم دیکھو! یہ بڑے عابد و زاہد ہیں، ان کی پیشانی پر سجدوں کا نشان دیکھ رہے ہو؟ ان کے گرد و پیش جو پیر و جوان چل رہے ہیں وہ بھی بڑے جلیل القدر صحابہ اور ان کے بیٹے ہیں جو سب کے سب ایک ہزار سواروں کو ساتھ لیے ہوئے سفید لباس میں ملبوس اور آبی عمامہ سر پر باندھے ہیں اسی طرح مسلح ایک اور شخص گزرا اس کا پرچم بھی سفید رنگ کا تھا۔ منذر نے اپنے ساتھ کھڑے ہوئے اس شخص سے پوچھا: "یہ کون ہے؟" وہ بولا یہ قیس بن سعد ابن عبادہ ہیں اور ان کے رسالے میں متعدد انصار اور ان کے بیٹے ہیں۔ باقی لوگوں کا تعلق بنی قحطان سے ہے۔ اس کے بعد ایک اشہل گھوڑے پر سوار جو شخص گزرا منذر کے بقول اس سے زیادہ حسین شخص اس کی نظر سے پہلے کبھی نہیں گزرا تھا۔ اس کا لباس سفید اور عمامہ سیاہ تھا اور وہ بھی پچھلے رسالے کے سردار کی طرح مسلح تھا لیکن ایک ہاتھ میں کوڑا بھی تھا۔ منذر نے پوچھا: "یہ کون ہے؟" وہ شخص بولا: "یہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ایک اور مقتدر صحابی عبداللہ بن عباس ہیں اور ان کے ساتھ جو لوگ چل رہے ہیں وہ بھی سب کے سب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام ہیں۔" اس کے بعد ایک تنہا سوار سامنے آیا جو اس سے پہلے آنے والے شخص کی طرح تھا۔ منذر نے پوچھا: "یہ کون ہے؟" اس شخص نے جواب دیا: "یہ عبیداللہ بن عباس ہیں۔" اس کے بعد بالکل اس طرح کا ایک شخص سامنے آیا تو منذر نے پوچھا: "یہ کون ہے؟" وہ شخص بولا: "یہ قثم بن عباس یا معبد بن عباس ہیں"
اس کے بعد، ابن عائشہ کہتے ہیں، گروہ در گروہ لوگ آئے جو فولادی اسلحہ میں غرق تھے اور ان کے پاس جدا جدا پرچم تھے۔ ان میں سب سے آگے جو گروہ تھا ان کے درمیان ایک بڑا وجیہہ شخص بڑے ہی خوب صورت عربی گھوڑے پر سوار تھا، وہ اپنے حد درجہ جلال و جبروت کے باوجود منکسر المزاج نظر آتا تھا۔ اس کی نظریں اوپر سے زیادہ نیچے کی طرف تھیں اور یہ وہ وصف تھا جس کی اہل عرب حد درجہ تعریف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایسے لوگوں کے سروں پر طیور قدس کا سایہ ہوتا ہے۔ اس شخص کے دائیں بائیں دو بہت خوبصورت جوان چل رہے تھے اور اس کے سامنے ویسا ہی ایک حسین و جمیل نوجوان چل رہا تھا۔ اس سب کے آگے والے گروہ کے ساتھ عظیم ترین پرچم تھا جسے ایک

انتہائی قوی الجثّہ اور تنومند شخص اٹھائے ہوئے تھا ۔ ابن عائشہ مُنذر کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے اس ساتھی سے پوچھا :"یہ کون شخص ہے ؟" وہ شخص حیران ہو کر بولا : "ارے آپ انہیں نہیں پہچانتے ؟ یہ علی ابن ابی طالب ہیں اور جو دو جوان ان کے دائیں بائیں چل رہے ہیں وہ ان کے بیٹے حسن اور حسین ہیں اور وہ تیسرے انہیں جیسے خوبصورت جوان جو اُن کے گھوڑے کے عین مقابل یہ عظیم ترین پرچم لیے چل رہے ہیں محمد بن حنفیہ ہیں ، یہ وہی ہیں جنہیں عبداللہ ابن جعفر بن ابی طالب نے اپنا وارث بنایا ہے ۔ اور یہ دُوسرے لوگ جو ان کے ساتھ ہیں وہ عقیل کے بیٹے وغیرہ ہیں جن کا نسبی تعلق بنی ہاشم سے ہے ۔ ان کے علاوہ جو بزرگ لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ مہاجرین و انصار ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ بدر میں حصّہ لیا تھا ۔

مقام طف سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر زاویہ میں پڑاؤ ڈالا اور چار رکعت نماز خاک پر پیشانی رکھ کر ادا کی ۔ اس کے بعد آپ نے ہاتھ اُٹھا کر اللہ تعالیٰ سے حسب ذیل دُعا کی :۔

"اے رب السمٰوات ! میں نے کبھی اپنے آپ کو دُوسروں سے بڑا نہیں سمجھا ، نہ کبھی تیری ارضی مخلوق کو کمتر سمجھا ، نہ کبھی غرور کیا ، اے عرش عظیم کے مالک ! یہ بصرہ ہے جس کے لیے میں تجھ سے خیر کا طالب ہوں اور اس کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں اے اللہ ! یہاں ہمیں بھلائی عطا فرما کہ تو بھلائی دینے والوں میں سب سے بہتر ہے ، اے اللہ ! یہاں کے لوگوں نے مجھ سے رُوگردانی کر کے میری بیعت توڑ دی ہے اور میرے خلاف بغاوت کی ہے ، یا اللہ ! مسلمانوں کو خونریزی سے بچا !"

اس کے بعد آپ نے اللہ کا نام لے کر باغیوں کے پاس گفتگو کے لیے ایک شخص بھیجا تاکہ باہمی گفت و شنید کے بعد کوئی مفاہمت کی صورت نکل آئے لیکن انہوں نے جنگ کے سوا ہر بات سے انکار کر دیا ۔ اس کے باوجود آپ نے اپنے اصحاب میں سے ایک اور شخص کو جس کا نام مسلم تھا ، "دعوت الی اللہ" دے کر ان باغیوں کی طرف بھیجا لیکن انہوں نے اسے راستے ہی میں تیر مار کر ہلاک کر دیا ۔ جب اس کی لاش اُٹھا کر آپ کے پاس لائی گئی تو اس کی ماں نے مرثیے کے طور پر اسی وقت فی البدیہہ مندرجہ ذیل دو شعر کہے :۔

"اے اللہ! مُسلم ان کے پاس، قرآن کی تلاوت کرتا گیا تھا، ڈرانے کو نہیں لیکن، انہوں نے اپنی داڑھیاں اس کے خون سے تر کر لیں، جب کہ اس کی ماں (حیرت سے) انہیں دیکھ رہی ہے"

آغاز جنگ

مسلم کے قتل ہو جانے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو باغیوں کے خلاف جنگ کی اجازت دے دی لیکن اس حکم کے ساتھ کہ جب تک وہ پیش دستی نہ کریں ان پہ تلوار، تیر یا نیزے سے حملہ نہ کیا جائے۔ اس کے بعد اس طرف کے میمنہ سے عبداللہ بن بدیل بن ورقاء خزاعی جن کے بھائی مُسلم کو باغیوں نے قتل کر دیا تھا نکلے اور میسرہ سے ایک اور شخص آگے بڑھا لیکن آخرالذکر کو دیکھتے ہی باغیوں میں سے کسی شخص نے تیر مار کر ہلاک کر دیا۔ یہ دیکھ کر حضرت علیؓ نے اللہ تعالیٰ کو یوں مخاطب کیا:-

"یا اللہ! جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں اس کے بعد ان باغیوں کے خلاف ضروری قدم اُٹھانے پر میں تجھ سے معذرت خواہ ہوں۔"

اس کے بعد عمّار بن یاسر حضرت علیؓ سے اجازت لے کر دونوں طرف کے ایک دُوسرے کے مقابل صف آراء لوگوں کے درمیان کھڑے ہو کر باغیوں سے یوں مخاطب ہوئے:-

"لوگو! آپ لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو انصاف کے ساتھ فیصلے کرتے ہوئے دیکھا ہے، آپ لوگ جانتے ہیں کہ آپؐ کے ان فیصلوں کے مطابق عقل کا تقاضا یہ ہے کہ تلوار اُٹھانے سے قبل اسے یعنی عقل کو پوری طرح استعمال کیا جائے مگر اب میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ لوگوں نے حضرت عائشہؓ کو اُونٹ پر ہودج میں بٹھا رکھا ہے، آپ لوگوں نے اس اُونٹ پر گائیوں اور دُوسرے جانوروں کی کھالیں مڑھ رکھی ہیں اور اس کے گھٹنوں اور پنڈلیوں پر بھی موٹے کھردرے اُون کا کپڑا چڑھا رکھا ہے یعنی اس اُونٹ کو ہر طرح ایسے تیار کیا ہے جس طرح لڑائیوں میں تیار کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ آپ لوگ بھی مجھے ہر طرح مسلح نظر آ رہے ہیں، لہٰذا میں آپ لوگوں سے یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اس سب تیاری سے آپ لوگوں کا مقصد کیا ہے؟"

عمّار بن یاسرؓ کی اس طویل تقریر کے جواب میں اُدھر سے کسی نے صرف یہ جواب دیا:

"ہم (حضرت) عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لینا چاہتے ہیں۔"

اس کے جواب میں عمّار بن یاسر بولے "لیکن بدلہ کس سے لیا جائے جب کہ اصل قاتل

کا اب تک پتہ نہیں چل سکا۔"

یہ سُن کر باغیوں نے تیر چلانا شروع کر دیے، وہ کہتے جاتے تھے: "ہم بدلہ ضرور لیں گے تم اس میں تعویق و تاخیر کر رہے ہو، ہم اس سے بدلہ لیں گے جس نے امام یعنی خلیفۃ المسلمین کے قتل کا حکم دیا تھا۔ یہ کہتے ہوئے ان لوگوں نے عمار بن یاسر رضؓ کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ وہ تیر بھی چلاتے جا رہے تھے۔ عمارؓ نے اپنا بچاؤ کرتے ہوئے گھوڑے کو موڑا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: "یا امیر المومنین! اب ان لوگوں سے لڑائی کے سوا چارہ نہیں ہے۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خُطبہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے باغیوں کے ساتھ آغاز جنگ سے قبل اپنے ساتھیوں کو حسب ذیل خُطبہ دیا:۔

"لوگو! کسی زخمی پر دوبارہ ہاتھ نہ اُٹھانا، کسی قیدی کو قتل نہ کرنا، بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کرنا نہ طالب امن کو کچھ کہنا، کسی مدبّر کو نہ بلانا۔ کسی کا لباس نہ اُتارنا، کسی عورت کو بے پردہ نہ کرنا، باغیوں کے کسی مال کو جنگی ہتھیاروں کے سوا انہیں شکست دینے کے بعد ہاتھ نہ لگانا البتہ ان کے لونڈی غلاموں کے ساتھ حکم خداوندی کے تحت جس کی اجازت ہو اس کے مطابق عمل کرنا۔"

حضرت علیؓ کا زبیرؓ سے خطاب

مندرجہ بالا خطبے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل کی پیروی کرتے ہوئے بہ نفس نفیس اپنی اگلی صف سے باہر نکل کر آگے بڑھے، اس وقت آپ بالکل غیر مسلح تھے، آپ نے زبیر رضؓ کو مخاطب کر کے فرمایا۔

"زبیرؓ میرے قریب آؤ۔" زبیرؓ اس وقت پوری طرح مسلّح تھے، انہوں نے حضرت عائشہ رضؓ کے اُونٹ کی طرف رُخ کر کے کہا: "علی رضؓ غیر مسلح ہیں اس لیے آپ مطمئن رہیے، میں بھی مطمئن ہوں۔" جب وہ آپ کے قریب آئے تو آپ نے ان سے فرمایا: "زبیرؓ اللہ تمہیں نیکی کی توفیق دے، تم یہاں کس لیے آئے ہو؟" وہ بولے: "خون عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا قصاص لینے۔" یہ سُن کر آپ نے فرمایا: کیا تم عثمانؓ کے قاتل یا قاتلوں کو جانتے ہو؟ اگر نہیں تو قصاص کس سے لوگے؟ تم لوگ ہمارے ایک شخص کو پہلے ہی قتل کر چکے ہو

کیا ساری اُمت مسلمہ سے خون عثمان کا قصاص لینا چاہتے ہو؟ کیا تمہیں وہ دن یاد نہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی بضاعہ سے گزر رہے تھے تو ان کے ایک شخص نے آپؐ کی تضحیک کی تھی تو میں نے بھی جواباً اس کی تضحیک کی تھی، تم اس شخص کے ساتھ تھے، آپ نے تم سے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ایک روز تم ان سے جنگ کرو گے جس میں تمہاری حیثیت ظالم کی ہو گی" یہ واقعہ سنا کر آپ نے زبیر سے فرمایا: "بہتر ہے کہ تم ان باغیوں سے الگ ہو جاؤ۔" زبیرؓ بولے: "اب یہاں تک آکر مجھے ان سے الگ ہوتے ہوئے شرم آتی ہے۔" آپ نے فرمایا! ابھی تو صرف شرم دامنگیر ہے لیکن ایک روز اس میں آگ (آتش جہنم) بھی شامل ہو جائے گی، اس سے قبل وہی راستہ اختیار کرو کہ ان دونوں سے بچ سکو۔" آپ کی زبان سے اتنا سن کر زبیر نے عذاب آخرت کے پیش نظر باغیوں سے الگ ہو کر اپنے گھوڑے کا رُخ دوسری طرف پھیرا تو ان کے بیٹے عبداللہ نے پوچھا: "آپ کہاں جاتے ہیں؟ جب کہ آپ ہی نے ہمیں بلایا تھا۔" اس کے جواب میں زبیر بولے: "مجھے ابوالحسن (حضرت علیؓ) نے ایک ایسا واقعہ یاد دلایا ہے جسے میں بھول گیا تھا۔" عبداللہ نے کہا: "مجھے یقین ہے کہ آپ بنی عبدالمطلب کی چمک دار اور لانبی تلواریں دیکھ کر بزدلی کا مظاہرہ کرنے پر آمادہ ہو گئے ہیں۔" بیٹے کی زبان سے یہ سن کر زبیر بولے: "میں آتش جہنم کے مقابلے میں بزدلی کا طعنہ سننے کے لیے تیار ہوں۔" یہ کہہ کر انہوں نے اپنا نیزہ سامنے کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کی صفوں کے میمنہ میں بڑھتے چلے گئے اور وہاں سے میسرہ کا رُخ کیا تو حضرت علی رضؓ نے فرمایا: "انہیں مجبوری ہو تو زخمی کر دینا لیکن قتل نہ کرنا۔" لیکن زبیرؓ اس تیز رفتاری سے آپ کے میسرہ سے گزرے اور وہاں سے لوٹ کر اپنے بیٹے عبداللہ سے بولے: "کیا تم اسے بزدلی کہو گے؟ میں بزدل ہرگز نہیں ہوں لیکن آتش جہنم سے ڈرتا ہوں اور اس سے بچنے کے لیے بزدلی کا طعنہ سننا بھی گوارا کر لوں گا۔ ویسے یاد رکھو کہ میں تم جیسے بہادر بیٹے کا بہادر باپ ہوں۔" اتنا کہہ کر انہوں نے اپنا گھوڑا موڑا اور صبا رفتاری سے پہلے وادی سباع پہنچے اور وہاں سے قبیلہ احنف بن قیس سے گزر کر اپنے قبیلے بنی تمیم میں پہنچ گئے، وہاں انہیں ایک شخص نے دیکھ کر کہا: "دیکھو! یہ زبیر ہے جب دو جری لشکر ایک دوسرے کے مقابل صف آراء ہیں اور ایک دوسرے کو قتل کر رہے ہیں۔ تو یہ وہاں سے بھاگ نکلا ہے۔ زبیر بولے: "کیا تو مجھے قتل کرے گا یا میں تجھے قتل کر دوں؟" لیکن زبیرؓ نے اسے قتل نہیں کیا بلکہ اس کے تھوڑی دیر بعد جب وہ نماز پڑھ رہے تھے تو عمرو بن جرموز نے آگے

بڑھ کر انہیں قتل کر دیا جس کے بعد وہ زبیرؓ کا سر، ان کی انگوٹھی اور ان کی تلوار لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس توصیفی کلمات سننے کے لیے آیا لیکن آپ نے فرمایا: "ابن صفیہ یعنی زبیرؓ کا قاتل جہنمی ہے کیا تجھے معلوم نہیں کہ یہ تلوار رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حمایت میں اُٹھ چکی ہے، کم بخت تجھے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ایک مقتدر صحابی کو قتل کرتے ہوئے شرم نہیں آئی؟" آپ کی زبان سے یہ کلمات سُن کر عمرو بن جرموز نے معذرت پیش کرتے ہوئے کہا: میں نے انہیں آپ کا دُشمن سمجھ کر سہواً قتل کر دیا جس کے لیے معافی کا خواستگار ہوں۔"

دوسروں کے علاوہ زبیر کے اس طرح قتل کیے جانے پر ان کی بیوی عاتکہ بنت زید بن عمرو بن نفیل نے جو سعید بن زید کی بہن تھیں مراثی کہی کہے ہیں۔

قتل زبیر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے زجر و توبیخ کے بعد خود عمرو بن جرموز تمیمی نے جو چند اشعار کہے وہ درج ذیل ہیں:-

"میں نے زبیرؓ کا سر علیؓ کو اس لیے پیش کیا کہ مجھے ان سے انعام واکرام کی توقع تھی
لیکن مجھے اس کی قبولیت سے قبل آتش دوزخ کی بدترین بشارت ملی،
تاہم میرے نزدیک زبیرؓ کا قتل اس کے حالیہ اعمال کے پیش نظر بالکل جائز تھا"

علیؓ اور طلحہؓ

زبیرؓ کے واپس ہو جانے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے طلحہ کو پکار کر فرمایا: "اے ابو محمد! تم میرے خلاف بغاوت پر کیوں آمادہ ہو؟"

طلحہ بولے: "خون عثمان کا انتقام لینے کے لیے۔"

حضرت علیؓ: "تمہارا ایک شخص پہلے ہی قتل کر چکے ہو، رہ گئی میری بات تو میں نے اپنے بارے میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ "یا اللہ! جو اس سے محبت کرے تو اس سے محبت کر اور جو اس سے دشمنی کرے تو اس سے دشمنی کر" جب کہ تم میری بیعت کرنے کے بعد اس سے پھر گئے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو (قول و قرار کے بعد) اس سے پھر جائے وہ خود اپنی ذات کا منکر ہوتا ہے۔"

یہ سُن کر طلحہ نے کہا: "استغفر اللہ" اور یہ کہہ کر وہ باغیوں سے علیحدہ ہو گئے۔

جب طلحہؓ نے گھوڑا موڑا تو مروان بن حکم نے ان کی پشت پر تیر مارا جو مہلک ثابت ہوا اور انہوں نے گھوڑے سے گر کر دم توڑ دیا۔

حضرت طلحہؓ پر تیر چلانے سے قبل مروان بن حکم کے الفاظ یہ تھے :۔

"زبیر لوٹ گئے، اب طلحہؓ بھی لوٹ رہے ہیں، ہم یہ برداشت نہیں کر سکتے۔"

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب طلحہ گھوڑا موڑنے لگے تو پہلے عبدالملک نے ان کے منہ پر تلوار ماری تھی جس کے بعد مروان بن حکم نے ان کی پشت پر تیر چلایا تھا اور ان کا انجام وہی ہوا تھا جس کی طرف قرآن پاک کے مندرجہ بالا الفاظ میں صریحی اشارہ کیا گیا ہے۔ عینی گواہوں کا بیان یہ بھی ہے کہ جب طلحہ گھوڑے سے گرے تو ان کا ہاتھ ان کی خاک و خون آلود پیشانی پر تھا اور زبان پر یہ الفاظ تھے :۔

"اللہ کی مرضی پوری ہوئی، میں نادم ہوں کیونکہ مجھ سے (ان باغیوں میں شامل ہو کر) غلطی ہوئی تھی، میرے آباء بھی اپنے کفر اور بنی ہاشم کے خلاف تلوار اٹھا کر نادم ہوئے تھے۔"

کہتے ہیں کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے گاؤں قنطرہ میں ان کی قبر پر گئے تھے تو آپ نے فرمایا تھا: "انا للہ وانا الیہ راجعون" اللہ تم پر رحم کرے تم یقیناً باغیوں کے ساتھ طوعاً و کرہاً شامل ہو گئے تھے۔

حضرت طلحہؓ کا نسب

حضرت طلحہؓ کا نسب درج ذیل ہے:۔ طلحہ بن عبید اللہ بن عثمان بن عبید اللہ ابن عمرو بن کعب بن تیم بن مرّہ۔ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ابن عم (چچا زاد بھائی) تھے اور ان کی کنیت ابو محمد تھی، ان کی والدہ کا نام صعبہ تھا جو ابوسفیان کے ایک تحتی رشتے دار صخر بن کعب سے تعلق رکھتی تھیں۔ طلحہؓ کا یہی نسب زبیر بن بکار نے اپنی کتاب انساب میں درج کیا ہے۔ قتل کے وقت ان کی عمر ۶۴ سال تھی۔ کچھ لوگوں نے کم و بیش بتائی ہے اور ان کی قبر کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ بصرے میں ہے جہاں ان کے نام سے ایک مسجد اب تک مشہور چلی آتی ہے۔ زبیرؓ کی قبر وادی سباع میں ہے۔

مقتل محمد بن طلحہ

محمد بن طلحہ بھی اسی روز قتل ہوئے تھے۔ ان کی لاش دیکھ کر حضرت علیؓ نے فرمایا تھا: یہ شخص اپنے باپ کے پیچھے چل کر اس کی اطاعت میں مارا گیا ہے۔" محمد بن طلحہ کو سجاد بھی کہا جاتا تھا، ان کی کنیت کے بارے میں لوگ مختلف الرائے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان کی کنیت ابوسلیمان تھی، واقدی نے بھی یہی لکھا ہے

لیکن کچھ لوگوں نے ابو القاسم بتائی ہے۔

جنگ جمل میں باغی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جمعیت کے میمنہ اور میسرہ میں ادھر سے اُدھر تک گھُس گھُس کر آپ کے ساتھیوں کو قتل کر رہے تھے لیکن آپ اپنے گھوڑے کی زین پر جم کر بیٹھے ہوئے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ انہیں اس حالت میں دیکھ کر عقیل کے بیٹوں میں سے کوئی ان کے قریب آکر بولا: "چچا جان! آپ ان لوگوں کی چیرہ دستیاں دیکھ رہے ہیں اور پھر بھی خاموش ہیں!" آپ نے اس کے جواب میں فرمایا: "جان عم! جن لوگوں کو تم آج میری دشمنی پر تلا ہوا دیکھ رہے ہو وہ ایک دن میرے دشمن نہیں رہیں گے بلکہ مجھ سے دشمنی پر پچھتائیں گے، لہٰذا جب تک کوئی مجھ پر حملہ نہیں کرے گا میں کسی پر حملہ نہیں کروں گا۔ ویسے موت ہر شخص کو آنی ہے مگر میں یا تو اس پر غالب آجاؤں گا یا وہ مجھ پر غلبہ حاصل کر لے گی۔"

اس کے بعد آپ نے اپنے بیٹے محمد بن حنفیہ کو بلا کر پوچھا: "کیا تم ان پر حملہ کر رہے ہو؟" وہ بولے: "جی نہیں، میں ان کے تیروں، تلواروں اور نیزوں سے صرف اپنا دفاع کر رہا ہوں۔"

یہ سُن کر آپ نے فرمایا: اگر تم ان کے تیروں، تلواروں اور نیزوں سے بچ گئے تو فبہا اور اگر مارے گئے تو جنت میں جاؤ گے۔"

جب باغیوں کی طرف سے حملوں پر حملے ہوئے تو محمد حنفیہ بھی ان پر حملہ آور ہوئے اور ان کے ساتھ دوسرے بھی شریک ہو گئے۔ دونوں طرف سے رجزیہ کلمات کے ساتھ حملے ہوتے رہے۔ حضرت علی رضؓ نے محمد حنفیہ سے کہا: "اپنی ماں کا پسینہ یاد کرو جو اس نے محنت و مشقت میں اور تمہیں پالنے پوسنے میں بہایا تھا۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اُونٹ کی طویل ترین مہار جو لوگ تھامے ہوئے تھے ان میں سے ایک ایک کر کے بنی ضبّہ کے ستر آدمیوں کے ہاتھ کٹ گئے، ان میں سعد بن سود القاضی بھی تھا جس کے ہاتھ میں قرآن تھا، ہاتھ کٹ کٹ کر گرتے رہے لیکن ان کے جوش و خروش میں فرق نہ آیا، جن کے ہاتھ کٹتے ان کی جگہ دُوسرے لے لیتے۔ آخر میں ایک شخص نے یہ کہہ کر اُونٹ کی مہار پکڑی کہ میں ضبّی کا غلام ہوں لیکن وہ پہلے سے اس پر تیر چلاتا ہوا آرہا تھا مہار پکڑ کر اس نے ہودج کے علاوہ اُونٹ پر بھی نیزے اور تلوار سے بار بار حملہ کیا تو اس کے

پاؤں اور دوسرے اعضاء یعنی گردن وغیرہ کٹ گئے اور وہ گر پڑا، البتہ اس کی پشت پر حضرت عائشہ رضؓ کا ہودج بدستور قائم رہا۔ یہ دیکھ کر محمد بن ابوبکرؓ نے محمل میں ہاتھ ڈالا تو حضرت عائشہؓ بولیں "تو کون ہے؟" وہ بولے: "آپ کا قریب ترین عزیز" آپ نے پوچھا "وہ کون ہے؟" وہ بولے: "آپ کا بھائی لیکن آپ سے سب سے زیادہ ناراض۔ امیرالمومنین (حضرت علیؓ) دریافت فرماتے ہیں کہ آپ کو کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی یعنی زخم وغیرہ تو نہیں آیا؟" وہ بولیں "نہیں تو ایسا نہیں ہوا، صرف ایک تیر ہودج میں لگا تھا مگر میں اس سے بچ گئی۔"

آخر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ہودج پر ڈنڈا مار کر بولے: "اے حُمیراء! کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اس کا (یہاں آنے کا) حکم دیا تھا؟ کیا آپ نے آپ کو گھر میں ہمیشہ ٹکے رہنے کا حکم نہیں دیا تھا؟ اگر دوسرے لوگوں کی عقلیں ماری گئی تھیں تو آخر آپ نے ان کا ساتھ کیوں دیا؟ آپ نے تو درحقیقت ان کے ساتھ بھی انصاف نہیں کیا۔" پھر آپ نے ان کے بھائی محمد بن ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کو حکم دیا کہ وہ انہیں صفیہ بن حارث بن طلحہ عبدی کے گھر لے جائیں جو طلحہ طلحات کی ماں تھیں چنانچہ محمد بن ابی بکرؓ نے ایسا ہی کیا۔ اُدھر خالی ہودج کے قریب اب تک جنگ جاری تھی۔ اور لوگ قتل ہو رہے تھے کیونکہ ان پر ابھی تک دیوانگی طاری تھی۔ جب عبداللہ بن زبیرؓ اور اشتر بن مالک بن حارث نخعی کا آمنا سامنا ہوا تو دونوں دست بدست لڑائی کے بعد زخمی ہو کر گھوڑوں سے زمین پر گر پڑے، تھوڑی دیر بعد اشتر مالک ہمت کر کے اُٹھے لیکن انہوں نے عبداللہ بن زبیرؓ کو حالتِ کرب میں دیکھ کر قتل نہیں کیا۔ حالانکہ آخرالذکر چلا چلا کر کہتا رہا: "مجھے قتل کر دو اور میرے ساتھ مالک کو بھی قتل کر ڈالو" مگر اس کی آواز پر کسی نے کان نہ دھرا کیونکہ وہاں تو تلوار سے تلوار ٹکرا رہی تھی اور فولاد سے فولاد کے ٹکراؤ میں ایسی تیزی تھی کہ کوئی دوسری آواز کسی کے کان میں پڑ ہی نہیں سکتی تھی۔

اسی شدتِ جنگ میں ذوشہادتین خزیمہ بن ثابت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر بولے: "یا امیرالمومنین! آپ شاید اپنے بیٹے محمد حنفیہ کی جان کے خیال سے اس جنگ میں عملاً شرکت نہیں فرما رہے ہیں۔" یہ سُن کر آپ بولے: "ایسی کوئی بات نہیں، میں کچھ اور ہی سوچ رہا ہوں۔" اس کے بعد آپ نے محمد حنفیہ کو دوبارہ پرچم دے کر فرمایا: "لڑائی کچھ اچھی بات نہیں لیکن اگر کوئی کسی کو اس پر مجبور کر دے تو وہ بات الگ ہے

جاؤ لیکن جو کچھ میں تم سے پہلے کہہ چکا ہوں اُس کا خیال رکھنا اور اس اسلامی پرچم اور اسلام کی عزت و حُرمت کے علاوہ اپنی اور ہماری ایمانی عظمت کا بھی لحاظ رکھنا۔"

پھر آپ نے اپنے بیٹے (محمد حنفیہ) کو پانی پلایا اور کچھ پانی کے علاوہ تھوڑا سا شہد بھی دیا۔ اس کے بعد اس شہد میں سے چکھ کر بولے: "یہ طائف کا تحفہ ہے، یہاں ایسا شہد دستیاب نہیں ہوتا!" یہ سُن کر عبداللہ بن جعفر بولے: ہمیں معلوم نہ تھا کہ دنیا کی ایسی نادر و نایاب چیزیں بھی آپ اپنے پاس رکھتے ہیں۔" اس پر آپ نے فرمایا: دنیا کی نادر و نایاب چیزوں میں سے اگر کوئی چیز اگر ہمارے حصّے میں آئی ہے اور وہ بھی تحفتہً ملی ہے تو بس یہ شہد ہے۔"

حضرت علیؓ کی بصرے میں آمد

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ بصرے میں داخل ہو کر مقام خریبہ میں ٹھہرے تو وہ جمعرات کا دن تھا اور ۳۶ھ کے ماہ جمادی الآخر کے دس روز گزر چکے تھے جیسا کہ ہم اس سے قبل مجملاً بیان کر چکے ہیں۔ وہاں آپ نے اہل بصرہ کے ایک بڑے اجتماع میں بڑا ہی پُراثر خطبہ دیا۔ آپ نے فرمایا اے اہل سبخہ! تم اپنے اعمال کے نتیجے میں تین باتیں دیکھ چکے ہو، اب اللہ تعالیٰ تمہیں چوتھی بات دکھانے والا ہے، تمہارے اخلاق خراب ہیں تمہارے اعمال میں نفاق اور تمہارے پانی میں کثافت (کدورت شامل) ہے۔ اے عورتوں کے گروہ! تم نے بغاوت پہ کمربستہ ہو کر شکست کھائی اور بہائم کا کردار ادا کرتے ہوئے پسپا ہوئے۔ تمہارا دین بھی ایک ڈھکوسلا ہے جو خدا کے ہاں قابل قبول نہیں۔" آپ نے اسی طرح چند بار اہل بصرہ کو سخت و سست فرمایا تھا۔

عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ کے درمیان گفتگو

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عباسؓ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس مدینے کو واپسی کا حکم دے کر بھیجا۔ وہ ان کے خیمے میں بغیر اجازت داخل ہو کر ان کے سامنے فرش پر بیٹھ گئے تو انہوں نے حیرت سے انہیں دیکھ کر کہا: کیا تمہیں سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم نہیں ہے؟ تم میری اجازت کے بغیر میرے خیمے میں داخل ہوئے ہو اور میری اجازت کے بغیر بیٹھ بھی گئے ہو۔" اس کے جواب میں ابن عباس بولے: "اگر آپ اس مکان میں ہوتیں جس میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے آپ کو چھوڑا تھا تو آپ کی اجازت کے بغیر ہم میں سے کوئی آپ کے اس مکان میں

داخل نہ ہوتا اور نہ آپ کی اجازت کے بغیر آپ کے فرش پر بیٹھتا۔ امیر المومنین نے آپ کو فوراً مدینے واپسی کا حکم دیا ہے۔ وہ بولیں جو کچھ تم نے کہا مجھے اس سے بھی انکار اور مدینے کو واپسی سے بھی۔" یہ بات جب ابن عباس رضؓ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جا کر سنائی تو آپ نے انہیں ان کی خدمت میں دوبارہ بھیجا لہٰذا انہوں نے آپ کے حکم کے مطابق ان سے جا کر جب یہ کہا کہ امیر المومنین آپ کو مدینے واپس کرنے کا ارادہ فرما رہے ہیں اور آپ کو یہی مشورہ دے رہے ہیں تو وہ راضی ہو گئیں۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے سامانِ سفر کا انتظام کر دیا اور اگلے روز اپنے بیٹوں حسن و حسین اور بنی ہاشم میں سے اپنے دوسرے عزیز و اقارب نیز اپنے ہمدانی حمائتیوں کو ساتھ لے کر ان کے پاس گئے۔ ان کے ساتھ جب انہوں نے کچھ عورتوں کو بھی حضرت علی رضؓ کے ساتھ دیکھا تو ان کے چہرے پر نظریں جما کر بولیں۔" اے میرے احباء کے قاتل!" یہ سُن کر آپ نے فرمایا: اگر میں آپ کے احباء کا قاتل ہوتا تو آپ کے اس خیمے کے آس پاس دُوسرے خیموں میں جو لوگ چھپے بیٹھے ہیں ان سب کو اب تک قتل کر چکا ہوتا۔" اس سے آپ کا اشارہ مروان بن حکم، عبداللہ بن زبیر رضؓ اور عبداللہ بن عامر وغیرہ کی طرف تھا جو حضرت عائشہ رضؓ کے خیمے کے ارد گرد دوسرے خیموں میں جان بچانے کے لیے آ چھپے تھے۔ یہ کہہ کر آپ نے اپنے ساتھیوں سے یہ بھی فرمایا کہ وہ اپنی اپنی تلواریں نکال لیں اور اگر آس پاس کے خیموں میں چھپے ہوئے لوگوں میں سے کوئی باہر نکل کر ان پر اچانک حملہ کرے تو اسے فوراً قتل کر دیں۔ آپ کی زبان سے حضرت عائشہ رضؓ یہ بات سُن کر بولیں "میں آپ کے ساتھ قیام کرنے، مدینے تک آپ کی ہم سفر ہونے اور آپ کے دشمنوں سے مقابلے کے لیے آمادہ ہوں۔" اس پر آپ نے فرمایا: "میرا مقصد صرف اتنا ہے کہ آپ مدینے واپس ہو کر اس مکان میں قیام فرمائیں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو چھوڑا تھا۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ حکم سُن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے اپنے بھانجے عبداللہ بن زبیر رضؓ کے لیے امان طلب کی تو آپ نے انہیں امان دے دی۔ اس کے بعد حسن و حسین نے مروان بن حکم کے بارے میں عرض کیا تو آپ نے اسے بھی امان دے دی۔ آپ نے نہ صرف عبداللہ بن زبیر رضؓ اور مروان بن حکم نیز ولید بن عُقبہ اور حضرت عثمان رضؓ کی ساری اولاد بلکہ بنی اُمیہ کے سب لوگوں کو معاف فرما دیا۔ ویسے آپ نے

واقعۂ جمل کے روز ہی اعلان کرا دیا تھا کہ جو شخص ہتھیار ڈال کر ان کے خیمے میں حاضر ہوگا وہ مامون و مصئون ہوگا۔

مقتولوں پر حضرت علیؓ کا غم

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس بات کا شدید غم تھا کہ ان کے بصرے میں داخلے سے قبل بنی ربیعہ کے کچھ لوگ قتل کر دیے گئے تھے۔ بنی ربیعہ میں سے عبد القیس اور دوسرے لوگوں کو طلحہؓ و زبیرؓ نے قتل کیا تھا۔ آپ زید بن صوحان عبدی کے قتل پر بھی بہت زیادہ رنجیدہ تھے جنہیں عمرو بن سبرہ نے یوم جمل میں قتل کر دیا تھا بلکہ آپ تو عمرو بن سبرہ کے مارے جانے پر بھی افسوس کرتے تھے جو عمار بن یاسر کے ہاتھوں قتل ہو گیا تھا۔ ربیعہ کے بارے میں تو آپ اکثر فرمایا کرتے تھے:

"مجھے ربیعہ کے قتل کا بڑا صدمہ ہے وہ سُنتا تھا اور اس پر عمل کرتا تھا"

عبد القیس کے خاندان کی ایک عورت مقتولین کی لاشیں دیکھتی پھر رہی تھی کیونکہ یوم جمل میں اس کے عزیز بھی کام آ گئے تھے۔ پہلے اسے اپنے دو نوجوان بیٹوں کی لاشیں ملیں پھر اس کے شوہر کی اور آخر میں بھائیوں کی لاشیں بھی مل گئیں۔ ان سب کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بصرے میں داخلے سے قبل ہی قتل کر دیا گیا تھا۔ درج ذیل اشعار اسی عورت کے ہیں:۔

"میں نے جوانی میں اکثر لڑائیاں دیکھی ہیں لیکن یوم جمل جیسی لڑائی کبھی نہیں دیکھی
مومنوں پر نہ جانے کیا فتنہ نازل ہوا تھا کہ ایک شجاع دوسرے شجاع کو قتل کر رہا تھا
کاش ظعینہ اپنے گھر میں رہ کر ایسی ہولناک لڑائی کبھی نہ دیکھتی!"

اس طرح کے بہت سے افسوس ناک قصے یوم جمل کے بارے میں سُنے گئے ہیں۔

بصرے سے حضرت عائشہؓ کی روانگی

جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بصرے سے مدینے روانہ ہوئیں تو حضرت علیؓ نے ان کے ہمراہ ان کے بھائی عبد الرحمٰن بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی روانہ کر دیا نیز ان کے ساتھ بنی عبد القیس اور ہمدان وغیرہ کے تیس مرد اور بیس عورتیں بھی کر دیں۔ عورتوں کو آپ نے عمامے بندھوا کر اور ان کے پہلوؤں سے تلواریں لٹکا کر انہیں ہدایت کر دی کہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت کے سلسلے میں راستے بھر کسی قسم کا تغافل نہ برتیں لیکن یہ بات کسی پر ظاہر نہ ہونے دیں کہ وہ عورتیں ہیں۔ جب آپ مدینے پہنچیں تو آپ سے دریافت

کیا گیا کہ ان کا سفر کیسا گزرا ؟ وہ بولیں بہت اچھی طرح اللہ علی رضی اللہ عنہ کو بہت دے، انہوں نے مجھے زادِ سفر کے طور پر بہت سا سامان دیا تھا لیکن انہوں نے استنے سارے مرد جو میرے ساتھ کردیئے تھے یہ بات مجھے کچھ پسند نہیں آئی۔" البتہ جب انہیں حقیقت حال سے آگاہ کیا گیا کہ ان کی بیرونی خدمات اور ان کے سامانِ کے حمل ونقل کے لیے صرف عورتیں بھیجی گئی تھیں لیکن انہیں ان کی حفاظت کے خیال سے مردانہ لباس اور ہتھیار فراہم کیے گئے تھے تو انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں مزید دُعائے خیر فرمائی۔ زیرِ نظر کتاب کے پچھلے صفحات میں ہم یوم جمل کا ذکر کرتے ہوئے پہلے بتا چکے ہیں کہ اس جنگ میں حضرت علی رضؓ کے پانچ ہزار ساتھی اور اصحاب جمل و اہل بصرہ میں سے تیرہ ہزار آدمی کام آئے تھے۔

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ یوم جمل کے مقتولین میں سے عبدالرحمٰن بن عتاب بن اسید بن ابوالعیص بن اُمیہ کی لاش کے قریب پہنچے تو آپ نے فرمایا:" اے قریش کے یعسوب! مجھے تمہارا یہ انجام دیکھ کر افسوس ہوا ہے۔ تمہیں عبد مناف کے کوتاہ نظر لوگوں نے قتل کردیا ہے جس سے میرے قلب وجگر پارہ پارہ ہوگئے ہیں۔" حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبان سے یہ سن کر اُشتر بولے: یا امیرالمومنین! آپ ان لوگوں کے بارے میں خواہ مخواہ اظہار افسوس فرمارہے ہیں، ان کا انجام وہی ہوا جس سے وہ آپ کو دوچار کرنا چاہتے تھے۔" اشتر مالک نخعی کی یہ بات سن کر حضرت علی رضؓ نے فرمایا:" تمہیں میرے جذبات کا اندازہ نہیں ہوسکتا کیونکہ عبدالرحمٰن بن عتاب ہمارے ہی سلسلے کا شخص تھا جو لوگوں کے کہنے سننے سے فریب میں آگیا تھا۔" واضح رہے کہ عبدالرحمٰن بن عتاب کو یوم جمل میں اشتر مالک نخعی ہی نے قتل کیا تھا۔ عبدالرحمٰن کے ہاتھ کسی عقاب کے پنجے سے گری ہوئی کوئی تھیلی جیسی چیز ہاتھ آگئی تھی جس میں سے ایک انگوٹھی ملی تھی، اس انگوٹھی کے نگینے میں سے کف نکلتا رہتا تھا کہتے ہیں کہ یوم جمل کے بعد اس انگوٹھی کے نگ سے صرف تین روز تک وہ کف جیسا لیس برآمد ہوا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ مہاجرین وانصار کی ایک جماعت کے ساتھ بصرے کے بیت المال میں تشریف لے گئے۔ وہاں بہت سا زر و مال دیکھ کر آپ نے فرمایا: اے مال تو وقتہً فوقتہً ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں جاتا رہتا ہے (یعنی تیرا کیا بھروسہ) یہ کہہ کر آپ نے اپنے ہمراہیوں کو حکم دیا کہ اس بیت المال کا زرومال آپ کے صحابیوں اور آپ کے دوسرے ساتھیوں میں تقسیم کردیا جائے جس کے لیے پانچ پانچ آدمیوں کی جماعتیں بنالی جائیں،

جب یہ جماعتیں بنائی گئیں تو ان کے افراد کی مجموعی تعداد بارہ ہزار نکلی۔ تعجب خیز بات یہ ہے کہ جب بصرے کے بیت المال کی مجموعی رقم ان لوگوں میں تقسیم کی گئی تو سب کے حصے میں برابر برابر رقم آئی، کسی کا حصّہ ایک درہم کے برابر بھی کم نہ ہوا۔

اہل بصرہ کا اسلحہ قبضے میں لے کر اسے فروخت کیا گیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہ رقم اپنے اصحاب، ان کی اولاد اور دوسرے لوگوں میں برابر برابر تقسیم کرا دی، سب کے حصے میں پانچ پانچ سو درہم آئے۔ آپ کو بھی اتنا ہی حصہ ملا۔ جب تقسیم کا کام ختم ہو چکا تو ایک شخص دوڑتا ہوا آپ کی خدمت میں آیا اور بولا "یا امیر المومنین! مجھے تو کچھ بھی نہیں ملا۔" آپ نے یہ سُن کر اپنے حصے کے پانچ سو درہم اس کے حوالے کر دیے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جنگ و امن دونوں زبانوں میں مذکورہ بالا جملہ اوصاف کے باوصف جب قبیلۂ ازد کے ایک شخص ابی لبسیر جہضمی سے پوچھا گیا "کیا تم علی رضی اللہ عنہ سے محبت کرتے ہو؟" تو وہ بولا: میں ایسے شخص سے کس طرح محبت کر سکتا ہوں جس نے ایک ہی دن کے کچھ حصے میں میرے قبیلے کے ڈھائی ہزار آدمی قتل کر دیے جس کا انجام یہ ہوا کہ اکثر و بیشتر گھروں میں ایک دوسرے پر رونے والا بھی کوئی نہ بچا لیکن اب وہی شخص گھر گھر جا کر باقی لوگوں سے پرسش احوال اور ان کے ساتھ اظہار ہمدردی بھی کرتا پھرتا ہے۔"

حضرت علیؓ کا سفر کوفہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عبد اللہ بن عباس کو بصرے کا عامل مقرر فرما کر کوفے کا رُخ کیا، جب آپ کوفے میں داخل ہوئے اس روز ماہِ رجب کی بارہ راتیں گزر چکی تھیں۔ آپ نے کوفے میں پہنچ کر اشعث بن قیس کو آذربائیجان اور آرمینیا کی گورنری سے معزول کر کے واپس بُلا لیا، انہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان دونوں مقامات کا گورنر مقرر کیا تھا۔ اشعث کی جگہ آپ نے جریر بن عبد اللہ بجلی کو ہمدان سے بدل کر وہاں کا گورنر مقرر کیا حالانکہ وہ بھی ہمدان میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے گورنر مقرر کیے گئے تھے۔ اشعث کو معزول کرنے کی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک سب سے بڑی وجہ ان کا اپنی گورنری کے زمانے میں ذاتی مفاد میں مال و دولت اکٹھا کرنا تھا۔ جب اشعث آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے دریافت کیا "وہاں اب تک کتنا مال جمع کر کے چھوڑ آئے ہو؟"

حضرت علیؓ کی طرف سے جریر بن عبداللہ کا سفر شام

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب جریر بن عبداللہ کو معاویہ کے نام پیغام دے کر شام بھیجنا چاہا تو اشتر مالک نے اس کی مخالفت کی کیونکہ انہیں اس کام کے لیے جریر موزوں نہیں لگتے تھے جب کہ خود جریر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ انہیں شام بھیجا جائے تاکہ وہ معاویہ کو ان کی بیعت پر راضی کر کے شام کے سارے لوگوں کو آپ کی اطاعت پر آمادہ کر سکیں۔ اشتر مالک نے جریر کے بارے میں کہا تھا کہ اسے ہرگز نہ بھیجا جائے کیونکہ اس کی نیت اور ارادے معاویہ اور اہل شام سے الگ نہیں ہیں" لیکن آپ نے یہ کہہ کر کہا کہ "چلو اس کی آزمائش تو ہو جائے گی" جریر کو معاویہ کے پاس یہ پیغام دے کر بھیج دیا کہ "جملہ اہل مدینہ، اہل بصرہ اور اہل کوفہ ان کی بیعت کر چکے ہیں لہٰذا انہیں بھی ان کی بیعت سے جس کے وہ سب سے زیادہ مستحق ہیں انکار نہیں ہونا چاہیے۔"

جب جریر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا پیغام لے کر معاویہ کے پاس دمشق پہنچے تو انہوں نے انھیں جواب کے لیے انتظار کا حکم دے کر دمشق میں ٹھہرا لیا اور دوسری طرف بالا ہی بالا عمرو بن عاص کو مشورے کے لیے بلا بھیجا۔ عمرو بن عاص نے معاویہ کو جو مشورہ دیا اس کے بارے میں ہم زیر نظر کتاب کے پچھلے صفحات میں ذکر کر چکے ہیں اور یہ بھی بتا چکے ہیں کہ عمرو بن عاص نے معاویہ کی حمایت کی کیا قیمت طلب کی تھی یعنی مصر کی گورنری۔ چنانچہ معاویہ نے انہیں فوراً مصر کی گورنری کا پروانہ دے دیا۔ عمرو بن عاص نے معاویہ کو یہ مشورہ بھی دیا کہ وہ خونِ عثمانؓ کا انتقام لینے پر مصر رہیں اور ضرورت پڑے تو حضرت علیؓ کے ساتھ اسی مطالبے کو سامنے رکھ کر جنگ کرنے سے بھی دریغ نہ کریں۔

مذکورہ بالا واقعات کے پیشِ نظر جریر بن عبداللہ کا شام سے ناکام واپس آنا ایک فطری امر تھا۔

جریر نے واپس آ کر بیان کیا کہ "معاویہ اور ان کے ساتھ سارے اہل شام خونِ عثمان (رضی اللہ عنہ) کے انتقام پر بضد ہیں اور اب تک ان کے قتل پر گریہ و زاری کر رہے ہیں۔"

جریر کی زبان سے یہ باتیں سن کر اشتر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بولے: میں نے آپ سے پہلے ہی عرض کیا تھا کہ یہ معاویہ کا پٹھو ہے اور آپ کے مخالفین کے ساتھ اس کی ملی بھگت ہے، اس لیے اسے معاویہ کے پاس ہرگز نہ بھیجا جائے بلکہ سازگار ہونے تک اسے

قید میں رکھا جائے ۔" اشتر کی ان باتوں پر جریر غصے سے آگ بگولہ ہو کر بولا: " معاویہ کے پٹھو تم خود ہو گئے اور امیر المومنین کے مخالفین میں بھی تم پیش پیش ہو بلکہ مجھے تو یقین ہے کہ عثمان رضہ کو تمہیں نے قتل کر کے یہ سارا فتنہ کھڑا کیا ہے ۔"

حضرت علی رضہ کے رُوبرو اُشتر سے مندرجہ بالا جھڑپ کے بعد جریر خفیہ طور پر فرات کے راستے رحبہ ہوتا ہوا قرقیسیا چلا گیا اور وہاں سے معاویہ کو ایک خط لکھا جس میں انہیں اپنی سرگزشت سُنا کر معاویہ کی ہم نشینی اور ان کے پاس پناہ لینے کی خواہش ظاہر کی، چنانچہ معاویہ نے اسے اپنے پاس دمشق بُلا لیا۔

مغیرہ اور معاویہ

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ واقعہ جمل کے بعد بصرے سے کوفے آئے تو وہاں مغیرہ بن شعبہ ثقفی کو معاویہ کا ایک خط ملا جس میں لکھا تھا

" تم نے علی رضی اللہ عنہ کا حال دیکھ لیا اور یہ بھی دیکھ لیا کہ تم نے انہیں جو مشورہ دیا تھا اس پر انہوں نے کہاں تک عمل کیا ۔ میری بات الگ رہی خود طلحہؓ و زبیرؓ کے ساتھ انہوں نے جو سلوک کیا وہ بھی تم سے پوشیدہ نہیں ہے، میرے ساتھ وہ جو سلوک کریں گے وہ تم خود سمجھ سکتے ہو"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی تھی تو مغیرہ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا تھا: " یا امیر المومنین! " میں آپ کو ایک مشورہ دینا چاہتا ہوں " اور آپ نے پوچھا تھا: " وہ کیا ہے ؟ " مغیرہ نے آپ کو جو مشورہ دیا تھا یہ تھا کہ طلحہ بن عبید اللہ کو کوفے کا اور زبیرؓ کو بصرے کا گورنر بنا دیا جائے۔ معاویہ کے متعلق اس کا مشورہ یہ تھا کہ انہیں شام کی گورنری پر بحال رکھا جائے تاکہ ان پر اس حیثیت سے حضرت علی رضہ کی اطاعت ناگزیر ہو جائے ۔ مغیرہ کا یہ مشورہ سُننے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: " طلحہؓ اور زبیرؓ کے متعلق تمہارے مشورے پر غور کروں گا لیکن معاویہ کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا، بس اسے اچھی طرح جانتا ہوں، بہرکیف میں اسے بیعت کے لیے لکھوں گا، اگر وہ مان گیا تو خیر ورنہ اس کے بعد جو کچھ ہوگا وہ اللہ کی مرضی سے ہوگا ۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ جواب سُن کر مغیرہ ان کے پاس سے غضب ناک ہو کر رُخصت ہوا تھا ۔ اس کے بعد اس نے ہر شخص سے بس یہی کہا تھا: " میں نے علی رضی اللہ عنہ کو بہترین مشورہ دیا تھا، میں نے ان سے کہا تھا کہ وہ معاویہ کو شام کی گورنری پر برقرار رہنے دیں

تاکہ اہل شام کو ان کی بیعت وخلافت کا یقین ہو جائے لیکن انہوں نے میری یہ بات نہیں مانی حالانکہ انہیں اس سے بہتر مشورہ دینے والا ساری دُنیا میں کوئی نہ ہوگا (اشعار)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مغیرہ کی رُوگردانی کی سب سے بڑی وجہ یہی تھی۔ ہم اس کے بارے میں، پہلے ہی بتا چکے ہیں۔

ہم نے سطور بالا میں یوم جمل کے ضروری حالات پیش کرنے پر اکتفا کیا ہے اور طول طویل روایات سے جہاں تک ہو سکا صرف نظر کیا ہے۔

صفین میں اہل عراق و شام کے درمیان پیش آمدہ واقعات

حضرت علیؓ کا عزم صفین

جب معاویہ سے صلح وصفائی میں ناکامی ہوئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگ کے سوا چارہ نہ دیکھ کر صفین کا رُخ کیا۔ آپ وہاں ۳۶ھ ہجری میں ماہِ شوال کی چھٹی تاریخ کو پہنچے لیکن معاویہ اپنے لشکر سمیت آپ سے پہلے وہاں پہنچ چکے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ کے عساکر کی تعداد مورخین نے علی الترتیب ۹۰ ہزار اور ۸۵ ہزار بتائی ہے۔ حضرت علیؓ ابو مسعود، عقبہ بن عامر انصاری کو کوفے میں اپنا قائم مقام مقرر کر کے انبار اور رقہ ہوتے ہوئے صفین پہنچے تھے۔ معاویہ نے اپنے لشکر کو جہاں پڑاؤ کا حکم دیا تھا وہ فوجی نقطۂ نظر سے بہت اہم تھی کیونکہ وہاں سے دریائے فرات کے پانی کے حصول میں آسانی تھی اور عقبی علاقہ پہاڑی ہونے کی وجہ سے محفوظ تھا۔ ابوالاعور سلمی حضرت علیؓ کے لشکر سے چار ہزار سوار لے کر آگے بڑھے اور شریعت کا حوالہ دے کر معاویہ سے مطالبہ کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کو فرات سے پانی لینے میں مزاحمت نہ کی جائے۔ عمرو بن عاص نے بھی معاویہ سے کہا کہ "از روئے شریعت یہ مطالبہ درست ہے لہٰذا ان سے کہہ دیا جائے کہ دونوں لشکر فرات سے پانی لے سکتے ہیں، ویسے بھی علی رضی اللہ عنہ پیاسے تو رہ نہیں سکتے اس لیے وہ اپنے جسم میں خون کے آخری قطرے تک پانی کے ایک ایک قطرے کے لیے مرنے مارنے پر تیار ہو جائیں گے مگر اس کے جواب میں معاویہ نے کہا: "ہرگز نہیں میں انہیں فرات سے پانی کا ایک قطرہ بھی لینے کی اجازت نہ دوں گا بلکہ انہیں اسی طرح پیاسا رکھ کر ماروں گا جس طرح انہوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کو پیاسا رکھ کر قتل کیا ہے۔"

نجمی نے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معاویہ کے ارادے سے آگاہ کیا تو آپ نے انہیں حکم دیا کہ وہ انہیں چار ہزار سواروں کے ساتھ معاویہ کے وسط لشکر میں پہنچ جائیں اور وہاں سے جس طرح ہو پانی تک پہنچنے کی کوشش کریں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ان کے پیچھے اُشتر کو لے کر وہ بھی وہاں پہنچ جائیں گے۔

حضرت علیؓ کے حکم پر عمل کیا گیا تو معاویہ کے وسط لشکر کی صفیں کائی کی طرح پھٹ گئیں اور نتیجۃً آپ کے چار ہزار سواروں کا رسالہ لب فُرات جا پہنچا، اس کے بعد حضرت علیؓ اشتر اور کچھ دوسرے سواروں کو لے کر وہاں پہنچ گئے اور اس طرح آپ کے لشکر کا وہاں مکمل قبضہ ہو گیا جہاں اس سے قبل معاویہ کا لشکر جما ہوا تھا۔

یہ دیکھ کر معاویہ عمرو بن عاص سے بولے "اس شخص کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے جس نے ہمارے ساتھ پہلے ہی قدم پر وہ سلوک کیا ہے جو ہم اس کے ساتھ کرنے کا ارادہ کر رہے تھے؟" معاویہ کے اس سوال کے جواب میں عمرو بن عاص نے کہا "اس شخص کے بارے میں میری رائے یہ ہے کہ یا تو ہم اس کی اطاعت پر مجبور ہو جائیں گے ورنہ اس کی تلوار ہم میں سے کسی فرد کی رگ گلو تک پہنچنے سے پہلے نہیں رُکے گی، رہی پانی کی بات تو وہ حد سے زیادہ حق پرست اور دین دار شخص ہے، لہٰذا ہم میں سے کسی کو پیاسا رہنے پر مجبور نہیں کرے گا۔"

عمرو بن عاص کی آخری بات بالکل دُرست نکلی کیونکہ جب معاویہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اپنے اور اپنے لشکر کے لیے دریائے فرات سے پانی لینے کی اجازت طلب کی تو آپ نے انہیں بخوشی یہ اجازت دے دی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو صفین پہنچے دو دن گزرے تھے کہ ماہ ذالحجہ شروع ہو گیا۔ آپ نے معاویہ کو اتحاد کلمہ کے حوالے سے اتحاد بین المسلمین کی دعوت دی اور ان دونوں کے درمیان طویل مراسلت کے بعد یہ طے پایا کہ آخر محرم تک فریقین بری یا بحری کسی علاقے میں ایک دوسرے سے جنگ نہیں کریں گے۔

معاویہ اور شاہ روم کے درمیان صلح نامے میں یہ شرط بھی شامل تھی کہ اگر اوّل الذکر کو علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کرنا پڑی تو روم کی طرف سے شام کو زرِ نقد کے علاوہ سامانِ رسد بھی حسبِ ضرورت مسلسل ملتا رہے گا جب کہ معاویہ اور حضرت علیؓ کے درمیان

عارضی جنگ بندی صرف محرم کے آخر تک طے پائی تھی۔ چنانچہ ماہ محرم کے اختتام پر ان دونوں میں جنگ پھر شروع ہوگئی جس کی طرف حالس بن سعد طائیؒ نے اپنے ایک شعر میں بھی اشارہ کیا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ماہ محرم کے آخری دن غروب آفتاب سے قبل شامی لشکر کو یہ پیغام بھیجا:۔

"میں نے تم لوگوں کو کتاب اللہ سے رجوع کرنے کی دعوت دے کر اتمام حجت کر دیا ہے، نیکی کی طرف اقدام سے زیادہ میں تم سے اور کچھ نہیں چاہتا لیکن یہ بھی جان لو کہ اللہ تعالےٰ امانت میں خیانت کرنے والوں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مندرجہ بالا پیغام کے جواب میں صرف یہ جواب آیا:۔

"ہمارے اور آپ کے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی، جو کمزور ہو گا ہلاک ہو جائے گا۔"

آغازِ جنگ

ماہ صفر کی پہلی تاریخ کو صبح ہوتے ہی شامی و عراقی لشکر ایک دوسرے کے مقابل صف آراء ہو گئے۔ عراقی لشکر کی کمان اُشتر کر رہے تھے جب کہ شامی لشکر کی سربراہی خود معاویہ کر رہے تھے۔ شامی لشکر میں حبیب بن مسلمہ فہری بھی شامل تھے ادھر سے اُشتر آگے بڑھے تو ان کے مقابلے کے لیے معاویہ اپنے لشکر سے نکل کر آگے آئے لیکن تھوڑی ہی دیر بعد دونوں لشکروں میں گھمسان کی جنگ شروع ہوگئی جو غروب آفتاب تک جاری رہی لیکن اس کے بعد دونوں طرف کے لوگ تھکن سے ایسے چُور ہو گئے کہ انہیں اپنے اپنے پڑاؤ میں واپس جانا پڑا۔

اگلے روز جمعرات کا دن تھا۔ حضرت علیؓ نے اس روز سعد بن ابی وقاص کے بھتیجے ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص زہری عرف "مرقال" کو آگے بڑھایا۔ وہ حضرت علیؓ کے طرف داروں میں تھے اور تیز رفتاری کی وجہ سے مرقال کے نام سے مشہور تھے، جنگ یرموک میں ان کی ایک آنکھ جاتی رہی تھی جس کا تفصیلی ذکر ہم اپنی کتاب "کتاب الاوسط" میں فتوح الشام کے تحت کر چکے ہیں۔ انہوں نے مذکورہ جنگ میں بڑی استقامت کے ساتھ داد شجاعت دی تھی۔

اُدھر سے معاویہ نے ابوالاعور سلمی کو جو معاویہ کے طرفداروں اور حضرت علیؓ کے مخالفین میں سے تھے آگے بڑھایا۔ اس روز بھی صفین کے میدان میں گھمسان کا رن پڑا لیکن غروب آفتاب کے بعد دونوں فریق اپنے اپنے ٹھکانوں کو واپس ہو گئے۔

تیسرے روز جمعہ تھا۔ اس روز حضرت علیؓ نے عمار بن یاسرؓ (ابی یقظان) کو کچھ اہل بدر صحابہ اور دوسرے مہاجرین و انصار کے ساتھ آگے بڑھایا۔ ان کے مقابلے کے لیے معاویہ نے عمرو بن عاص اور دوسرے اہل شام کو آگے بڑھایا جن کے تنوخ و بہراء میں شام کے چند بڑے آزمودہ کار جنگجو شامل تھے۔ عمار بن یاسر کے ایک ہی حملے میں عمرو بن عاص کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ پسپا ہو کر لشکر معاویہ میں چلے گئے۔ اس روز کی جنگ میں بھی کشتوں کے پشتے لگ گئے جن میں شامیوں کی کثرت تھی لیکن اہل عراق بھی کچھ کم نہ تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہفتے کے روز جو جنگ صفین کا چوتھا دن تھا اپنے بیٹے محمد حنفیہ اور ان کے فوجی دستے کو آگے بھیجا تو اُدھر سے معاویہ نے عبیداللہ بن عمر خطاب رضی اللہ عنہ کو آگے بڑھایا۔ عبیداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہ) اس اندیشے سے کہ علی (رضی اللہ عنہ) انہیں ہرمزان کے معاملے میں پکڑ لیں گے، مدینے سے معاویہ کے پاس دمشق چلے گئے تھے کیونکہ ابولولوٴ نے جو مغیرہ بن شعبہ کا غلام تھا ان کے والد حضرت عمرؓ کو قتل کیا تھا مگر عبیداللہ نے اپنے باپ حضرت عمرؓ کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے ابولولوہ کے سابق مالک ہرمزان کو قتل کر دیا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ وہ مدینے میں فارس کے کسی آدمی کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ یہی وجہ تھی کہ جب حضرت علیؓ خلیفہ ہو گئے تو عبیداللہ کو یقین ہو گیا کہ وہ ہرمزان کو بے سبب قتل کرنے کے جرم میں انہیں ضرور قتل کرا دیں گے اور وہ جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا اسی خوف سے معاویہ کے پاس دمشق چلے گئے تھے۔ بہرکیف اس روز بھی شام تک بڑی گھمسان کی جنگ ہوئی لیکن عبیداللہ دوپہر کو زخمی ہو کر میدانِ جنگ سے واپس چلے گئے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لڑائی کے پانچویں روز جو اتوار کا دن تھا پہلے عبداللہ بن عباس کو آگے بھیجا تو اُدھر سے معاویہ نے ان کے مقابلے کے لیے ولید بن عقبہ بن ابی معیط کو بڑھایا ولید وہ شخص تھا جو بنی عبدالمطلب بن ہاشم کو اکثر گالیاں دیا کرتا تھا۔ عبداللہ بن عباس نے اس سے دیر تک سخت جنگ کی اور آخر میں ولید کو قتل کر کے بولے: "اے صفوان اب اُٹھ کر مجھ سے بات کر!" صفوان ولید کا لقب تھا۔ اس روز کی شدید جنگ میں ابن عباس ہی کو غلبہ حاصل رہا۔

لڑائی کے چھٹے دن یعنی پیر کے روز حضرت علیؓ نے سعید بن قیس ہمدانی کو آگے بڑھایا وہ اس روز آپ کی طرف سے ہمدانی رسالے کی کمان کر رہے تھے۔ ان کے مقابلے کے لیے

معاویہ نے ذی کلاع کو بھیجا۔ ان دونوں میں دوپہر تک مقابلہ ہوتا رہا لیکن اس کے بعد دونوں زخموں سے چور ہو کر اپنے اپنے لشکروں کی طرف چلے گئے تو ان کے دستے بھی لڑائی کے ساتویں دن پیر کے روز حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے اطاعت گزاروں اور میدان جنگ میں سب سے زیادہ دادِ شجاعت دیتے ہوئے دشمنوں کو کثیر تعداد میں قتل کرنے والوں میں سے اُشتر کو آگے بھیجا تو اُدھر سے معاویہ نے ان کے مقابلے کے لیے حبیب بن مسلمہ فہری کو بھیجا۔ ان دونوں میں اتنی شدید لڑائی ہوئی کہ موت کئی بار ان کے قریب سے ہو کر گزر گئی۔ البتہ شدید زخمی ہونے کے باوجود وہ دونوں لقمۂ اجل ہونے سے بچ گئے۔ جب شام کو وہ دونوں اور ان کے ساتھی اپنے اپنے لشکروں میں واپس ہوئے تو اس وقت تک اہلِ شام کثیر تعداد میں زخمی ہو چکے تھے بلکہ ان میں قریباً سبھی زخمی تھے۔

حضرت علیؓ کی جنگ

جنگِ صفین کا آٹھواں دن بدھ کا دن تھا۔ اس روز حضرت علیؓ بدری صحابہ، دوسرے انصار و مہاجرین اور بنی ربیعہ کے علاوہ ہمدانیوں کو ساتھ لے کر بنفسِ نفیس میدانِ جنگ میں تشریف لائے۔ ابن عباس کی روایت کے مطابق اس روز آپ کے سر پر سفید عمامہ تھا اور آپ کی دونوں آنکھیں دو روشن چراغ معلوم ہو رہی تھیں۔ آپ نے اپنے ساتھیوں کی گنجان صفوں میں پہنچ کر انہیں مخاطب کر کے فرمایا: "مسلمانو! اپنی آوازیں برابر رکھو، اپنے کردار کی تکمیل بزرگانِ ملّت کی طرح کرو، ایک دوسرے سے درختوں کی شاخوں کی طرح پیوست رہو، لڑائی سے قبل اپنی تلواریں سنبھال لو، نیزوں اور تیروں کو درست حالت میں رکھو، اپنی طرف سے دل میں صرف بھلائی کا خیال رکھو، اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے، تم اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچیرے بھائی کے ساتھ ہو، لہٰذا لڑو تو جم کر لڑو، صبر و استقامت کا مظاہرہ کرو اور ہر حالت میں فرار سے قطعاً اجتناب کرو تاکہ آخر میں شرمندہ نہ ہونا پڑے اور روزِ حشر آتشِ جہنم کا سامنا نہ ہو، تمہارے سامنے دشمنوں کا جمِ غفیر ہے جس کا ہر فرد سر تا پا فولاد میں غرق ہے، انہیں بڑی سے بڑی ضرب لگاؤ کیونکہ ان کے سروں پر شیطان سوار ہے اور زیرِ قدم مکر و فریب کا فرش ہے، تم ان کے مقابلے کے لیے اس طرح آگے بڑھو کہ وہ ہمیشہ یاد رکھیں تاآنکہ حق روشن ہو کر سامنے آجائے، تم بہترین لوگ ہو، یہاں اپنے عملِ نیک کو چھوڑ نہ بیٹھنا۔

مندرجہ بالا خطبے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ بالکل رسول اللہ صلے اللہ علیہ کی طرح جنگ کے لیے آگے بڑھے۔ ان کے مقابلے کے لیے معاویہ بہت سے شامیوں کو ساتھ لے کر

نکلے۔ شام کے وقت جب فریقین واپس ہوئے تو فاتح کوئی نہ تھا۔

جنگ کے نویں روز بھی جو جمعرات کا دن تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ پھر میدان میں آئے تو ان کے مقابلے کے لیے خود معاویہ اپنی صفوں سے آگے آئے اور سُورج ڈھلنے تک دونوں میں جنگ ہوتی رہی۔ معاویہ کے لشکر کا ایک گروہ جو چار ہزار صخری جوانوں پر مشتمل تھا جن کا لباس سبز رنگ کا تھا۔ حضرت علی رضؓ کے مقابلے میں وہ یقیناً اپنی موت کو دعوت دینے آئے تھے لیکن ان کے لبوں پر خون عثمان رضؓ کے قصاص کا نعرہ تھا، ان کے آگے آگے عبید اللہ بن عمر رضؓ تھے جو رجز کے طور پر یہ اشعار پڑھ رہے تھے:۔

میں عبید اللہ بن عمر رضؓ ہوں جو نبیؐ اور شیخ بزرگ کے بعد قریش کے بہترین شخص تھے

قریش کے اسلاف و اخلاف دونوں میں میری عمر عثمان رضؓ کی اتباع و نصرت میں گزری ہے

پس اے بنی ربیعہ بارش کی پیاس مت بجھاؤ!"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عبید اللہ بن عمر رضؓ کو پکار کر کہا: "اے ابن عمر (رضی اللہ عنہ) مجھے تجھ پر افسوس ہے کہ تو مجھ سے لڑنے آیا ہے، اگر آج تیرا باپ زندہ ہوتا تو مجھ سے ہرگز نہ لڑتا۔"

یہ سُن کر عبید اللہ بولے: "میں حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کے خون کے قصاص کا طالب ہوں۔"

اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "تو مجھ سے خون عثمانؓ کا قصاص چاہتا ہے مگر میں تجھ سے بجا طور پر قتل ہرمزان کا قصاص لینا چاہتا ہوں۔" یہ کہہ کر آپ نے اُشتر نخعی کو عبید اللہ بن عمر رضؓ کے مقابلے کا حکم دیا تو وہ بھی رجزیہ اشعار پڑھتے ہوئے عبید اللہ کے مقابلے کے لیے آگے بڑھے لیکن آخر الذکر نے ان سے جنگ نہیں کی۔

اس روز کی جنگ میں بھی لوگ کثیر تعداد میں قتل ہوئے۔

عمار بن یاسر رضؓ

عمار بن یاسر نے روز جنگ جو کچھ کہا اور ان پر جو کچھ گزری وہ درج ذیل ہے۔

انہوں نے فرمایا: "میں ان لوگوں کے منہ کیا دیکھوں جن کے کردار کی پستی کا یہ عالم ہے کہ وہ حق سے روگردانی کر کے باطل کے لیے جنگ کر رہے ہیں۔ ہمیں شکست نہیں ہو سکتی جب تک ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش نہ ہو لیکن یہ ناممکن ہے کیونکہ ہم حق پر ہیں اور یہ لوگ

باطل کی حمایت کر رہے ہیں۔"

جب عمار بن یاسرؓ میدان جنگ سے اپنی جگہ واپس آئے تو انہیں سخت پیاس لگ رہی تھی، اسی وقت کسی عورت نے انہیں دُودھ سے لبریز پیالہ پیش کیا جسے دیکھ کر وہ بولے: "اللہ اکبر اللہ اکبر، آج کا دن میری زندگی کا سب سے بہتر دن ہے، مجھے مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی دن کی خبر دی تھی اور بالکل سچ فرمایا تھا اور مجھ سے اس بہترین دن کے لیے ایک وعدہ بھی فرمایا تھا۔" اس کے بعد انہوں نے کہا: "اے لوگو! کیا آج زیر آسمان اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی ہوئی خوشبو تم محسوس کر رہے ہو؟ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں اسی کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی میں ہم آپؐ کے دشمنوں سے لڑتے تھے آپؐ کی وفات کے بعد آپ کے احکام کا صحیح مفہوم سمجھتے ہوئے آج بھی دشمنانِ دین سے اُسی طرح لڑیں گے۔"

یہ کہہ کر وہ درج ذیل رجزیہ اشعار پڑھتے ہوئے پھر میدانِ جنگ کی طرف لوٹ گئے۔

"جس طرح ہم رسول اللہ کے زمانے میں تم سے لڑتے تھے آج بھی ویسے ہی لڑیں گے
تاکہ آپؐ کے دوست دشمن متمیز ہو جائیں اور باطل کے مقابلے میں حق ظاہر ہو جائے"

جب عمار دوبارہ میدان جنگ میں پہنچے تو ان پر مقابل فوج کی طرف سے تیروں کی بارش ہونے لگی لیکن وہ ان کی صفوں میں دلیرانہ بڑھتے چلے گئے اور اتنے بڑھے کہ ابوالعادیہ عاملی اور ابن جون سکسکی نے موقع پا کر انہیں قتل کر دیا۔ اس بارے میں لوگ مختلف الرائے ہیں کہ ان کے ہتھیاروں پر قبضہ کرنے کے بعد ان کے کپڑے تک اُتار لیے گئے تھے۔

جب عمار بن یاسر کے قاتلوں کو عبداللہ بن عمرو بن عاص کے سامنے پیش کیا گیا تو وہ بولے: "تم دونوں میرے سامنے سے دُور ہو جاؤ، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سُنا ہے کہ "میں قریش کو عمار کی وجہ سے چاہتا ہوں، قریش میں جو اچھے اوصاف ہیں وہ عمار کے اوصاف کا پرتو ہیں، یہ کسی دن اُنھیں جنت کی دعوت دیں گے لیکن وہ (قریش) انہیں دوزخ میں گھسیٹنا چاہیں گے۔" (حدیث کا مفہومی ترجمہ)

عمار بن یاسر کے جنازے کی نماز حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پڑھائی لیکن انہیں غسل نہیں دیا گیا نہ کفن پہنایا گیا بلکہ ویسے ہی دفن کر دیا گیا۔ ان کی قبر صفین ہی میں ہے۔

عمار بن یاسر کے نسب کے متعلق لوگوں میں اختلاف ہے۔ بعض لوگ انہیں بنی مخزوم سے

بتلاتے ہیں جب کہ کچھ دوسرے لوگوں کی رائے ہیں وہ ان کے حلیفوں میں سے تھے لیکن کچھ اور لوگ اس رائے کے مخالف ہیں۔ ان کے مفصّل حالات و کوائف ہم اپنی ایک دوسری کتاب "مزاہر الاخبار و طرائف الآثار" میں ان پچاس اشخاص کے حالات و کوائف کے ساتھ بیان کر چکے ہیں جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کرتے وقت ان کی حمایت میں جان دینے کی قسم کھائی تھی۔ عمار بن یاسر کی موت پر حجاج بن غزیہ انصاری نے ایک بڑا دردناک و پُر اثر مرثیہ بھی کہا ہے۔

اس روز کی لڑائی میں عمار بن یاسرؓ کے کام آجانے کے بعد سعید بن قیس ہمدانی نے ہمدانیوں کی اور قیس بن سعد بن عبادہ نے انصار اور بنی ربیعہ کے لوگوں کی کمان سنبھالی اور عدی بن حاتم بنی طے میں سے اور سعید بن قیس ہمدانی نے آگے بڑھنے والوں میں پہل کی۔ اس کے بعد عام جنگ شروع ہو گئی اور ادھر اُدھر دونوں طرف کے لوگ ایک دُوسرے کی صفوں میں گھُس کر دست بدست لڑنے لگے جس سے لڑائی میں حد درجہ شدّت پیدا ہو گئی۔ اِدھر کا ہمدانی دستہ شامیوں کو دھکیلتا ہوا وہاں تک لے گیا جہاں معاویہ کھڑے تھے، وہاں معاویہ کے ساتھ سعید بن قیس کے بعض لوگوں کے علاوہ ہمدان کے بھی کچھ لوگ کھڑے تھے۔ حضرت علیؓ نے اُشتر کو حکم دیا کہ وہ اپنا پرچم لے کر اہل حمص و قنسرین کی طرف بڑھیں۔ اس کے نتیجے میں بہت سے اہل حمص و قنسرین قتل ہوئے جن میں متعدد قاری بھی شامل تھے۔

اس روز "مرقال" اس طرح تڑپ رہے تھے جیسے کوئی پرندہ پنجرے میں پھڑپھڑاتا ہے، وہ برق رفتاری سے اِدھر اُدھر جا رہے تھے، کوئی انہیں چھیڑنے کو کہتا کہ "اے بھنگے آج بزدلی نہ دکھانا تو وہ اس کا دو بدو "منہ توڑ" جواب دیتے۔ ہاشم بن عتبہ عرف "مرقال" ذی کلاع کو سامنے دیکھ کر اس پر جھپٹے تو ان پر ذی کلاع کے پرچم بردار نے آگے بڑھ کر تیزی سے حملہ کر دیا، وہ شخص بنی عُذرہ کا کوئی آدمی تھا۔ پہلے ان دونوں میں تلخ کلامی ہوئی جس کے بعد ہاشم مرقال نے اس کے حملے سے بچاؤ کے بعد اسے قتل کر دیا اور آگے بڑھ کر ذوکلاع پر حملہ آور ہوئے۔

اس روز ہاشم مرقال اور ان کے ساتھیوں نے قسم کھائی تھی کہ یا تو فتح حاصل کریں گے یا قتل ہو جائیں گے۔ مرقال پر دشمن کی ایک جماعت نے مل کر حملہ کیا اور انہیں قتل کر دیا لیکن وہ اس وقت تک ذوکلاع اور اس کے جملہ ساتھیوں کو قتل کر چکے تھے۔ مرقال کا بیٹا اپنے باپ کے قتل کے بعد اس کا پرچم بلند کر کے دشمنوں پر اسی کی سی برق رفتاری سے جا پڑا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے کچھ ساتھیوں نے جب مرقال کی لاش دیکھی تو حضرت علیؓ نے اللہ تعالیٰ سے ان پر نزولِ رحمت کے لیے دُعا فرمائی۔

حذیفہ بن یمان اور اس کے بیٹے

اس روز کی جنگ میں حذیفہ بن یمان کے بیٹوں سعد و صفوان نے حصّہ لیا۔ ۳۶ھ ہجری میں جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا گیا اس وقت حذیفہ کوفے میں بیمار پڑے تھے۔ جب انہیں عثمانؓ کے قتل اور اہلِ مدینہ کی طرف سے حضرت علیؓ کی بیعت کی خبر ملی تو انہوں نے چلّا کر کہا "مجھے مکان سے باہر لے چلو، لوگوں کو بلاؤ کہ وہ مل کر شکرانے کی نماز ادا کریں، جب انہیں مسجد میں لے جایا گیا تو اُنہوں نے منبر پر بیٹھ کر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حمد و ثنا کے بعد آلِ رسول پر درود بھیجا اور پھر حسب ذیل خطبہ دیا۔

"لوگو! دُوسرے لوگوں نے علی (رضی اللہ عنہ) کی بیعت کر لی ہے، تم پر بھی لازم ہے کہ تقوےٰ اختیار کر کے ان کی بیعت کے بعد ان کی مدد بھی کرو، علی (رضی اللہ عنہ) اوّل و آخر حق پر ہیں، وہ تمہارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد اب تک ہر شخص سے افضل ہیں اور قیامت تک رہیں گے۔"

اس کے بعد انہوں نے اپنے بائیں ہاتھ پر داہنا ہاتھ رکھ کر کہا: "اے اللہ! تو گواہ رہنا کہ میں نے حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کی بیعت کر لی ہے" پھر بولے: "یا اللہ تیرا شکر ہے کہ تو نے مجھے آج تک زندہ رکھا۔" اس کے بعد انہوں نے اپنے دونوں بیٹوں سعد و صفوان سے کہا: "اب تم مجھے اُٹھا کر گھر لے چلو اور دیکھو! تم علی (رضی اللہ عنہ) کا ہمیشہ ساتھ دینا کیونکہ انہیں متعدد لڑائیاں پیش آئیں گی جن میں بے شمار لوگ قتل ہوں گے، تم ان کا (حضرت علیؓ کا) ساتھ دینے سے کبھی نہ چوکنا کیونکہ وہی درحقیقت حق پر ہیں اور جو ان کے مخالف ہیں وہ باطل کی پیروی کر رہے ہیں۔"

اس گفتگو کے سات دن اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ چالیس دن بعد حذیفہ بن یمان نے کوفے میں وفات پائی۔ جن لوگوں نے ان کی نمازِ جنازہ میں شرکت کی ان میں بدیل بن ورقاء خزاعی کے دونوں بیٹے عبداللہ و عبدالرحمٰن اور بنی خزاعہ کے بہت سے دُوسرے لوگ شامل تھے۔

عبداللہ اور ان کے بھائی عبدالرحمٰن حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کے میسرہ میں تھے اور وہ دونوں بیٹے بعد دیگرے جنگ صفین کے اسی روز جس کا ہم ابھی ذکر کر رہے ہیں قتل

کر دیے گئے۔

اس روز معاویہ نے یہ دیکھ کر کہ اہل شام مسلسل پسپا ہو رہے ہیں اور اہل عراق برابر بڑھتے چلے آ رہے ہیں۔ نعمان بن جبلہ تنوخی کو بلایا جو اپنے قبیلے تنوخ اور بہرا کا پرچم اٹھائے دونوں کی کمان کر رہے تھے اور ان سے بولے: "میں نے تم لوگوں میں سے تمہیں بہترین سمجھ کر ان کی کمان تمہیں دی ہے، پھر تم انہیں آگے کیوں نہیں بڑھاتے؟ کیا تم اپنے قول و قرار سے پھر گئے ہو؟" معاویہ کی زبان سے یہ سن کر نعمان بن جبلہ تنوخی نے جواب دیا: "میرا قول و قرار میری ذات تک محدود ہے، میں حق و باطل میں تمیز کر سکتا ہوں پھر بھی اپنا قول نبھانے کے لیے ملک و امارت کے حصول تک آپ کا ساتھ دینے پر آمادہ ہوں لیکن اپنی قوم کو اس آگ میں نہیں جھونک سکتا جہاں عراقی اپنی چمکدار تلواروں سے کشتوں کے پشتے لگانے چلے جا رہے ہیں اور باقی ماندہ لوگوں کے لیے بھی کوئی جائے پناہ نہیں ہے، ویسے مجھے خبر ہے کہ میں نے صرف آپ کے لیے اس رشد و ہدایت سے منہ موڑ لیا ہے جس کے لیے آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی جنگ پر مجبور ہو گئے ہیں لیکن ہم نے شام کے اثمار و زیتون کی خاطر جنت کی نہروں اور اس کے پھلوں کو بھلا دیا ہے۔" اتنا کہہ کر وہ مڑا اور جنگ میں شامل ہو گیا۔

مقتل عبید اللہ بن عمرؓ

جب عبید اللہ بن عمرؓ میدان جنگ میں جانے کے لیے اٹھے تو ان کی بیویاں ان کے جسم پر ہتھیار سجانے لگیں لیکن ان کی بیوی شیبانیہ بنت ہانی بن قبیصہ ان کے خیمے میں نہیں آئیں یہ دیکھ کر وہ خود ان کے خیمے میں گئے اور ان سے بولے: "تم یہاں کیا کر رہی ہو جب کہ میں میدانِ جنگ میں جانے کی تیاری کر رہا ہوں، بہر کیف اگر میں لڑائی میں کام آ جاؤں تو تم اپنے خیمے کی طنابوں کو مضبوط و مربوط رکھنا۔ میں نے اسی لیے اب تک تمہیں اپنی سب بیویوں پر ترجیح دی ہے۔" یہ سن کر وہ بولیں: "آپ میدانِ جنگ میں جا رہے ہیں لیکن مجھے یہ بتائیے کہ اس کا مقصد کیا ہے؟ آپ نے زمانہ اسلام یا اس سے قبل زمانہ جاہلیت میں کتنی لڑائیوں میں حصّہ لیا ہے؟ کیا آج کی لڑائی میں آپ اپنے سب مخالفین کو قتل کر سکیں گے؟ میں تو یہ سمجھتی ہوں کہ آپ اس لڑائی میں صرف اس لیے شریک ہو رہے ہیں کہ جو شخص حق پر ہے وہ ویسے بھی قتل ہرمزان کے قصاص میں آپ کو قتل کر دیتا اور۔۔۔۔"

ابھی شیبانیہ کی بات ختم نہیں ہوئی تھی کہ عبید اللہ نے اسے کمان مار کر زخمی کر دیا پھر بھی وہ کہنے سے نہ رُک سکی کہ "میری آخری آرزو یہ ہے کہ اگر آپ اس جنگ میں قتل ہو جائیں تو آپ کی لاش میرے پاس ضرور بھجوا دی جائے۔" شیبانیہ کی زبان سے یہ کلمات سُن کر عبید اللہ طیش میں بھرے ہوئے اس کے خیمے سے نکل کر گھوڑے پر سوار ہوئے اور اس کا رُخ میدانِ جنگ کی طرف موڑ دیا جب وہ میدانِ جنگ میں پہنچے تو حریث بن جابر جعفی نے پہلے ان پر آوازے کسے اور پھر دست بدست لڑائی میں انہیں قتل کر دیا۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ انہیں اشتر نخعی نے قتل کیا تھا اور کچھ نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے ہاتھوں قتلِ ہرمزان کے بعد سے انہیں گرفتار کرنے کی فکر میں تھے۔ آج جب ان پر آپ کی نظر پڑی تو آپ نے ان کے سر پر ایسی بھرپور تلوار ماری کہ وہ ان کا خود کاٹتی ہوئی ان کے بالائی جسم سے گزر کر ان کے پیٹ تک جا پہنچی اور اس طرح آپ نے انہیں قتل کر کے کہا: "میں آج قتلِ ہرمزان کے قصاص سے سبکدوش ہوا ہوں۔"

عبید اللہ کی بیویوں نے معاویہ سے ان کی لاش بھیجنے کی درخواست کی تو انہوں نے اس کے بدلے میں ان سے دس ہزار دینار طلب کیے جو انہوں نے بھجوا دیئے۔ یہ واقعہ سُن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔

"کسی مُردہ شخص کی لاش مُردار ہوتی ہے اور اس کی فروخت حرام ہے، جس طرح کُتّا حرام ہوتا ہے لیکن اب چونکہ معاویہ کو اس کی قیمت مل گئی ہے لہٰذا تم لوگ اس سے اس کی لاش منگوا کر اس کی بیوی شیبانیہ کو بھجوا دو۔"

جب جنگ کے آخری دن لڑائی نے زور پکڑا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ لشکرِ شام کی صفوں کو چیرتے ہوئے معاویہ کے خیمے تک جا پہنچے اور انہیں آواز دے کر کہا: "معاویہ! تم ہزاروں مسلمانوں کا خون کیوں کرا رہے ہو؟ نیابتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مسئلہ میرا اور تمہارا قضیہ ہے، بہتر ہے کہ تم باہر آ کر میرا مقابلہ کرو تاکہ اس کا فیصلہ ہو جائے۔"

حضرت علی رضؓ کی یہ باتیں عمرو بن عاص نے بھی سُنیں جو اس وقت معاویہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے معاویہ سے کہا: "علی رضی اللہ عنہ ٹھیک تو کہہ رہے ہیں! آپ جا کر ان کا مقابلہ کیوں نہیں کرتے؟"

معاویہ بولے: "تمہارا مقصد میں سمجھتا ہوں، پہلے تم نے مجھ سے مصر کی گورنری مانگی جو تمہیں مل گئی ہے۔ اب تم کیا چاہتے ہو؟ یہی نا کہ میرے قتل ہونے کے بعد تم میرے جملہ

مقبوضات پر قابض ہو جاؤ کیونکہ تم جانتے ہو کہ اب تک میدانِ جنگ میں علی رضی اللہ عنہ کا مقابلہ کر کے کوئی زندہ واپس نہیں لوٹا۔ یا اگر بفرضِ محال زندہ رہا تو بحالت اسیری۔"

معاویہ کی طرف سے کوئی جواب نہ پا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عراقی اور اپنی دوسری فوجی صفوں کو شامیوں پر ایک بار اور بھرپور حملے کا حکم دیا۔ اس وقت تک عمرو بن عاص دوبارہ شامی افواج میں جا پہنچا تھا مگر یہ وہ وقت تھا جب اہل عراق شامیوں پر ہر حملے میں غالب آتے جا رہے تھے اور آخر الذکر میں ہر طرف بھگدڑ پڑی ہوئی تھی۔ عمرو بن عاص نے دیکھا حضرت علی رضی اللہ عنہ اب اس کے قریب پہنچنے ہی والے ہیں تو وہ گھوڑے سے کودا، نیزہ اور تلوار پھینک کر کپڑے تک اُتار ڈالے اور مادر زاد برہنہ ہو کر کھڑا ہو گیا، حضرت علیؓ جب اسے قتل کرنے کے ارادے سے اس کی طرف بڑھے اور تلوار بلند کی تو اسے اس حالت میں دیکھ کر استغفر اللہ کہا اور منہ پھیر لیا۔ عمرو بن عاص نے یہ موقع غنیمت جانا اور بھاگتا ہوا معاویہ کے خیمے میں جا پہنچا اور گھبرا کر ان سے بولا: کیا آپ کو جنگ کا اندازہ نہیں ہے؟ باہر نکل کر دیکھیے ہماری فوج کے لاتعداد سپاہی قتل ہو چکے ہیں، عراقیوں نے ہمیں ہر طرف سے گھیرے میں لے لیا ہے، تھوڑی دیر میں شام کا ہر شخص ہتھیار ڈال دے گا، علی رضی اللہ عنہ کی فتح یقینی ہے"

معاویہ بولے "پھر کیا کیا جائے؟" عمرو بن عاص نے کہا: آپ باہر نکل کر اپنی بچی کھچی فوج کو حکم دیجیے کہ وہ ہر طرف نیزوں پر قرآن بلند کر لیں اور آپ اعلان کرائیے کہ اب ہمارے اور علی (رضی اللہ عنہ) کے مابین تلوار کی جگہ کلام الٰہی فیصلہ کرے گا۔"

معاویہ کو عمرو بن عاص کا یہ مشورہ پسند آیا اور دیکھتے دیکھتے شامی فوج کے کم سے کم پانچ سو افراد نے تلواریں پھینک کر نیزوں پر قرآن بلند کر لیے اور ہر طرف وہی اعلان ہونے لگا جس کا مشورہ عمرو بن عاص نے معاویہ کو دیا تھا۔ یہ دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے قلب لشکر کے علاوہ میسرہ اور میمنہ دونوں میں برق رفتاری سے پہنچ کر بلند آواز سے فرمایا: یہ سراسر دھوکا ہے، جو لوگ احکام شریعت کے منکر ہیں ان کے نزدیک قرآن کی کیا حیثیت ہے بے جھجک آگے بڑھو، خدا کے فضل سے کچھ دیر میں ہماری فتح یقینی ہے۔"

اگرچہ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ صداقت پر مبنی تھا لیکن کچھ سادہ لوح اہل عراق آپ کی دُور اندیشی اور معاویہ کے پُر فریب اعلان اور ان کی موقع پرستی کو نہ سمجھ سکے اور وہ قرآن کے احترام میں جہاں تھے وہیں رُک گئے، ویسے بھی اب رات ہو

چکی تھی اور اہلِ شام کے لاتعداد افراد کے علاوہ بے شمار اہلِ عراق بھی لڑائی میں کام آچکے تھے، اُشتر حضرت علی رضؓ کے میمنہ میں تھے اور اہلِ عراق کو حضرت علی رضؓ کے قول کی صداقت سے آگاہ کر رہے تھے لیکن اشعث اور اس کے ساتھ بہت سے دُوسرے لوگ جو بعد میں خوارج کے نام سے مشہور ہوئے اپنی جگہ سے نہ ہلے اور یہی کہتے رہے کہ قرآن کا فیصلہ ہمارے لیے حرفِ آخر ہے۔ اُشتر نے چلا چلا کر انہیں لاکھ سمجھایا کہ معاویہ، عمرو بن عاص، ابن ابی معیط، حبیب بن مسلمہ اور ابن نابغہ وغیرہ اصحاب دین و قرآن نہیں ہیں تو احکام قرآن پر کیا عمل کریں گے۔ اسی طرح اُشتر اور اشعث میں دیر تک بحث ہوتی رہی۔ اُدھر معاویہ نے اعلان کیا کہ "ہم قرآن کے سوا کسی کی بات نہیں مانیں گے، اب فیصلہ قرآن کے مطابق ہوگا۔"

جب ہر طرف سے یہی آوازیں آنے لگیں تو اشعث نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آکر کہا:۔

"آپ تو قرآن کے ہر حکم پر عامل ہیں، قرآن کا فیصلہ ظاہر ہے آپ کو بھی قبول کر لینا چاہیے۔" اس کے بعد اشعث بولا "معاویہ عمرو بن عاص کو قرآن کے مطابق اپنی طرف سے ثالث بنانے کے لیے تیار ہیں آپ ابو موسےٰ اشعریؓ کو مقرر کر دیجیے۔"

حضرت علی رضؓ نے فرمایا: "مجھے ابو موسےٰ اشعریؓ کا بخوبی تجربہ ہے، وہ اپنے گزشتہ اعمال کے پیشِ نظر میری طرف سے ثالثی کا حق ادا کرنے کے اہل نہیں ہیں، بہتر ہے کہ عبداللہؓ بن عباسؓ کو مقرر کیا جائے۔"

اشعث نے کہا: اگر ابو موسےٰ اشعریؓ آپ کے نزدیک غیر جانب دار نہیں ہو سکتے تو پھر عبداللہ بن عباسؓ کے بارے میں بھی لوگ یہی کہیں گے۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "تو پھر ہماری طرف سے اُشتر کو ثالث بنا دیا جائے۔"

اشعث نے کہا: "وہ بھی آپ کے خاص حمایتی سمجھے جاتے ہیں، لہٰذا ان کی ثالثی بھی عام مسلمانوں کی رائے میں مشکوک ہی رہے گی۔"

یہ سُن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "پھر تم اپنی طرف سے جسے چاہو ثالث بنا دو۔" اس پر اکثر لوگ بولے: "ابو موسیٰ ہی بہتر ہیں، ان کا فیصلہ یقیناً خیر پر مبنی ہوگا۔" چنانچہ اِدھر سے انہیں ثالث بنا دیا گیا۔

تحکیم (ثالثی) کا آغاز

ابو موسےٰ اشعریؓ جنگ صفین سے قبل کہا کرتے تھے کہ بنی اسرائیل کے دو گروہوں کو اس وقت تک چین نہ ملا جب تک انہوں نے ثالثی کے لیے دو ثالث مقرر نہیں کر دیے تھے لیکن اس کے بعد بھی فتنہ ختم نہ ہوا تھا کیونکہ ان دونوں گروہوں کے پیروکاروں نے ان کے فیصلے پر اتفاق نہیں کیا۔

جب ابو موسےٰ اشعریؓ حاکمین میں سے ایک مقرر ہو گئے تو اُن سے سوید بن غفلہ نے کہا پہلے تو آپ بنی اسرائیل کے زمانے کی بات کیا کرتے تھے لیکن اب تو دو ثالثوں میں سے آپ خود ایک حکم بن گئے ہیں، آپ اس کے بارے میں اچھی طرح سوچ لیجیے۔"

یہ سُن کر ابو موسےٰ اشعریؓ نے کہا: کیا مجھے حکم بنایا گیا ہے؟" سوید بن غفلہ بولے: "جی ہاں آپ کو۔" یہ سُن کر ابو موسےٰ اشعریؓ نے اپنا کرتہ اُتار پھینکا، پھر بولے:۔ "کیا مجھے آسمان کے دو طبقات کے بارے میں فیصلہ کرنا ہے جب کہ میں آسمان تو کیا زمین کے بارے میں کسی صحیح نتیجے پر پہنچنے سے قاصر ہوں۔"

جب تحکیم کے بعد سوید بن غفلہ نے ان سے کہا:۔

"اسے ابو موسےٰ کیا آپ کو اپنا پہلا قول یاد ہے" تو انہوں نے جواب دیا:۔

"اللہ کی مرضی۔"

تحکیم کی شرائط اور اجتماع مسلمین کی دعوت

مؤرخین کے مطابق اس بات پر اتفاق ہو گیا تھا کہ قرآن سے رجوع کے بعد

اس کے اوامر و نواہی پر پورا پورا عمل کیا جائے اور اپنی ذاتی رائے کو حاکمین میں سے کوئی دخل نہ دے، پھر ان کے فیصلے پر جملہ مسلمان عمل کریں۔ بہر کیف حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔

"بس قرآن کے ایک ایک لفظ پر عمل کرنے کا پابند ہوں لیکن ثالثوں میں سے کسی نے بھی احکام قرآنی کے برعکس فیصلہ کیا تو اس کی پابندی مجھ پر لازم نہیں ہو گی۔"

ثالثوں (حکمین) کی ملاقات کے لیے ماہ رمضان مقرر کیا گیا اور اس میں جو معاہدہ تیار کیا گیا اس میں یہ تحریر کیا گیا کہ ثالثی ماہ صفر کے اواخر ۳۷ھ ہجری میں ہو گی اور یہ کہ جہاں ثالث فیصلے کے لیے دوبارہ ملاقات کریں گے وہ جگہ کوفے اور شام کے درمیانی علاقے میں ہو گی۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ تاریخ ماہ صفر کے ایک ماہ بعد رکھی گئی تھی۔

اشعث مذکورہ بالا معاہدے کی ایک تصدیق شدہ نقل لے کر خوشی خوشی لوگوں کو دکھاتے پھرتے تھے۔ وہ ایک روز بنی تمیم میں پہنچے جہاں اس قبیلے کے لوگ اور ان کے زعماء جمع تھے، اشعث نے وہ معاہدہ انہیں بھی پڑھ کر سنایا تو ان لوگوں اور اشعث میں دیر تک بحث ہوتی رہی، ان لوگوں میں عروہ بن اذیہ تمیمی بھی موجود تھا، وہ بلال خارجی کا بھائی تھا، اشعث لوگوں سے کہہ رہے تھے کہ جب تک ثالث کوئی فیصلہ نہ کریں اس وقت تک فریقین یا ان کا کوئی شخص ایک دوسرے کے خلاف تلوار نہ اٹھائے کیونکہ فیصلہ احکام قرآنی کے مطابق ہو گا۔ جس کی پابندی ہر شخص کو کرنی چاہیے۔" اس پر عروہ بن اذیہ بولا "لیکن تم ثالث مقرر کرنے والے اور ان کا فیصلہ لوگوں پر مسلط کرنے والے کون ہو؟ ہم خدا کی حاکمیت کے سوا کسی کا فیصلہ نہیں مانیں گے۔" اس بات پر اشعث اور عروہ کے درمیان جھگڑا ہونے لگا۔ عروہ نے تلوار نکال کر اشعث پر حملہ کر دیا جس میں اشعث کا گھوڑا مارا گیا لیکن وہ بال بال بچ گئے۔ قریب تھا کہ تحکیم کے بارے میں اختلاف پر یمنی اور نزاریوں میں بھی تلواریں نکل آئیں لیکن کچھ لوگوں نے درمیان میں پڑ کر انہیں اس سے باز رکھا۔ اشعث پر حملے کی وجہ سے بنی تمیم کے ایک شخص نے عروہ بن اذیہ کی مذمت میں کچھ اشعار بھی کہے ہیں۔

جنگ صفین کے ایام کی تعداد کا تعین

جنگ صفین کے مقتولین کی تعداد کے بارے میں لوگ مختلف الرائے ہیں۔

احمد بن دورقی نے یحییٰ بن معین کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ جنگ صفین میں ایک سو بیس دن کے اندر اندر جو لوگ قتل ہوئے ان کی تعداد ایک لاکھ دس ہزار تھی جن میں سے

۹۰ ہزار شامی اور بیس ہزار عراقی تھے لیکن حقیقت وہ ہے جو ہیثم بن عدی طائی اور شرقی بن قطامی اور ابی مخنف لوط بن یحییٰ نے بیان کی ہے جسے ہم نے مختلف طریقوں سے تحقیق کرنے پر صحیح پاکر یہاں درج کیا ہے۔

مذکورہ بالا حضرات لکھتے ہیں :-

"ایک لاکھ پچاس ہزار وہ لوگ تھے جنہوں نے باقاعدہ جنگ میں شرکت کی، ان کے علاوہ ان کے خدام تھے جن کی تعداد پندرہ ہزار سے کسی طرح کم نہ تھی بلکہ اس سے کئی گنا زیادہ تھی۔ جو لوگ قتل ہوئے ان کی مجموعی تعداد ستر ہزار بتائی جاتی ہے جن میں سے اہل شام ۴۵ ہزار اور اہل عراق ۲۵ ہزار تھے، یہ تعداد جنگ کے جملہ ایام کے واقعات پر مشتمل ہے، اہل عراق کے ساتھ قتل ہونے والوں میں پچیس بدری صحابہ بھی شامل تھے لیکن یہ تعداد جاننے پہچاننے لوگوں کی ہے غیر معروف لوگ یا وہ لوگ جو فرار ہوتے ہوئے بڑی علاقے میں قتل ہوئے یا دریا میں غرق ہو گئے ان کے علاوہ ہیں نیز اگر ان لوگوں کو بھی شامل کر لیا جائے جن کی لاشوں کی گنتی سے قبل انہیں جنگلی درندے میدان سے اٹھالے گئے تو صرف مقتولین کی مذکورہ بالا تعداد کہیں سے کہیں جا پہنچتی ہے۔"

مندرجہ بالا اعداد و شمار سے جنگِ صفین کے مقتولین کی صحیح تعداد کا کس قدر اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ہزاروں والدین اپنے جوان بیٹوں سے محروم ہو گئے ہوں گے۔ ہزاروں بچے یتیم ہو گئے ہوں گے۔ مذکورہ بالا واقعہ نگاروں نے اپنا چشم دید ایک واقعہ لکھا ہے، وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے جنگِ صفین کے بعد ایک عورت کو روتے اور بین کرتے ہوئے دیکھا تھا جس کے تین بیٹے اس جنگ میں مارے گئے تھے۔

اعلانِ تحکیم کے بعد

اعلانِ تحکیم کے بعد ساری قوم بھڑک اٹھی، بھائی بھائی سے ناراض اور بیٹا باپ سے ناراض نظر آتا تھا۔ جب یہ معلوم ہوا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوچ کا حکم دیا تاکہ اصل حقیقت کا پتہ چلایا جاسکے اور یہ معلوم ہو سکے کہ ان کے نظم و ضبط کے سلسلے میں اختلافات کیوں پیدا ہو گئے ہیں۔ اعلان تحکیم کا سب سے زیادہ اثر عراقی لشکر میں تھا، انہوں نے ایک دوسرے کے خلاف نیزے اور تلواریں نکال لیں تھیں اور اس معاملے میں اختلاف رائے کی وجہ سے ایک دوسرے کو برا بھلا کہہ رہے تھے۔

یہ حالات تھے جب حضرت علی رضہ کوفے اور معاویہ دمشق پہنچے اور معاویہ کا لشکر بھی ان کے ساتھ شام چلا گیا۔

حروری خوارج

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفے پہنچے تو تقریباً بارہ ہزار افراد جن میں کچھ قاری وغیرہ بھی شامل تھے ان سے الگ ہوکر حروراء چلے گئے جو کوفے کے قریب ایک دیہاتی بستی تھی۔ ان کی سربراہی شبیب بن ربعی تمیمی کر رہے تھے اور وہاں پہنچ کر انہیں نماز عبداللہ بن کواء لشکری نے پڑھائی تھی۔ ان کا تعلق قبیلہ بکر بن وائل سے تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفے سے وہاں گئے اور کافی بحث وتمحیص کے بعد انہیں اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ کوفے چل کر وہاں کے عوام کو اپنے خیالات سے آگاہ کریں اور انہیں بتائیں کہ انہیں کوفہ چھوڑ کر حروراء جانے کی کیا ضرورت پیش آئی۔

یحیٰی بن معین وہب بن جابر بن حازم اور صلت بن بہرام کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ جب صلت بن بہرام کوفے میں داخل ہوئے تو انہوں نے حروراء سے آئے ہوئے لوگوں کو مسجد میں چیخ چیخ کر یہ کہتے سنا کہ "دنیا کی بدترین بات ہمیں قبول کرنے کے لیے کہا جا رہا ہے جسے ہم کسی حادثے یا بلا سے کم نہیں سمجھتے، البس ہم تو اتنا جانتے ہیں کہ حکم دینے والا اللہ ہے۔"

صلت بن بہرام کے مطابق حضرت علی رضہ منبر سے اعلان فرما رہے تھے: "اللہ کا حکم تو تمہارے پاس موجود ہے لیکن غور سے پڑھنے اور سمجھنے کے لیے تمہارا منتظر ہے۔" یہ سن کر مجمعے سے کچھ لوگوں نے یک زبان ہوکر یہ آیت تلاوت کی: "ولقد اوحی الیک والی الذین من قبلک لئن اشرکت لیحبطن عملک ولتکونن من الخاسرین" تو حضرت علی رضہ نے یہ آیت قرآنی انہیں سنائی: "فاصبر ان وعد اللہ حق ولا یستخفنک الذین لا یوقنون"

ثالثوں کی ملاقات

ثالثوں یعنی ابوموسیٰ اشعری رضہ اور عمرو بن عاص معاہدۂ تحکیم پر عمل کرنے کے لیے دومۃ الجندل میں ایک دوسرے سے ملے۔ یہ ۳۸ھ ہجری تھا۔ کچھ لوگ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اس سال کے بارے میں مختلف الرائے ہیں۔ بہرکیف حضرت علی رضہ نے ابوموسیٰ اشعری رضہ کے ساتھ عبداللہ بن عباس اور شریح ابن ہانی ہمدانی کو بھیجا تھا اور ان کے ساتھ چار سو دوسرے آدمی اور کر دیے

تھے ۔ اُدھر معاویہ نے عمرو بن عاص کے ساتھ شرجیل بن سمط کو چار سو آدمی دے کر بھیجا تھا ۔ جب لوگ دومۃ الجندل میں جوق در جوق ثالثوں کا فیصلہ سُننے کے لیے جمع ہونے لگے تو عبداللہ بن عباس نے ابو موسےٰ اشعریؓ سے کہا " حضرت علیؓ آپ کو ثالث کی حیثیت سے اس لیے قبول کرنے پر راضی نہیں ہوئے ہیں کہ آپ کو دُوسروں پر کسی طور سے فضیلت حاصل ہے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ دوسرے بہت سے لوگ اس سلسلے میں آپ پر فضیلت رکھتے ہیں اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اہل عرب آپ کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتے ، یہ بھی آپ کو معلوم ہے کہ حضرت علیؓ نے لوگوں کے حد درجہ اصرار سے مجبور ہو کر آپ کو اس حیثیت سے قبول کرلیا ہے ۔ اس کے علاوہ چند اور باتیں بھی آپ کے سمجھ لینے اور یاد رکھنے کی ہیں ۔ اوّل تو یہ کہ اہل عراق کے علاوہ مدینے کے ان تمام لوگوں نے جنہوں نے حضرت ابوبکرؓ ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی پہلے بیعت کی تھی اب حضرت علیؓ کی بیعت کر چکے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ خلافت کی اہلیت کے لیے جن باتوں کا کسی شخص میں ہونا ضروری ہے وہ سب حضرت علیؓ میں پائی جاتی ہیں جب کہ معاویہ میں ان باتوں کا فقدان ہے ، پھر دوسری بات یہ بھی یاد رکھیے کہ عمرو بن عاص بہت چالاک شخص ہے اس کی باتوں میں نہ آجائیے گا ، وہ آپ سے وہی باتیں کہے گا جو معاویہ نے اس کے کانوں میں ڈالی ہوں گی ۔ وہ باتیں یہ ہوسکتی ہیں کہ وہ تم سے کہے " امیر معاویہ نے آپ کو ثالث کی حیثیت سے ہنسی خوشی قبول کیا ہے جس میں جملہ اہل شام شامل ہیں جب کہ علی رضی اللہ عنہ نے آپ کو طوعاً و کرہاً قبول کیا ہے کیونکہ جملہ اہل عراق اس کی مخالفت کر رہے تھے اور اُنہوں نے علی رضی اللہ عنہ کے مان جانے پر آپ کو قبول کیا ہے وہ بھی دل سے نہیں ۔ " وہ آپ سے یہ بھی کہے گا کہ " آپ کی برائی معاویہ ایک طویل اللسان ، فقیر الرائے اور صوت حمار رکھنے والے شخص کی زبان سے سُن چکے ہیں اور یہ بھی کہ سعد بن ابی وقاص ، عبداللہ بن عمرؓ ، عبدالرحمٰن بن عوف زہری اور مغیرہ بن شعبہ ثقفی وغیرہ جیسے لوگوں نے نہ صرف یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی بلکہ دُوسرے بہت سے لوگوں کو اس کی مخالفت کرتے ہوئے اس سے روکا ہے ۔ " لہٰذا آپ کو یہ سب باتیں ذہن میں رکھ کر عمرو بن عاص کے ساتھ بحیثیت اس ثالث کے جسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے مقرر کیا گیا ہے بیٹھنا ہو گا ۔

مذکورہ بالا دونوں ثالثوں کی ملاقات ۳۸ھ ہجری کے ماہِ رمضان میں ہوئی ، اس سے قبل

عبداللہ بن عباس ابو موسےٰ اشعریؓ کو مندرجہ بالا ساری باتیں سمجھا چکے تھے۔

جب ابو موسےٰ اشعریؓ اور عمرو بن عاص تحکیم کی غرض سے ایک جگہ بیٹھے تو عمرو بن عاص نے کہا:۔

"آپ کچھ فرمائیے جو کلامِ خیر ہو۔"

ابو موسےٰ بولے: "آپ پہلے کچھ ارشاد فرمائیں۔"

عمرو بن عاص: "بھلا میں آپ جیسی بزرگ شخصیت کے سامنے ابتدائے کلام کیسے کر سکتا ہوں۔ آپ کو نہ صرف سن و سال کی بزرگی بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک جلیل القدر صحابی ہونے کی حیثیت سے جو فضیلت آپ کو حاصل ہے وہ مجھے کب حاصل ہے؟ اس کے علاوہ آپ مہمان بھی تو ہیں۔"

ابو موسےٰ اشعریؓ نے اللہ تعالےٰ کی حمد وثنا کے بعد ان کا پاس لحاظ رکھنے پر عمرو بن عاص کا شکریہ ادا کیا، پھر کچھ ایسی باتوں کا ذکر کیا جو اہلِ اسلام میں متنازعہ ہیں لیکن اسلام ان کا صحیح حل پیش کرتا ہے۔ اس کے بعد بولے: "اے عمرو! مجھے کوئی ایسی بات بتاؤ جو مؤلف القلوب ہو اور لوگوں میں باہمی رشتۂ محبت و اُخوت استوار کر دے۔"

عمرو بن عاص نے کہا: "کلامِ الٰہی ہر بات کے لیے حرفِ آخر کی حیثیت رکھتا ہے لیکن اگر ہم اس کی تفسیر کا آغاز غلطی سے کریں گے تو آخر تک غلطیاں کرتے چلے جائیں گے، آپ کلامِ الٰہی سے کوئی ایسی آیت بتائیے جس کی تفسیر میں ہم غلطی نہ کر سکیں بلکہ ہمارے درمیان اس وقت جو تنازعہ ہے وہ اسے حل کر دے۔"

ابو موسےٰ اشعری بولے: "لکھیے!"

عمرو بن عاص نے کاغذ منگایا اور کاتب کو بلایا۔ واضح رہے کہ وہ کاتب عمرو بن عاص کا غلام تھا اسے عمرو بن عاص نے پہلے سے سکھا پڑھا رکھا تھا کہ ابو موسےٰ اشعری کی بتائی ہوئی کوئی بات براہِ راست ہرگز نہ لکھنا لیکن حاضرینِ مجلس کے سامنے اس نے کاتب سے کہا:۔ "لکھو!"

جب کاتب نے ثالثوں کے نام لکھنے کے لیے پہلے عمرو بن عاص کا نام لکھنا چاہا تو وہ اسے جھڑک کر بولا: "تیری ماں مرے! کیا تو جناب ابو موسیٰ اشعری اور بحیثیت بزرگ ان کے حق سے واقف نہیں ہے؟ جب تو ثالثوں کے نام لکھے تو پہلے عبداللہ بن قیس لکھنا لیکن سب سے

پہلے اس بات کا خیال رکھ کہ تو ہم میں سے کسی کی بات اس وقت تک نہ لکھنا جب تک ہم اس پر متفق الرائے نہ ہو جائیں۔ پہلے لکھو۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اس کے بعد لکھو کہ اس تحریر کی ابتدا خدا کے نام سے کرنے کے لیے تجھے ہم دونوں نے حکم دیا ہے۔" چنانچہ کاتب نے پہلے وہی لکھا جو عمرو بن عاص نے اسے لکھنے کے لیے کہا تھا۔ اس کے بعد عمرو بن عاص نے کاتب سے یہ لکھایا:۔

"ہم دونوں گواہی دیتے ہیں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں، محمدؐ اس کے نبی ہیں اور انہیں خدا نے دنیا میں اپنی مخلوق کی ہدایت کے لیے بھیجا تھا۔"

اس کے بعد عمرو بن عاص نے کاتب سے کہا: "لکھو! ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ——— کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے آخری وقت تک عمل کرتے رہے اور انہوں نے اس ذمہ داری کا حق جو ان پر خدا اور اس کے رسول کی طرف سے عائد کی تھی بحسن و خوبی ادا کیا۔"

عمرو بن عاص کی زبان سے یہ الفاظ سُن کر کاتب نے ابو موسےٰ اشعری کی طرف دیکھا تو وہ بولے: "ٹھیک ہے، جو یہ کہتے ہیں وہی لکھ لو۔"

اس کے بعد عمرو بن عاص نے کاتب سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں وہی کچھ لکھنے کے لیے کہا جو وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھا چکا تھا اور کاتب نے ابو موسےٰ اشعری کے اشارے پر وہ بھی لکھ لیا۔

اس کے بعد عمرو بن عاص نے کاتب سے یہ لکھنے کے لیے کہا:۔

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس شوریٰ اور اُمت مسلمہ کی متفقہ رائے سے امورِ خلافت سرانجام دینے کے لیے منتخب ہوئے اور تمام مسلمانوں نے فرداً فرداً ان کی بیعت کی، وہ بھی حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کی طرح مومن تھے ....."

عمرو بن عاص کی زبان سے یہ کلمات سُن کر ابو موسےٰ اشعریؓ اس کا قطع کلام کرتے ہوئے بولے:۔

"یہ سب غیر متعلقہ باتیں ہیں جن پر گفتگو کرنے کے لیے ہم یہاں جمع نہیں ہوئے ہیں

خصوصاً حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کے بارے میں ۔"

یہ سن کر عمرو بن عاص نے کہا: "ارے بھئی! وہ مومن تھے یا کافر، چلو یہ بحث چھوڑو اور صرف اتنا بتاؤ کہ عثمان (رضی اللہ عنہ) بحیثیت مظلوم قتل کیے گئے تھے یا نہیں؟"

ابو موسیٰ نے جواب دیا: "ہاں وہ بحیثیت مظلوم قتل کیے گئے تھے۔"

عمرو بن عاص نے کہا: اچھا اب بتائیے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا قصاص لینے کے لیے ان کا کوئی ولی تقاضا کرے تو وہ حق پر ہوگا یا نہیں؟"

ابو موسیٰ اشعری بولے: "یقیناً حق پر ہوگا۔"

یہ سن کر عمرو بن عاص نے کہا: "تو آپ کاتب سے کہیے کہ وہ لکھے جو آپ تسلیم کرتے ہیں" پھر خود ہی کاتب سے یہ لکھنے کے لیے کہا۔

"ابو موسیٰ اشعری تسلیم کرتے ہیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ بحیثیت مظلوم قتل کیے گئے اور وہ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ان کے والی کو ان کے حقوق کا قصاص طلب کرنے کا حق ہے۔"

جب ابو موسیٰ اشعری کا اشارہ پاکر کاتب یہ لکھ چکا تو عمرو بن عاص نے کہا:۔

"میرے نزدیک عثمان رضی اللہ عنہ کا بہترین ولی اور ان کے خون کے قصاص کا طالب معاویہ سے بہتر اور کون ہو سکتا ہے؟"

یہ کہہ کر اس نے ابو موسیٰ اشعریؓ سے پوچھا:۔

"یہ بتائیے کہ کوئی شخص کسی کو قتل کردے اور کوئی اور شخص اسے قتل کرنے کی کوشش کرے لیکن قتل نہ کر پائے تو دونوں کو قاتل سمجھا جائے گا یا نہیں؟"

ابو موسیٰ بولے: "یقیناً سمجھا جائے گا۔"

یہ سن کر عمرو بن عاص نے کاتب سے یہ لکھنے کے لیے کہا:۔

"ہم دونوں کے خیال میں مبینہ طور پر علی رضی اللہ عنہ نے عثمانؓ کو قتل کیا ہے اور معاویہ ان کے خون کا قصاص علی رضی اللہ عنہ سے لینے میں حق بجانب ہیں۔"

کاتب، عمرو بن عاص نے جو کچھ اسے لکھنے کے لیے کہا تھا وہ لکھنے لگا تھا کہ ابو موسیٰ اشعری اسے روک کر عمرو بن عاص سے بولے:

اسلام میں مبینہ باتوں پر فیصلہ کرنے کا حکم نہیں ہے۔ اس کے علاوہ ہم یہاں اس لیے جمع ہوئے ہیں کہ مسلمانوں میں امن و سلامتی قائم کرنے کا باعث بنیں اور امر خلافت کے

بارے میں کوئی حتمی فیصلہ کریں، یہ تو تم بھی جانتے ہو کہ اہل عراق معاویہ کو پسند نہیں کرتے، اس لیے وہ بحیثیت امیر المومنین انہیں قبول نہیں کریں گے۔ اسی طرح اہل شام علی رضی اللہ عنہ کو پسند نہیں کرتے، اس لیے وہ بھی انہیں بحیثیت خلیفہ قبول نہیں کریں گے۔"

عمرو بن عاص نے پوچھا "پھر اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟"

ابو موسےٰ اشعری بولے، میری رائے یہ ہے کہ علی و معاویہ دونوں کے حقِ خلافت کے دعوے کو نا قابل قبول قرار دیتے ہوئے امور خلافت کی ذمہ داری اس کے سپرد کی جائے۔"

عمرو بن عاص نے کہا: "آپ کے خیال میں ایسا کوئی شخص ہو سکتا ہے؟"

ابو موسےٰ بولے: "عبداللہ بن عمرؓ، وہ اور اس کا باپ دونوں صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، میرے نزدیک ان سے بہتر کوئی دوسرا شخص خلافت کے لیے موزوں نہیں ہے۔" واضح رہے کہ عبداللہ بن عمرؓ ابو موسےٰ کے داماد تھے۔

اس کے بعد عمرو بن عاص نے کہا: "سعد کے بارے میں کیا خیال ہے؟" ابو موسیٰ نے انکار کر دیا۔ اس کے بعد عمرو بن عاص نے کئی اور نام لیے لیکن ابو موسیٰ ہر نام پر نہیں کہتے اور عبداللہ بن عمرؓ کے نام پر اصرار کرتے رہے۔ یہ دیکھ کر عمرو بن عاص نے کاغذ اٹھا کر تہ کیا اور اسے اپنے پاؤں کے نیچے دبا لیا، مُہریں وہ پہلے ہی لگوا چکا تھا۔ پھر ابو موسےٰ اشعری سے بولا: اب آپ کی جو رائے ہے اس کے بارے میں حاضرین مجلس کے سامنے کھڑے ہو کر اعلان کر دیجیے۔"

ابو موسےٰ اشعری بولے: بہتر ہے کہ آپ ہی اعلان کر دیں۔" یہ سُن کر عمرو بن عاص نے حاضرین کو یوں مخاطب کیا:۔

"مسلمانو! اہل اسلام میں امن و سکون کی خاطر علی (رضی اللہ عنہ) کو خلافت کے لیے نا قابل قبول قرار دیا ہے، وہ عبداللہ بن عمرؓ کو خلیفہ بنانا چاہتے ہیں لیکن اہل شام انہیں بھی قبول نہیں کریں گے۔" عمرو بن عاص نے کسی قدر ٹھہر کر ابو موسےٰ سے پوچھا: کیا آپ اہل شام سے لڑیں گے؟" ابو موسےٰ بولے: "نہیں۔"

یہ سُن کر عمرو بن عاص حاضرین سے دوبارہ یوں مخاطب ہوئے:۔

"میرے خیال میں معاویہ عبداللہ بن عمرؓ سے بہتر ہیں، لہٰذا انہیں کو کیوں نہ خلیفہ بنایا جائے جب کہ ابو موسےٰ پہلے ہی علی رضی اللہ عنہ کو خلافت کے لیے نا اہل قرار دے چکے ہیں۔

مجمع کے ایک گوشے سے بار بار آوازیں آئیں "معاویہ بہتر ہیں، معاویہ بہتر ہیں۔" یہ شاید اہل شام کا گروہ تھا۔

یہ سُن کر ابو موسےٰ اپنی جگہ سے اُٹھ کر بولے:

"میں نے علی و معاویہ دونوں کو ناقابل قبول قرار دیا ہے اس لیے میرے خیال میں ...."

ابھی ابو موسےٰ اپنی بات پوری نہیں کرنے پائے تھے کہ عمرو بن عاص نے ان کے پہلو میں ایک مُکّہ مارا جس سے وہ گر پڑے۔ یہ دیکھ کر شریح بن ہانی نے عمرو بن عاص کے ایک کوڑا رسید کیا اور مجلس درہم برہم ہو گئی۔ شریح بن ہانی نے ابو موسےٰ اشعریؓ کو مکّے پہنچایا جہاں وہ اپنی آل اولاد کے ساتھ عمر بھر وہیں رہے اور انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صورت دیکھنے کی سعادت کبھی نصیب نہیں ہوئی۔

بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ ابو موسےٰ اور عمرو نے علی و معاویہ دونوں کو اہل اسلام میں امن و سکون کی خاطر اور انہیں آئندہ جنگ و جدل سے بچانے کے لیے ناقابل قبول قرار دے کر فیصلہ مجلس شوریٰ پر چھوڑ دیا تھا۔

عمرو بن عاص اور معاویہ لوگوں کے اس آخری بیان کی خبر جب معاویہ کو ملی تو انہوں نے عمرو بن عاص کو بلا بھیجا لیکن انہوں نے جواب میں لکھا "جب آپ کو میری کوئی خاص ضرورت ہو تو بلا لیجیے گا۔"

یہ جواب سُن کر معاویہ خود عمرو بن عاص کے پاس جا پہنچے، ان کے سامنے فرش پر بیٹھے، بہت سی چاپلوسی کی باتیں کیں، ان کی اور ان کے اہل و عیال کی اپنی طرف سے کئی دعوتیں کیں۔ آخری دعوت کے موقع پر معاویہ نے تخلیے کا حکم دیا، پھر عمرو بن عاص سے بولے! تم میری بیعت کر کے حلف وفاداری کیوں نہیں اُٹھاتے؟ مصر کی گورنری میں تمہیں دے چکا ہوں، اس کے علاوہ اور جو کچھ تم چاہو میں دینے کے لیے تیار ہوں۔"

یہ سُن کر عمرو بن عاص نے کہا: "میں اپنے ساتھیوں سے مشورہ کر لوں۔"

معاویہ بولے: "میں تمہیں ان سے مشورہ کرنے سے قبل قتل کر دوں گا۔" یہ کہہ کر انہوں نے میان سے تلوار بھی نکال لی۔

عمرو بن عاص کے لیے جب معاویہ کی بیعت کرنے اور ان کے حق میں حلف وفاداری اُٹھانے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا تو انہوں نے معاویہ کی بیعت کر لی اور ان کی دیکھا دیکھی ان کے اہل خاندان اور

دوسرے ساتھیوں نے بھی معاویہ کی بیعت کر لی جس کے بعد معاویہ بزعم خویش خلیفہ بن کر دمشق واپس ہوئے۔

علیؓ اور ان کے اصحاب

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تحکیم کے حشر اور اس سلسلے میں معاویہ اور عمرو بن عاص کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کی اطلاع ملی تو آپ نے اپنے اصحاب کو جمع کر کے ان حالات پر روشنی ڈالی جن کی وجہ سے تحکیم کی تجویز ناکام رہی تھی پھر فرمایا کہ آپ نے تحکیم کی تجویز اسی لیے قبول نہیں کی تھی کہ آپ اس کے نتیجے سے واقف تھے پھر آپ نے اپنے حق خلافت کو درست ثابت کرنے کے لیے بہت سی مثالیں پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کا حکم اپنی جگہ اٹل ہے لیکن اسے سمجھنے کے لیے توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ آخر میں آپ نے ان سے فرمایا کہ وہ اپنی اپنی قیام گاہوں کو جائیں اور جب لڑائی کا حکم ملے تو اس کے لیے آمادہ و مستعد رہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس تقریر کے بعد آپ کے شیعوں نے تو آپ کی ہر بات صدق دل سے قبول کر لی لیکن کچھ لوگوں نے اس کی سخت مخالفت کی اور خوارج میں شامل ہو گئے انہیں میں سے بعض لوگ بعد میں معتزلہ بھی کہلائے۔ قریش نے مزید جنگ کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے کہا:-

"ابو طالب کے بیٹے کی شجاعت میں کوئی کلام نہیں لیکن وہ جنگی داؤں پیچ کے بارے میں بہت کم واقفیت رکھتے ہیں۔"

ہم نے اب تک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر لوگوں کی بیعت، جنگ جمل، جنگ صفین اور تحکیم کے بارے میں یہاں مصدقہ باتیں لکھ دی ہیں، ویسے ہم ان کی تفصیلات اپنی دوسری کتابوں "المقالات فی اصول الدیانات" اور "اخبار الزماں" میں پہلے پیش کر چکے ہیں۔ اب ہم انشاء اللہ تعالیٰ جنگ نہروان اور اس کے حالات ما بعد اختصار کے ساتھ اگلے باب میں پیش کریں گے،

وَمَا توفیقنا اِلَّا بِاللّٰہ

باب (۴۵)

جنگِ نہروان اور مقتل محمد بن ابی بکر صدیق رضہ اور اشتر نخعی وغیرہ

نہروان میں خوارج کا اجتماع اور حضرت علیؓ کا ان کی طرف سفر

حضرت علیؓ کو جب نہروان میں خوارج کے اجتماع کا علم ہوا تو آپ نے فوراً اُدھر کا رُخ کیا۔ آپ اپنے لشکر کو پہلے ہی ایک اور جنگ کے لیے آمادہ و مستعد رہنے کا حکم دے چکے تھے۔

نہروان کو مرکز بنانے سے پہلے خوارج نے عبداللہ بن وہب راسبی کی بیعت کر لی تھی اور اسی کی سربراہی میں وہ مدائن گئے تھے جہاں انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ عامل عبداللہ بن حباب کو قتل کر دیا تھا، انہوں نے اسے درحقیقت ذبح کیا تھا اور اس کی حاملہ بیوی کا شکم چاک کر دیا تھا، اس کے علاوہ انہوں نے اور بہت سی عورتوں کو بھی قتل کیا تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفے سے اپنے ساتھ ۳۵ ہزار افراد پر مشتمل فوج لے کر چلے تھے بصرے میں آپ کے مقرر کردہ گورنر ابن عباس بھی دس ہزار مزید فوج لے کر آپ کے ہمراہ ہو گئے تھے۔ ان کی فوج میں احنف بن قیس اور حارثہ بن قدامہ سعدی بھی شامل تھے۔ یہ واقعہ ۳۸ھ ہجری کا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بصرے سے آگے بڑھ کر انبار میں اپنی اس مجموعی فوج کو جہاد کا جوش دلا کر حسب ذیل بڑا مؤثر خطبہ دیا:-

"جو لوگ پہلے ہی بڑی تعداد میں مہاجرین و انصار کو قتل کر چکے ہیں ان کی طرف جہاد کے لیے بڑھو! وہ لوگ ظالم ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے مجھے ایسے لوگوں کے قتل کا حکم دے دیا ہے، ہم انہیں لوگوں کا قلع قمع کرنے جا رہے ہیں، اس سے قبل کچھ گمراہوں سے ہم پہلے ہی نمٹ چکے ہیں جس کے بعد ہمیں ان سے کچھ مطلب نہ ہو گا ماسوا اس کے کہ وہ پھر سر اُٹھائیں تو اسے کچل دیا جائے، فی الحال تم خوارج کی طرف بڑھو، یہ لوگ (گمراہی کے لحاظ سے) ان سے بھی اہم ہیں کیونکہ یہ دین اسلام ہی کے منکر ہو گئے ہیں، تم وہاں پہنچ کر ان ظالموں اور قاتلوں کو اسی طرح قتل کرو جس طرح یہ لوگ خدا کے بہت سے نیک بندوں کو قتل کر چکے ہیں۔"

مندرجہ بالا خطبے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نہروان کے قریب پہنچے، آپ نے پہلے خوارج کے پاس حارث بن مرّہ کو بطور قاصد روانہ کیا اور ان سے کہلوایا کہ وہ اپنے مذموم عقائد سے رجوع کر کے تائب ہو جائیں لیکن ان لوگوں نے حارث کی کوئی بات سُنے بغیر ہی انہیں قتل کر دیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اُلٹا یہ کہلوایا کہ اگر وہ اپنی حکومت سے دست بردار ہو کر دین اسلام سے انکار کا اقرار کریں تو وہ ان کی بیعت کر لیں گے لیکن اگر انہوں نے ایسا نہ کیا اور خوارج پر بھی حکومت کے دعوے دار بنے رہے تو پھر وہ لوگ ان سے بری الذمہ ہوں گے جس کے نتائج کے وہ خود (حضرت علیؓ) ذمہ دار ہوں گے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں پھر کہلوایا کہ "تم نے بہت سے دُوسرے مسلمانوں کے علاوہ میرے قاصد تک کو قتل کر دیا ہے جو ہمارا بھائی تھا، اس لیے اب اس وقت تک جب تک تم اپنے غلط عقائد پر قائم رہے اور سرکشی سے باز نہ آئے میں تمہارا اسی طرح صفایا کر دوں گا جس طرح اہل مغرب کا کر چکا ہوں۔" اس کے جواب میں خوارج نے آپ سے کہلوایا کہ "ہم نے آپ کے قاصد اور اس سے قبل آپ کے دُوسرے ساتھیوں کا قتل جائز سمجھا تھا اور اگر آپ نے جو کچھ ہم نے کہا ہے اس پر عمل نہ کیا تو ہم آپ کے باقی جملہ ساتھیوں بلکہ خود آپ کو بھی قتل کر کے دم لیں گے۔" اس بات چیت کے درمیان حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی کہ خوارج نے نہر طبرستان عبور کر لی ہے اور اس کا پل بھی توڑ دیا ہے، یہ خبر لانے والا قرب و جوار کا کوئی یہودی تھا، اس لیے آپ نے فرمایا: "میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ انہوں نے نہر عبور کی ہو گی نہ اس کا پُل توڑا ہو گا۔" نہروان کی یہ نہر طبرستان کہلاتی تھی اور نہروان کے قریب اس پر جو پُل تھا وہ بھی طبرستان کا پُل کہلاتا تھا کیونکہ یہ جگہ حلوان و بغداد کے درمیان خراسان کے طبرستانی علاقے میں واقع تھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے یہ بھی فرمایا کہ "خوارج کا قصد سامنے سے نہر عبور کر کے ہم پر حملہ کرنے کے بجائے کسی اور طرف سے حملہ کرنے کا ہوگا، اس لیے انہوں نے پل کو قطعی طور پر نہیں توڑا ہوگا، لہٰذا تم لوگ ان کے پل کے عقب سے کسی اور طرف جانے سے قبل ان پر جا پڑو، یقین مانو کہ اس طرح ان کے دس آدمیوں کے سوا ان میں سے ایک بھی نہ بچے گا جب کہ تمہارے دس آدمیوں سے زیادہ اس مقابلے میں کام نہیں آئیں گے۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشاد کے مطابق خوارج رمیلہ کی طرف بڑھتے رہے اور آپ کا اور آپ کے اصحاب کا ان سے وہیں آمنا سامنا ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خوارج کو وہاں دیکھ کر فرمایا:۔

"اللہ اکبر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا تھا کہ مجھے ایسے منکرین حق سے لڑنا پڑے گا اور مجھے ان کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم دیا تھا۔" ان کلمات کے بعد آپ نے ان کے پاس آخری بار اپنا ایک آدمی بھیجا اور اس کے ذریعے آپ نے انہیں ان کے کافرانہ عقائد سے توبہ کرنے اور اسلام کی طرف رجوع کرنے کی تلقین فرمائی لیکن ان لوگوں نے آپ کے اس قاصد کو بھی قتل کر دیا۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قاصد کی خون میں نہائی ہوئی لاش آپ کے سامنے لائی گئی تو آپ نے فرمایا:۔

"خدا کی قسم اب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق ان سے اس وقت تک لڑوں گا جب تک ان سے ایک ایک بے گناہ مسلمان کے قتل کا بدلہ نہ لے لوں۔" یہ کہہ کر آپ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور اپنے اصحاب کو خوارج پر بے دریغ حملے کا حکم دیا۔

پہلے خوارج کا ایک شخص اصحاب علی (رضی اللہ عنہ) کی طرف بڑھا اور ان کے ہاتھوں زخمی ہو گیا لیکن گرتے گرتے بھی یہ شعر اس کی زبان پر تھا:

"ان سب کو قتل کر ڈالو، کاش تم علیؓ کو دیکھ لو، وہ سفید عمدہ کپڑے پہنے ہوئے ہیں"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خود اس کے سامنے جا کر زبان شعر میں یہ جواب دیا:۔

"اے علیؓ کو گمراہ سمجھ کر اس کی شناخت بتانے والے میں نے تجھے انتہائی جاہل اور شقی پایا ہے

اگر تو ان گمراہوں سے الگ ہو جاتا تو اب بھی میری آغوش تیرے لیے وا ہو سکتی تھی"

یہ کہہ کر آپ نے اسے قتل کر دیا۔

اس کے بعد خوارج کی صفوں میں سے ایک اور شخص نکل کر اصحاب علی رضؓ پر حملہ کرنے کے

لیے آگے بڑھا، وہ انہیں غصے اور نفرت سے دیکھ کر درج ذیل شعر پڑھ رہا تھا:۔

"ان سب کو قتل کر ڈالو، کاش تم علی رضؓ کو دیکھ لو، وہ غبن کے کپڑے پہنے ہوئے ہیں"

حضرت علی رضؓ نے آگے بڑھ کر اسے بھی زبان شعر ہی میں یہ جواب دیا:۔

"اے گمراہ! دیکھ علی رضؓ تیرے سامنے ہے کیا تجھے اس کے کپڑے غبن کے نظر آتے ہیں"

یہ کہہ کر آپ نے نیزہ مار کر اس کا سینہ چاک کر دیا اور اسے قتل کر کے نیزہ وہیں چھوڑتے ہوئے فرمایا:۔

"تو نے ابوالحسن کا چہرہ دیکھ لیا اور اس نے بھی تیرا مکروہ چہرہ دیکھ لیا"

ابوایوب انصاری نے زید بن حصن پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا، عبداللہ ابن وہب راسبی بھی قتل کر دیا گیا، اسے ہانی بن حاطب ازدی نے قتل کیا، ادھر سے زیاد بن حفصہ اور حرقوص بن زہیر سعدی قتل ہوئے تاہم اصحاب علی رضؓ میں سے اس جنگ کے آخر تک صرف نو آدمی کام آئے تھے جب کہ خوارج کے چار ہزار افراد میں سے حضرت علی رضؓ کی پیشگوئی کے مطابق واقعی دس افراد کے سوا کوئی بھی نہ بچا تھا۔

خوارج کے مقتولین میں مخرج ذو ثدیہ نامی بھی ایک شخص تھا، حضرت علی رضؓ نے یہ سمجھ کر کہ ان کے ماباقی لوگوں میں جن کی تعداد دس تھی شاید وہ بھی ہو، اسے بلا بھیجا لیکن تلاش بسیار کے باوجود جب اس کا کہیں پتہ نہ چلا تو آپ کو بہت رنج ہوا، آپ نے مقتولین کے انباروں میں اسے تلاش کرایا اور ایک ایک لاش خوارج کے میسرہ سے لے کر میمنہ تک ادھر ادھر ہٹا کر دیکھی گئی تو اس کی لاش مل گئی۔ جب اسے شناخت کر کے حضرت علی رضؓ کے سامنے لایا گیا تو آپ نے فرمایا: "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اس شخص کے بارے میں (نعوذ باللہ) غلط نقل نہیں کیا تھا، تم لوگ اس کی لاش غور سے دیکھو!"

جب مخرج ذو ثدیہ کی لاش کو غور سے دیکھا گیا تو اس کے ہاتھوں کی نرمی کا عورتوں کی طرح یہ حال تھا جیسے اس میں ہڈیاں ہی نہ ہوں۔ اس کے علاوہ اس کے بال بھی عورتوں کی طرح تھے اور اس کی پسلیاں بھی انہیں کی طرح حد درجہ نرم و نازک تھیں، واقعی اس کے جسم میں ہڈیوں کا نام و نشان تک نہ تھا، اس کی لاش گوشت کا ایک لوتھڑا نظر آتی تھی اسے اس وجہ سے ذو ثدیہ کہا جاتا تھا یعنی بے ہڈی کے گوشت کا ٹکڑا۔ حضرت علی رضؓ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا کہ ان

کے مخالفین میں ایک شخص مخوج ذوثدیا بھی ہوگا ما آپ نے اس کی شناخت کی نشان دہی فرما دی جو اس روز حرف بحرف درست ثابت ہوئی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ قولِ رسولؐ کی صداقت کا یہ مجسمہ سامنے دیکھ کر آب دیدہ ہوگئے اور گھوڑے سے اُتر کر بارگاہِ خداوندی میں خاک پہ پیشانی رکھ کر سجدۂ شکر ادا کیا۔ سجدے سے سر اُٹھا کر آپ نے یہ بھی فرمایا کہ انہیں (خوارج) کو بہکایا اور سرکشی پہ آمادہ کیا گیا تھا جس کا انجام انہوں نے دیکھ لیا۔ آپ سے پوچھا گیا کہ" انہیں کس نے بہکایا اور سرکشی پہ آمادہ کیا تھا؟" تو آپ نے فرمایا:"شیطان اور ان کے نفس امّارہ نے۔"

خوارج کے لشکر کا سامان جمع کیا گیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حکم سے اس کا اسلحہ اور جانوروں کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا گیا لیکن ان کا دوسرا سامان ان کے اہل و عیال کو بھجوا دیا گیا۔

جنگ نہروان کے بعد اصحاب علی منتشر ہو کر عموماً اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے لیکن ان میں کچھ ایسے بھی تھے جنہوں نے آپ کی مخالفت کا کھلم کھلا اظہار کیا۔

اصحاب علیؓ کا ارتداد

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف ہو کر مُرتد ہو جانے والوں میں سر فہرست حارث بن راشد ناجی اور اس کے تین سو ساتھی تھے انہوں نے مُرتد ہو کر عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ حارث سامہ بن لوئ بن غالب کی اولاد میں سے تھا جو خود حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے تھا۔

بعد میں ان لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت کے دلائل پیش کرتے ہوئے جو کچھ کہا اور حضرت علی رضؓ نے ان کا جو جواب دیا ہم اس کا ذکر اپنی کتاب " اخبار الزمان " میں کر چکے ہیں نیز حضرت علی رضؓ سے اولاد سامہ کے انحراف کی وجوہ پر اپنی کتاب "کتاب الاوسط" میں کافی روشنی ڈال چکے ہیں۔

مصر میں عمرو بن عاص اور محمد بن ابوبکر کی آمد

عمرو بن عاص معاویہ کی طرف سے مصر کے گورنر مقرر ہو کر جب وہاں پہنچے تو محمد بن ابوبکر رضؓ اس سے قبل حضرت علی رضؓ کی طرف سے وہاں کی گورنری کا تقرر نامہ لے کر وہاں پہنچ چکے تھے۔ عمرو بن عاص کے ساتھ معاویہ نے جو تیرہ ہزار آدمی بھیجے تھے ان میں معاویہ بن خدیج اور ابو اعور سلمی بھی شامل تھے۔ عمرو بن عاص معاویہ کے سامنے

مصر روانہ ہونے سے قبل خود اپنے سر کی قسم کھا کر ان کے وفادار رہنے کی قسم کھا چکے تھے۔

جب عمرو بن عاص مصر میں وارد ہوئے تو ان دنوں محمد بن ابو بکر (رضی اللہ عنہ) اس جگہ قیام پذیر تھے جو مُسنات کے نام سے مشہور ہے۔ جب عمرو بن عاص نے محمد بن ابو بکر رضؓ سے جنگ کی ٹھانی تو اپنے ساتھیوں کی جان کی سلامتی کی خاطر میدان سے فرار ہو کر مصر ہی میں کسی جگہ پوشیدہ طور پر ایک گھر میں محصور ہو کر بیٹھ گئے لیکن عمرو بن عاص انہیں تلاش کرتے ہوئے وہاں بھی جا پہنچے اور اس مکان کے گرد گھیرا ڈال دیا۔ محمد بن ابو بکر رضؓ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مجبوراً مکان سے نکل کر باہر آئے اور عمرو بن عاص اور ان کے ساتھیوں سے نبرد آزما ہوئے لیکن آخر کار قتل کر دیے گئے۔ عمرو بن عاص نے ان کی لاش گدھے کی کھال میں سلوا کر اسے نذر آتش کر دیا۔ کہتے ہیں جب انہیں گدھے کی کھال میں سلوایا گیا تو ان میں زندگی کی کسی قدر رمق باقی تھی۔ یہ واقعہ مصر میں جس جگہ پیش آیا وہ "کوم شریک" کہلاتی ہے۔

معاویہ کو جب محمد بن ابو بکر رضؓ کے قتل کی خبر پہنچی تو ان کے سرور و مسرت کا کچھ ٹھکانہ نہ رہا اور انہوں نے اس کا اظہار بھی کیا لیکن جب حضرت علی رضؓ کو مصر میں ان کے قتل کی خبر ملی اور اس کے ساتھ اس پر معاویہ کے اظہار سرور و مسرت کا حال بھی سُنا تو آپ نے فرمایا: "معاویہ کو اس کے قتل پر جتنی خوشی ہے ہمیں اس پر اتنا ہی صدمہ ہے۔ اس صدمے کی کئی وجوہ ہیں۔ سب سے بڑی وجہ تو یہ ہے کہ وہ ابو بکر جیسے باپ کا بیٹا تھا۔ دوسرے یہ کہ میں بھی اسے اپنا بیٹا سمجھتا تھا کیونکہ وہ میرے بھائی ابو بکر رضؓ کا بیٹا تھا۔ اس کے علاوہ وہ وقت بے وقت ہر موقع پر ہمارا ساتھ دینے کے لیے آمادہ و مستعد رہتا تھا۔ بہرکیف ہم اس کا حساب اللہ تعالیٰ پر چھوڑتے ہیں۔"

عریش میں اُشتر کی زہر خورانی اور وفات

محمد بن ابو بکر رضؓ کے قتل کے بعد اُشتر حضرت علی رضؓ کی طرف سے ایک پورا لشکر اور مصر کی گورنری کا تقرر نامہ لے کر ابھی عریش تک ہی پہنچے تھے کہ معاویہ کو اس کی خبر مل گئی، انہوں نے اس خبر کے ملتے ہی عریش میں اپنے جان پہچان کے ایک دہقان کے پاس اپنا آدمی دوڑا اور اسے انعام و اکرام کے علاوہ یہ لالچ دے کر کہ اس کی زمین کا لگان دس سال کے لیے معاف کر دیا جائے گا اس بات پر راضی کر لیا کہ

وہ اُشتر کو کسی طرح کھانے یا کسی اور چیز میں زہر دے دے۔ چنانچہ اُس کسان نے اُشتر کی خدمت میں عرض کیا کہ وہ ازراہ کرم و بندہ نوازی اس کے مکان پر قیام فرمائیں۔ اُشتر اس کا اس قدر عجز و انکسار اور اصرار دیکھ کر اس کے ہاں ٹھہر گئے۔ وہ اُس روز روزے سے تھے۔ جب افطار کا وقت ہوا تو اس دہقان نے ان سے کہا: "حکم دیجیے، آپ کے کھانے پینے کے لیے کیا حاضر کیا جائے؟" اُشتر بولے: "افطار کے لیے تھوڑا سا شہد ملا ہوا پانی کافی ہوگا۔" اس دہقان نے اُشتر کی سادگی منکسر المزاجی اور اخلاق کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملانے کے علاوہ اس شہد کی بھی حد سے زیادہ تعریف کی جو وہ فوراً ہی پانی میں ملا کر لایا تھا لیکن اسے پیتے ہی ان کے پیٹ میں اینٹھن ہونے لگی۔ دہقان ان کے چہرے پر کرب کے آثار دیکھ کر بولا: "یہ علاقہ قلزم کا شہد ہے، شاید اس میں اس علاقے کے نمکین پانی کا کچھ اثر ہو۔" دہقان کا جملہ ابھی پورا ہوا ہی تھا کہ اُشتر مالک ایک ابکائی کے بعد مالک حقیقی سے جا ملے۔

جب اُشتر کے اس طرح قتل کی خبر حضرت علیؓ کو پہنچی تو آپ نے فرمایا: "للیدین والفم" یعنی کوئی کوئی انسان اپنے ہاتھوں اور منہ کے لیے کیا کچھ نہیں کرتا۔ اس عربی محاورے سے آپ کا اشارہ اس لالچی دہقان کی طرف تھا۔

معاویہ کو جب اُشتر کی ہلاکت اور اس سلسلے میں اپنی کامیابی کی اطلاع ملی تو وہ بولے:-

"ایسے لوگ ہمارے لیے شہد کی مکھیوں کی طرح خطرناک ہیں۔" یعنی چمٹ جائیں تو پھر پیچھا نہیں چھوڑتے۔

اُشتر کے قتل کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اسلامی مقبوضات میں سے اس سال ان کے تین عاملوں نے معاویہ کے خوف سے ان کی خدمت میں مال و زر کے ڈھیر لگا دیے اور ان کے پاس اصفہان سے بھی کافی مال پہنچ گیا۔ یہ دیکھ کر معاویہ نے لوگوں کو جمع کیا اور انہیں اس کی اطلاع دیتے ہوئے کہا:-

"جب تم کل صبح سو کر اُٹھو گے تو علی رضی اللہ عنہ کے چوتھے عامل کی طرف سے بھی تمہیں ہدایا، تحائف، موصول ہو جائیں گے۔ خدا کی قسم میں تمہارا خازن نہیں ہوں۔" اس آخری جملے سے معاویہ کو یہ بتانا مقصود تھا کہ وہ عوام ہی کے ایک فرد ہیں اور اپنے آپ کو ان سے کسی طرح بڑھ چڑھ کر نہیں سمجھتے۔

جنگ صفین کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی معاویہ سے کوئی جنگ تو نہیں ہوئی لیکن

حضرت علی رضؓ کی باقی زندگی تک یہ ضرور ہوتا رہا کہ جب معاویہ ان کے کسی علاقے میں لوٹ مار کے لیے اپنے آدمی بھیجتے تو حضرت علی رضؓ اس کی مدافعت کے لیے اپنے آدمی روانہ کر دیتے۔ معاویہ کی طرف سے اس قبیل کی لوٹ مار اور قتل و غارت کے تفصیلی واقعات ہم اپنی پچھلی کتابوں میں لکھ چکے ہیں۔

جنگِ صفین اور جنگِ جمل کا فرق

جیسا کہ متعدد مدبرین اور اہل الرائے نے بیان کیا ہے جنگِ صفین اور جنگِ جمل میں فرق یہ تھا کہ جنگِ جمل کے اختتام پر حضرت علی رضؓ نے فریقِ مخالف کے زخمیوں کی طرح اپنے زخمیوں کو بھی کفن نہیں دیا تھا، اُنھوں نے ہتھیار ڈالنے والوں اور ایسے ہر شخص کو جو اپنے گھر میں خاموش ہو کر بیٹھ جائے جاں بخشی کی خبر پہنچا دی تھی، آپ نے اس جنگ کے اختتام پر اپنے ہر شخص کو اپنے گھروں کو واپس جانے کی اجازت دے دی تھی اور اس سے یہ کہا تھا کہ جب ضرورت ہوگی اسے بُلا لیا جائے گا جب کہ اس کے برعکس جنگِ صفین میں آپ نے جنگ بندی کو خوارج کے حد درجہ اصرار پر منظور کیا تھا لیکن اس کے بعد بھی آپ نے اپنے ساتھیوں کو جنگ کے لیے ہمہ وقت مستعد رہنے کا حکم دیا تھا اور جنگ نہروان بھی اس کے بعد ہی وقوع پذیر ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ جنگِ جمل میں نہ تحکیم کا معاملہ اُٹھا تھا نہ موافقین و مخالفین میں وہ اختلاف تھا جو جنگِ صفین میں پیدا ہو گیا تھا۔ جنگِ صفین کے بعد فریقین دو مختلف گروہوں میں بٹ گئے تھے۔ ایک اپنے سربراہ کو مستحق خلافت سمجھ کر اپنا امام ماننے لگا تھا اور اس کے ہر حکم کو فرض سمجھ کر بجا لاتا تھا اسی طرح دوسرا گروہ اپنے سربراہ کو اپنا امام مان کر اس کے ہر حکم کی اتباع اپنا فرض سمجھنے لگا تھا جس کے اسباب کی تشریح یہاں طولِ عمل ہوگی، دوسرے ہم نے ان پر اپنی پچھلی کتابوں میں تفصیلی گفتگو کی ہے، اس لیے یہاں اس کا اعادہ تحصیلِ لاحاصل ہوگا۔

باب (۴۶)

ذکرِ مقتلِ امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

قتل پر مامور کیے جانے والے لوگ

سنہ ۴۰ ہجری میں خوارج کی ایک جماعت مکے میں جمع ہوئی۔ لوگوں سے تو انہوں نے یہ کہا کہ وہ فتنہ و فساد یا جنگ وجدل کے لیے وہاں جمع نہیں ہوئے ہیں لیکن خفیہ طور پر انہوں نے تین افراد کو حضرت علی رض، معاویہ اور عمرو بن عاص کے قتل کی ذمہ داری سونپی۔ ان تینوں نے قسم کھا کر عہد کیا کہ وہ لامحالہ اس شخص تک ضرور پہنچیں گے جس کے قتل پر انہیں مامور کیا گیا ہے، اسے قتل کر دیں گے یا خود قتل ہو جائیں گے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قتل پر عبدالرحمٰن بن ملجم کو مامور کیا گیا، معاویہ کے قتل کا حکم حجاج بن عبداللہ صریمی کو دیا گیا جو "برک" کے لقب سے مشہور تھا اور عمرو بن عاص کے قتل کی ذمہ داری بنی عنبر کے غلام زادویہ کو سونپی گئی۔ مذکورہ بالا تینوں اشخاص کے قتل کے لیے ان تینوں نے خود ہی علی الترتیب اپنے آپ کو پیش کیا تھا اور عہد کیا تھا کہ وہ انہیں قتل کیے بغیر نہیں رہیں گے۔ اس کے بعد یہ طے پایا کہ مذکورہ تینوں اشخاص کو ماہ رمضان کی سترھویں شب کو قتل کیا جائے بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس قابل مذمت کام کے لیے ماہِ رمضان کی گیارھویں شب طے پائی تھی لیکن ان تینوں میں سے کسی کو سترھویں شب تک موقع نہیں ملا تھا۔

ابن مُلجم و قُطام

جب عبدالرحمٰن ابن ملجم اپنے موعودہ کام یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قتل کا دل میں ارادہ لے کر مکے سے کوفے پہنچا تو پہلے اپنے چچا کی بیٹی قُطام کے پاس گیا۔ اس کے باپ اور بھائی کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگِ نہروان

میں قتل کر دیا تھا۔ وہ اپنے بے مثال حسن و جمال کی وجہ سے سارے عرب میں مشہور تھی۔ ابن ملجم نے اسے نکاح کا پیغام دیا تو وہ بولی: "میں اس شخص سے نکاح کروں گی جو میرے تین سوال پورے کرے گا۔" ابن ملجم نے کہا: آج تک میں نے تیرا کوئی سوال رد کیا ہے؟ تو اپنے سوال بتا۔" قطام بولی:۔ پہلا سوال یہ ہے کہ نکاح سے قبل میں تین ہزار دینار لوں گی۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ مجھ سے نکاح کے خواہش مند کو مجھے ایک غلام خرید کر دینا پڑے گا اور میرے اور اس کے شایان شان گزارے کے لیے ایک معتد بہ رقم بھی دینا ہوگی۔ تیسرا سوال یہ ہے کہ نکاح سے قبل وہ علی بن ابی طالب کو قتل کر دے، بس یہ میرا مہر ہے۔"

قطام کے مندرجہ بالا سوالات سن کر ابن ملجم بولا:۔

تیرے پہلے دو سوال تو ایسے نہیں جنہیں میں پورا نہ کرسکوں لیکن تیسرا سوال ایسا ہے کہ اس کے بجائے اگر تو مجھ سے ایک لاکھ دینار بھی مانگتی تو اس کی ادائیگی میرے لیے آسان ترین بات ہوتی۔"

قطام ابن ملجم پر اپنے ہان لیوا تبسم کی بجلیاں گراتی ہوئی بولی:۔

"میرا یہ تیسرا سوال ہی سب سے زیادہ اہم ہے جس کے پورا ہوئے بغیر میں کسی کو بھی اپنے ساتھ جسمانی قربت کی اجازت نہیں دے سکتی یعنی اس کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتی۔ اگر تمہیں اس سے انکار ہے تو مفت کی شیخیاں بگھارنا چھوڑ دو۔ ویسے بھی اگر تم نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے بہتر تمہارے لیے دنیا میں کوئی اور کار خیر کیا ہوگا۔"

ابن ملجم بولا:۔

"میں تو تجھے آزما رہا تھا ورنہ میں مکے سے چل کر کوفے تک (نعوذ باللہ) اسی کار خیر کے لیے آیا ہوں۔"

یہ کہہ کر ابن ملجم قطام کے پاس سے درج ذیل اشعار پڑھتا ہوا اٹھا۔

"تین ہزار دینار ایک غلام، دوسرا سامان اور مسموم تلوار سے علی (رضی اللہ عنہ) کا قتل
علی رض کے قتل سے زیادہ مہر اور کیا ہوگا اور ہوتا بھی تو ابن ملجم کے لیے کوئی بات نہ تھی"

راستے میں ابن ملجم کو خوارج میں سے ایک بہت ہی بہادر شخص شبیب بن نجدہ ملا۔ اس نے کوفے میں ابن ملجم کی آمد کا سبب پوچھا تو اس نے کہا: "دین و دنیا کی بھلائی سمیٹنے۔"

شبیب نے دریافت کیا: "وہ کیا ہے؟"

ابن ملجم نے جواب دیا: "علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) کا قتل۔"

یہ سُن کر شبیب حیرت سے بولا: اس شخص کا قتل جو دنیا میں سب سے زیادہ لاتعلق اور بے نیاز ہے، اس کے علاوہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا تربیت و صحبت یافتہ بھی ہے"۔

ابن ملجم نے کہا: "یہ سب کچھ سہی لیکن دنیا میں وہی ایک شخص ہے جس نے خدا کے حکم پر عوام الناس کی رائے کو ترجیح دی ہے۔ اس کے علاوہ اس نے ہمارے بھائیوں کو نماز پڑھتے ہوئے قتل کیا ہے، ہم تو اپنے سینکڑوں بھائیوں کے بدلے میں صرف اسے قتل کرنا چاہتے ہیں۔"

جب ابن ملجم مسجد اعظم میں پہنچا تو قُطّام بھی وہاں موجود تھی۔ وہ ماہ رمضان کی تیرھویں شب سے اعتکاف کے بہانے سے مسجد کے ایک گوشے میں پردہ ڈالے بیٹھی تھی۔ ابن ملجم نے ہلکی سی دستک دے کہ اُسے اپنی مسجد میں آمد کا اشارہ کیا۔ اس نے آہستہ سے پردے میں جھانک کر قُطّام کو یہ بھی بتایا کہ مجاشع بن وردان بن علقمہ بھی ان دونوں کا شریک کار ہوگیا ہے۔ قُطّام نے انہیں پردے کے اندر بُلا کر ان کی تعریف اور حوصلہ افزائی کرتے ہوئے انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قتل پر اور اُبھارا اور وہ خوش ہوتے ہوئے اپنی اپنی تلوار اُٹھا کر اسی طرح آہستہ سے پردے سے باہر آگئے اور باب سدّہ پہ جا کھڑے ہوئے جہاں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہوتے تھے۔ اشعث نے ان سے کہا کہ کیا وہ صبح کا مذاق اُڑانے آئے ہیں۔ جب انہوں نے اپنا ارادہ ظاہر کیا تو حُجر بن عدی اسے سُن کر بولے: "تم انھیں قتل کرو گے خدا تمہیں غارت کرے۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ حسب دستور لوگوں کو بیدار کرنے اور انہیں مسجد میں بلانے کے لیے ان کے دروازوں پر دستک دیتے ہوئے مسجد کی طرف بڑھے۔ جب آپ حسب معمول باب سدّہ سے مسجد میں داخل ہونے لگے تو اس وقت مؤذن اذان دے رہا تھا۔ ابن ملجم نے موقع پا کر آپ کے سر پر تلوار کا بھرپور وار کیا اور مجاشع بن وردان نے آپ کے سینے پہ تلوار ماری۔ یہ دیکھ کر ہر طرف سے لوگوں کی بھیڑ لگ گئی اور کچھ لوگ آگے بڑھ کر قاتلوں کو پکڑنے کی کوشش کرنے لگے۔ مجاشع بن وردان لوگوں کی بھیڑ میں گھُس کر چھپتا چھپاتا کسی

طرف بھاگ کر غائب ہوگیا۔ ابن ملجم نے بھی تلوار گھما کر بھاگ نکلنے کی کوشش کی لیکن کچھ لوگوں نے اپنی جان پر کھیل کر اسے پکڑ لیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سر پر مہلک زخم آیا تھا۔ آپ کے بڑے فرزند حضرت حسن نے ابن ملجم کو قتل کرنے کے لیے تلوار اٹھائی لیکن آپ نے انہیں یہ کہہ کر روک دیا کہ اس کا فیصلہ شرعی عدالت کرے گی لیکن مجاشع بن وردان کو گھیر گھار کر پکڑ لائے اور اس سے سوالات کرنے لگے۔ شبیب نے اس کے پہلو سے عبا اٹھائی تو وہاں تلوار چھپی نکلی، عبداللہ بن نجدہ اس کے بھائیوں میں سے تھا۔ اس نے مجاشع سے اس طرح تلوار چھپانے کا سبب پوچھا لیکن وہ کوئی جواب نہ دے سکا۔ یہ دیکھ کر خود عبداللہ نے اسے قتل کر دیا۔

کہتے ہیں کہ اس روز یعنی شب گزشتہ کو رات بھر علیؓ کو نیند نہیں آئی تھی اور آپ اپنی خوابگاہ میں صبح تک ٹہلتے رہے تھے۔ آپ کی خوابگاہ کے نزدیک ترین کمرے میں موجود کچھ خواتین نے جو آپ کا یہ اضطراب محسوس کر رہی تھیں آپ کو یہ کہتے سنا تھا "میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، ہرگز جھوٹ نہیں بولا، یہ وہی رات ہے جس کا مجھ سے وعدہ کیا گیا ہے۔"

اپنی وفات سے قبل حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دو بیٹوں حسن و حسین کو بلا کر وصیت کی تھی۔ آپ کے یہ دونوں بیٹے بھی جیسا کہ اکثر ثقہ اور اہل الرائے کا اس پر اتفاق ہے آیۂ تطہیر میں اللہ تعالیٰ کے مخاطب تھے۔

حضرت علیؓ کی اپنی اولاد کو وصیت

ضربت کے تیسرے روز جو آپ کی وفات کا دن تھا لوگ حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے عرض کیا کہ آپ نے دنیا کا مال و زر تو ترکے میں چھوڑنے کے لیے کبھی جمع نہیں کیا، لہٰذا لوگوں کو یہی حکم دے دیں کہ وہ آپ کے بعد خلافت کے لیے آپ کے بیٹے حسن کی بیعت کر لیں۔" لوگوں کی اس درخواست کا جواب آپ نے یہ دیا:۔

"نہ میں تمہیں اس کا حکم دیتا ہوں نہ اس سے منع کرتا ہوں، میں حضور حق اس طرح جانا چاہتا ہوں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے تھے یعنی خلافت کے لیے کسی کو نامزد کیے بغیر۔" اس کے بعد آپ نے اپنے بیٹوں حسن و حسین اور محمد حنفیہ کو بلایا اور حسن و حسین کو قریب بلا کر درج ذیل وصیت فرمائی:۔

" خدا کی وحدانیت کا لحاظ رکھتے ہوئے ہمیشہ تقویٰ و طہارت پر قائم رہنا، دنیا تم سے

کھینچے تو تم بھی اس سے کھینچے رہنا، دنیا کی کوئی شے تمہیں نہ ملے تو اس کی پروا نہ کرنا، ہمیشہ حق بات کہنا، یتیموں پر رحم کرنا، کمزوروں کی مدد کرنا، ظالموں کے دشمن اور مظلوموں کے مددگار رہنا اور دنیا کی طرف سے ملامت کی پروا نہ کرنا۔"

اس کے بعد وہ محمد حنفیہ کی طرف نگاہ اُٹھا کر بولے:-

"تم نے حسن وحسین کے حق میں میری وصیت سُنی؟ پھر فرمایا؛" تمہارے لیے بھی میری یہی وصیت ہے۔ اس کے علاوہ یہ کہ اپنے بھائیوں کی عزت وحرمت کا ہمیشہ خیال رکھنا، ان کا ہر حکم ماننا، ان کے حکم کے خلاف کوئی کام نہ کرنا۔" پھر حسنؓ وحسینؓ سے فرمایا:-

"تمہارے لیے بھی میری اس بھائی کے حق میں یہی وصیت ہے کہ اس کا ہمیشہ خیال رکھنا یہ تمہاری تلوار اور تمہارے باپ کا بیٹا ہے، اس کا ہمہ وقت خیال رہے۔"

اس کے بعد لوگوں نے آپ سے دوبارہ پوچھا:-

"اور ہمارے لیے کیا حکم ہے؟"

آپ نے فرمایا؛" وہی جو میں پہلے کہہ چکا ہوں یعنی جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت کے معاملے میں آپ کو بغیر کسی خاص حکم کے چھوڑا تھا، میں بھی تمہیں اسی طرح چھوڑ جاؤں گا۔"

آپ سے پوچھا گیا؛" خدا کے سامنے حاضر ہو کر آپ کیا کہیں گے؟"

اس کا جواب آپ نے یہ دیا؛" میں اس سے یہ عرض کروں گا کہ جب تک تو نے مجھے اُمت محمدی میں زندہ رکھا میں زندہ رہا اور جب تو نے مجھے اپنے پاس بُلایا میں حاضر ہو گیا، میرے بعد تو چاہے تو اسے فتنہ وفساد میں مبتلا رکھے یا اس کی اصلاح کر دے یہ تیری مرضی پر موقوف ہے۔"

اس کے بعد آپ نے فرمایا؛" بخدا یہ ویسی ہی رات ہے جیسی رات میں یوشع بن نون کو تلوار سے زخمی کیا گیا تھا، انہیں بھی سترھویں تاریخ کو زخمی کیا گیا تھا اور اکیسویں کو انہوں نے وفات پائی تھی۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ جمعہ اور سنیچر کو زندہ رہے اور اتوار کے روز آپ نے وفات پائی۔ آپ کو مسجد کوفہ کے قریب رحبہ میں دفن کیا گیا۔ آپ کے مدفن کے بارے میں لوگوں کی اختلافی آراء ہم زیرِ نظر کتاب کے پچھلے صفحات میں پیش کر چکے ہیں۔

آپ کا سال وفات اور آپ کے اوصاف

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی اس وقت آپ کی عمر ۶۲ سال تھی لیکن بعض لوگ ۶۳ سال بتاتے ہیں۔ جہاں تک آپ کے اوصاف کا تعلق ہے حضرت حسن نے آپ کی وفات کے بعد ارشاد فرمایا:۔

جس شخص نے آج رات وفات پائی ہے اس سے پہلے بنی آدم میں کوئی آدمی فضیلت نبوّت کے سوا سبقت نہ لے جاسکا اور نہ اس کی مرتبت و منزلت کو اس کے بعد کوئی پاسکے گا ا جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم انہیں کسی موقع پر جنگ کا حکم دیتے تھے تو جبریلؑ ان کے داہنی جانب چلتے تھے اور اس وقت تک ان کے ساتھ رہتے تھے جب تک انہیں اس جنگ میں فتح حاصل نہ ہوجاتی۔

حضرت حسنؓ نے اپنے والد علی رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ سات تکبیروں سے پڑھائی کچھ لوگوں نے اس سے اختلاف کیا ہے۔

آپ کا ترکہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کے وقت سوائے سات سو درہم کے سونے یا چاندی کا کوئی سکہ نہیں چھوڑا تھا، یہ معمولی رقم بھی آپ نے عطیات میں سے اپنے اہل خانہ کے لیے ایک غلام یا خادم خریدنے کے لیے بچا رکھی تھی۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے اپنے اہل خانہ کے لیے ترکے میں دو سو پچاس درہم قرآن پاک کی ایک جلد اور اپنی تلوار چھوڑی تھی۔

ابن ملجم سے لوگوں کا سلوک

جب لوگوں نے ابن ملجم کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو عبداللہ ابن جعفر نے ان سے کہا:۔

"اسے میرے سپرد کردو، میں اس کے ساتھ اپنے حسب منشا برتاؤ کروں گا۔"

لوگوں نے عبداللہ ابن جعفر کی یہ درخواست منظور کرلی تو انہوں نے پہلے ابن ملجم کے ہاتھ کاٹے، پھر ٹخنوں سے اس کے پاؤں کاٹ دیے، پھر اس کے جسم کے اس طرح ٹکڑے کیے کہ وہ گوشت کا ایک لوتھڑا رہ گیا۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر عبداللہ بن جعفر نے کہا:۔

"اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے، اس نے انسان کی تخلیق تجسیم ایک لوتھڑے سے کی، اب دیکھو اس کے حکم سے (ابن ملجم کے جسم کی طرف اشارہ کرکے) ایک انسان پھر از سر نو ایک لوتھڑے ہی میں تبدیل ہوگیا ہے۔" پھر انہوں نے اس لوتھڑے کی طرف منہ کرکے کہا:۔

اب اپنے چچا سے کہہ کہ تیری آنتیں اُٹھا کر گھر لے جائے۔" تاہم لوگوں نے اس لوتھڑے کو اُٹھا کر تیل میں ڈال دیا اور تیل کو آگ لگا دی۔ اس طرح وہ لوتھڑا جل کر ریزہ ریزہ ہو گیا۔ بہرکیف عمران بن حطّان رقاشی نے ابن ملجم کی ضرب کاری کی تعریف میں کچھ شعر کہے جن کا جواب زبان شعر ہی میں قاضی ابوطیب طاہر شافعی نے دیا۔ قاضی ابوطیب کے اشعار کی تضمین بھی بہت سے عرب شعراء نے کی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات پر متعدد عرب شعراء نے مرثیے کہے جو آج تک زبان زد خاص و عام ہیں۔

خارجیوں کو سرزمین عرب میں کبھی کسی نے اچھی نظر سے نہیں دیکھا یہاں تک کہ مصر میں بھی عمرو بن عاص نے زادویہ خارجی کو جو وہاں پہنچ کر عمرو بن بکر تمیمی کے نام سے عمرو کی بارگاہ میں رسائی حاصل کر کے مصر کا قاضی بن بیٹھا تھا، اس کی مسند پر بیٹھا کرتا تھا اور اس کی طرف سے اسے خوش کرنے کو لوگوں میں کھانا تقسیم کیا کرتا تھا یہ معلوم ہونے کے بعد کہ اسے خوارج نے عمرو بن عاص کے قتل پر مامور کیا تھا اپنے ہاتھوں سے قتل کر دیا تھا۔ عمرو بن عاص نے اس کے علاوہ اور کئی دوسرے خوشامدی اور مکار خارجیوں کو قتل کرا دیا تھا لیکن معاویہ نے یہ جاننے کے باوجود کہ خوارج نے ایک مشہور خارجی حجاج بن عبداللہ صرمی کو جو عام طور سے "برک" کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا خود اس کے (معاویہ کے) قتل پر مامور کیا تھا، جب تک حضرت علی رضی اللہ عنہ زندہ رہے کسی نہ کسی خارجی کو اس لیے کوفے بھیجتا رہا کہ وہ وہاں جا کر ان خارجیوں کا ماتم کرے جنہیں حضرت علی رضؓ نے جنگ نہروان میں قتل کر دیا تھا۔

حضرت علی رضؓ ان کے مکر و فریب سے واقف تھے اور جب لوگوں نے آپ کو اس طرف توجہ دلائی تو آپ نے یہی فرمایا تھا کہ "وہ لوگ جھوٹ نہیں کہتے۔" لیکن آپ نے صبر و تحمل کا ثبوت دیتے ہوئے ان خارجیوں سے درگزر کرنا ہی مناسب سمجھا تھا۔ ہم آپ کے اس صبر و تحمل پر نیز آپ کے زہد و تقویٰ اور سادہ زندگی پر اگلے باب میں گفتگو کریں گے۔

وما توفیقنا الا باللہ۔

حضرت علی کی سادہ زندگی، زہد و تقویٰ کا ذکر اور آپ کے کچھ اقوال

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سادہ زندگی کا یہ عالم تھا کہ آپ نے اپنے دورِ خلافت میں بھی کبھی کوئی نیا کپڑا زیبِ تن نہیں فرمایا، صرف بے جا سے اجتناب کا یہ حال تھا کہ موٹے سے موٹا اور سستے سے سستا کپڑا بھی آپ نے ضرورت سے زیادہ کبھی نہیں خریدا بلکہ اس میں اس قدر احتیاط تھی کہ ہر لباس آپ کے جسم پہ تنگ نظر آتا تھا اور دین داری کی یہ کیفیت تھی کہ آپ کوئی چیز خریدنے سے قبل دکان دار کی دیانت داری کی تصدیق فرمالینا ضروری سمجھتے تھے۔

آپ کے ان خطبات کی تعداد جو لوگوں کو یاد رہ گئے ہیں کم سے کم چار سو ہے، ان میں اسّی سے زیادہ خطبات ایسے ہیں جو آپ نے فی البدیہہ ارشاد فرمائے تھے، آپ نے جو بھی ارشاد فرمایا اس پہ خود بھی ہمیشہ عامل رہے۔

ممتاز ترین شخصیت لوگ آپ کو خیار العباد یعنی مخیّر حضرات میں ممتاز ترین شخصیت کہہ کر یاد کرتے تھے۔ آپ کا قول ہے، جب تم سے کوئی نیکی سرزد ہو تو اسے خدا کی دین سمجھو، کوئی بُرائی سرزد ہو جائے تو اس کے آگے استغفار کرو جب کسی کو کچھ دو تو خدا کا شکر ادا کرو، جب کوئی مصیبت آئے تو اسے معاف کر دو۔

دُنیا کا حال آپ کے بقول دنیا حقائق اور صداقتوں کا گھر ہے لیکن صرف اسی شخص کے لیے جو اس کی دریافت اور تصدیق پہ قادر ہو، یہ اس شخص کے لیے بہتات کی جگہ ہے جو اس سے کم سے کم حصول کا خواہش مند ہو، یہ خدا کو محبوب رکھنے

والوں کی مسجد اور ملائکہ باری تعالیٰ کا مصلیٰ ہے، یہ وحی الٰہی کا مہبط اور اس کے اولیاء کے لیے نفع بخش ہے، اس میں رحمت الٰہی کے حصول کی کوشش کرو، جنت کی خوشیاں اسی میں تلاش کرو جس نے دنیا کو برُا کہا وہ جیتے جی اذیت میں مبتلا اور اسے چھوڑتے وقت گریہ و زاری کا شکار رہا۔

جو لوگ دنیا کی مدح کرتے ہیں وہ درحقیقت اپنی اور دُوسرے اہل دُنیا کی تعریف و توصیف کرتے ہیں۔" یہ لوگ دنیا حاصل کرنے کے بعد اس پر مغرور ہو جاتے ہیں اور اس کا خیال نہیں کرتے کہ دُنیا نے ہمیشہ کسی کا ساتھ نہیں دیا ہے۔ وہ انجام کار اس کی لائی ہوئی بلاؤں سے واقف نہیں ہوتے یا واقف ہونا نہیں چاہتے، دنیا نے تمہارے آبا کو بلاؤں سے کبھی محفوظ رکھا ہے یا تمہاری ماؤں کو تہِ خاک جانے سے روکا ہے؟ جن برائیوں اور امراض کی دوا تم طبیبوں سے لینا چاہتے ہو ان کا علاج خود تمہارے ہاتھ میں ہے، میں کہتا ہوں دُنیا کی برائیاں اور بھلائیاں تمہارے قبضۂ قدرت میں ہیں یعنی ان کا سبب تم خود ہو، آج ان تمام باتوں پر غور کر لو، کل پچھتانے اور نالہ و فریاد سے کچھ حاصل نہ ہوگا، میں نے تمہیں دنیا کے بارے میں جو کچھ بتایا ہے اس سے بہتر اب شاید ہی کوئی بتا سکے۔

دنیا کے بارے میں آپ کی اس پُر مغز گفتگو کے علاوہ آپ نے اس سلسلے میں اپنے مخاطب لوگوں سے جو کچھ فرمایا وہ یہ ہے:۔

"چونکہ دُنیا بھلائیوں اور بُرائیوں کے امتزاج کا نام ہے اور اس کا تعلق خود تمہارے اعمال سے ہے اس لیے وہ کام کرو جو آخرت میں تمہارے لیے جزائے خیر کا سبب بن سکیں، تم ابنائے دنیا نہ بنو بلکہ دنیا میں زہد و تقویٰ اختیار کر کے آخرت کے لیے طالب خیر بنو، زاہد دنیا میں اپنے لیے جو بساط پسند کرتے ہیں وہ فرشِ خاک ہوتی ہے، جو لوگ جنت کی تمنا رکھتے ہیں وہ شہوات سے دُور رہتے ہیں اور جو لوگ آتش دوزخ سے بچنا چاہتے ہیں وہ محرمات سے گریز کرتے ہیں، تم بھی ایسا ہی کرو۔"

آپ نے اپنے بیٹے حسن سے فرمایا:۔

"بیٹے! اگر تم دُنیا سے مستغنی رہنا چاہو تو دوسروں کے لیے اس استغنا کی تصویر بن جاؤ، دنیا کی خواہش کم سے کم کر، جو کچھ دُوسروں کو دو اس میں دریا دلی کا مظاہرہ کرو کہ ایثار اسی کا نام ہے۔"

ایک دفعہ ایک شخص نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کا احوال دریافت کیا

تو آپ نے فرمایا :۔
جو کچھ خدا دیتا ہے کھا لیتا ہوں اور موت کا منتظر رہتا ہوں ۔"
اس نے پوچھا :" دنیا کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے ؟"
آپ نے جواب دیا :" اس کے بارے میں کیا پوچھتے ہو جس کی ابتدا غم اور جس کی انتہا موت ہے ، جو شخص اس سے مستغنی رہنا چاہے وہ فتنوں کا شکار ہو جاتا ہے ، جو طالب فقر ہو اس کے نصیب میں غم ہی غم ہے ، دنیا کے حلال کا بھی حساب ہوگا اور حرام کا نتیجہ عقوبت ہے ۔" اس نے پوچھا : سب سے بہتر کون اشخاص ہیں ؟"
آپ نے فرمایا :" مدفون لوگ کہ دنیا کے بکھیڑوں سے آزاد اور ثواب آخرت کے منتظر ہیں ۔"

معاویہ کے سامنے حضرت علیؓ کے اوصاف کا بیان

ضرار بن ضمرہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خاص لوگوں میں سے تھا ایک دفعہ وفد لے کر معاویہ کے پاس پہنچا تو انہوں نے اس سے کہا :۔
"علی (رضی اللہ عنہ) کے اوصاف بیان کرو ۔"
ضرار بولے :" یا امیر المومنین ! مجھے اس سے معاف رکھیں ۔"
معاویہ نے کہا :" تمہارے لیے یہ بات ناگزیر ہے ۔"
ضرار بولے :" اگر ناگزیر ہے تو سنیئے کہ وہ نشۂ امارت سے دور اور قوت میں بہت زیادہ ہیں ۔"
باتیں بہت کم کرتے ہیں اور ہمیشہ عدل و انصاف کا حکم دیتے ہیں ، ان کے دونوں پہلوؤں سے علم طلوع ہوتا ہے اور ان کے اطراف حکمت مصروف گفتگو رہتی ہے ، بہت معمولی کھانا انہیں پسند ہے اور وہ لباس کے لیے کم سے کم کپڑا استعمال کرتے ہیں ، جب ہم ان سے کچھ کہتے ہیں تو ہماری بات سنتے ہیں اور جو کچھ ان سے مانگتے ہیں وہ ضرور دیتے ہیں ، ان کی ہر تقریب ہمارے لیے ہوتی ہے اور ان کی قربت ہم سے ہے ، ہم بات کرتے ہیں ان سے خائف نہیں ہوتے نہ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ خود کو ہم سے بڑا سمجھ رہے ہیں ، جب وہ مسکراتے ہیں تو ان کے دندان مبارک سلک مروارید نظر آتے ہیں ، وہ دین داروں کا احترام کرتے ہیں اور مسکینوں پر رحم کرتے ہیں ، یتیموں اور مسکینوں میں بیٹھ کر کھانا کھانے سے انہیں

عار نہیں ہے ، ننگوں اور غریبوں کے لیے لباس مہیا کرتے ہیں ، دنیا اور دنیا کی چمک دمک سے انہیں وحشت ہوتی ہے ، وہ رات کو اور اس کے اندھیرے کو پسند کرتے ہیں ، میں نے تو انہیں نصف شب سے نے کر غروب نجوم تک اکثر محراب مسجد میں ایستادہ یا سربسجود دیکھا ہے اور رو رو کر یہ کہتے سنا ہے : اسے دُنیا ! کسی دنیا دار کے سامنے جا کر غرور کا اظہار کر ، تو میرے پاس آکر کیا لے گی ، تیری چمک دمک کی بساط ہی کیا ہے اور تجھے قرار ہی کب ہے ؟ ابنائے دنیا تین ہوتے ہیں اور میں ان میں سے ایک بھی نہیں ہوں ، تیرا عیش و آرام حقیر اور تیری عمر کم ہے ، وہ شخص قابل افسوس ہے جس کا زادِ سفر کم ، سفر طویل اور راستہ پُر آشوب ہو۔"

حضرت علیؓ کا مزید کلام

معاویہ نے ضرار سے کہا : ان کی کچھ اور باتیں مجھے سنائیے ۔"

ضرار نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا : انہوں نے ایک خطبے کے دوران فرمایا :۔

" مجھے یہ سوچ کر تعجب ہوتا ہے کہ انسان کے جسم میں دل کا حجم کیا ہے اور اس کے دماغ میں حکمت کی مقدار کتنی ہے اور انسان کے نقائص و فضائل میں توازن کی صورت کیا ہے ! جب وہ اُمید کا دامن تھامتا ہے تو اس کا جھکاؤ حرص کی طرف ہو جاتا ہے جو اسے ہلاکت میں ڈال دیتا ہے جب وہ قنوطیت کا شکار ہوتا ہے تو افسوس کرتے کرتے نہیں تھکتا ۔ وہ غصے کی حالت میں حد سے گزر جاتا ہے اور جب راضی برضا ہوتا ہے تو تحفظ کا خیال تک چھوڑ دیتا ہے ۔ جب وہ خائف ہوتا ہے تو جزع و فزع میں مبتلا ہو جاتا ہے ، جب خرچ کرنے پہ آتا ہے تو ہاتھ نہیں روکتا اور آخر کار نقصان میں رہتا ہے ، بھوک کی کش مکش اسے کمزور سے کمزور تر کر دیتی ہے ، اظہار شجاعت میں اس کی بھوک اور اس کا پیٹ حائل ہو جاتا ہے ، الغرض تفریط اس کے لیے ہمیشہ نقصان دہ اور افراط فساد انگیز ثابت ہوتی ہے ۔"

معاویہ نے اس کے بعد کہا :۔

ان کے کچھ اور اقوال بیان کرو ؟

ضرار بولے : " معاف کیجیے ، جو کچھ میں نے بذات خود ان سے سنا وہ آپ کو سُنا چکا ہوں البتہ ایک روز انہوں نے کمیل بن زیاد کو میری موجودگی میں جو نصیحت فرمائی وہ عرض کیے دیتا ہوں ۔"

معاویہ بولے : " چلو وہی سناؤ ۔"

ضرار نے کہا: "انہوں نے ایک روز کمیل بن زیاد سے فرمایا کہ" اس شخص کی حمایت کرو جو صرف اللہ تعالےٰ کے سامنے جھکے اور اس کا رحم و کرم اللہ تعالےٰ کے لیے ہو، اس پر ظلم کرنے والا اللہ کا دشمن ہوتا ہے، میں تمہیں ایسے شخص سے ڈرنے کی نصیحت کرتا ہوں جس کا خدا کے سوا کوئی مددگار نہ ہو"

اس کے بعد ضرار چند لمحے خاموش رہ کر بولے: اور ہاں میں نے علی رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے بھی سنا ہے کہ "یہ دُنیا جس قوم پر مہربان ہوتی ہے اسے کچھ عرصے کے لیے کسی دوسری قوم کی اچھی خوبیاں بخش دیتی ہے اور جب کسی قوم سے رُخ پھیرتی ہے تو اس کی اپنی خوبیاں سلب کر لیتی ہے۔" پھر بولے: آپ نے ایک روز یہ بھی فرمایا:-

"مجھے اس مال دار آدمی پر افسوس ہے جو صبر کرنے والوں کا احترام نہیں کرتا۔" اور ایک اور موقع پر یہ بھی فرمایا کہ "مومن کے لیے یہی غنیمت ہے کہ اس کی نگاہ عبرت آموز، اس کا سلوک فکر انگیز اور اس کا کلام پُر حکمت ہو۔"

جعفر بن ابی طالب طیار کو جب شام کے قریب موتہ میں قتل کر دیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بوجوہ وہاں نہیں بھیجا، بس درج ذیل آیۂ کریمہ پڑھ کر خاموش ہو گئے۔

(رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَّأَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِيْنَ)

جنگ اُحد میں جب حضرت علی رضی اللہ عنہ مشرکین کے ایک جتھے کو منتشر اور تلوار کے گھاٹ اتار کر اپنی صفوں کی طرف پلٹے تو جبریل علیہ السلام نے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: "یا محمدؐ! آپؐ کو ان سے کتنی قربت ہے؟" آپؐ نے جواب دیا: "جبریلؑ! یہ مجھ ہی سے ہے۔" جبریل علیہ السلام نے عرض کیا:- "اور میں آپ ہی سے ہوں۔" یہ روایت اسحاق نے ابن اسرائیل کے حوالے سے بیان کی ہے۔

ایک دفعہ کوئی سائل حضرت علی رضؓ کے سامنے آ کر کھڑا ہوا اور آپ سے کچھ مانگا، آپ نے اپنے بیٹے حسن سے فرمایا: "جاؤ اپنی والدہ سے کہو کہ اس سائل کو ایک درہم دے دیں" جناب حسن نے عرض کیا: "اس وقت گھر میں مشکل سے چھ درہم ہوں گے۔" آپ نے ان سے کہا "مومن مومن نہیں ہو سکتا اگر وہ خدا کا دیا ہوا مال اس کی راہ میں دینے سے دریغ کرے۔"

یہ فرما کر آپ نے جناب حسن سے کہا: "جاؤ چھ کے چھ درہم سائل کو دے دو۔"

ایک روز ایک اونٹ والا اپنا اونٹ فروخت کرنے کی آواز لگاتا ہوا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے سے گزرا۔ آپ نے اس سے پوچھا: "کتنے کا ہے؟" وہ بولا: "ایک سو چالیس درہم کا۔" آپ نے اس سے اسی قیمت پر وہ اونٹ خرید لیا لیکن وہ آٹھ دن میں مرگیا۔ اس کے ایک آدھ دن ہی بعد ایک اور اونٹ والا اپنا اونٹ بیچتا ہوا آیا۔ آپ نے جب اس سے اس کی قیمت پوچھی تو وہ بولا: "سو درہم" وہ اونٹ نہایت تندرست اور موٹا تازہ تھا اس لیے آپ نے سوچا تھا کہ اس کی قیمت پہلے اونٹ سے کم کیا ہوگی اس لیے اسے ایک سو چالیس درہم دینا چاہتے تھے لیکن جب اس نے اپنی زبان سے سو درہم مانگے تو آپ نے اسے وہی دے کر اونٹ خرید لیا اور باقی بچے ہوئے چالیس درہم گھر میں جا کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دے دیے۔ انہوں نے پوچھا: "یہ کہاں سے آئے؟" آپ نے جواب دیا: "اللہ تعالےٰ کا وعدہ ہے کہ اس کی راہ میں جتنا کوئی دے گا اس کا دس گنا وہ اسے اس دنیا ہی میں دے دے گا۔" یہ کہہ آپ نے انہیں قرآن کی درج ذیل آیت پڑھ کر سنائی:-

(مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا)

ایک روز ابن عباس کا ایک قبیلے کی طرف سے گزر ہوا جو رو رو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو (نعوذ باللہ) گالیاں دے رہا تھا۔ ابن عباسؓ نے ان کے سربراہ کو بلا کر کہا: "تم لوگ خدا کو گالیاں دے رہے ہو۔" وہ بولا: "نعوذ باللہ ہم خدا کو گالیاں کیوں دینے لگے۔" ابن عباس نے کہا: "تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو گالیاں دے رہے ہو۔" وہ بولا "ہم بھلا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ گالیاں دے سکتے ہیں؟" یہ سن کر ابن عباسؓ نے کہا: "مگر تم علی (رضی اللہ عنہ) کو تو ابھی گالیاں دے رہے تھے۔" وہ بولا: "ہاں ہم انہیں ضرور برا بھلا کہہ رہے تھے اور گالیاں بھی دے رہے تھے۔" یہ سن کر ابن عباس جھٹ بولے: "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے جس نے مجھے گالی دی اس نے گویا خدا کو گالی دی اور جس نے علیؓ کو گالی دی اس نے گویا مجھے گالی دی۔" یہ سن کر وہ بہت شرمندہ ہوا اور اپنے قبیلے سے توبہ کرا کر بولا: "کچھ اور ارشاد فرمائیے۔" ابن عباس نے کہا: "اس وقت اتنا ہی کافی ہے۔"

ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل، آپ کے مراتب و مناقب اور آپ کے زہد و تقوے کے بارے میں اکثر و بیشتر باتیں زیر نظر کتاب میں درج کر دی ہیں لیکن اہل

تجسّس و تحقیق کے لیے ہم نے انہیں تفصیل وار آپ کے خطبات و اقوال کے حوالے سے اپنی دوسری کتابوں "حدائق الاذہان فی اخبار آل محمد علیہ السلام"، "مزاہر الاخبار" اور "طرائف الآثار للصفوۃ النوریہ والتاریخۃ الزکیہ" کے ابواب الرحمت و ینابیع الحکمت میں درج کیا ہے۔

حضرت علیؓ کے کچھ خصوصی فضائل

جن خاص باتوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت پر روشنی پڑتی ہے وہ یہ ہیں: ایمان میں سبقت و ہجرت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قربت اور آپؐ کی نصرت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اپنی جان کی بازی لگا دینا، کمال قناعت، کتاب اللہ کا سب سے زیادہ علم، جہاد فی سبیل اللہ، زہد و ورع، احکام الٰہی کے مطابق فیصلے اور عدل و انصاف حکمت اور علم فقہ پر عبور۔ ان جملہ باتوں میں آپ نے حصۂ وافر پایا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکے سے ہجرت کے بعد مدینے پہنچ کر مہاجرین و انصار کو فرداً فرداً ایک دوسرے کا بھائی بنایا تھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا "تم میرے بھائی ہو۔" جس کے خلاف یا تردید میں اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کبھی کوئی آواز نہیں اٹھی۔ آپؐ نے حضرت علیؓ سے اور ان کے بارے میں یہ بھی فرمایا:۔

(۱) "تم میرے لیے ایسے ہو جیسے ہارون موسےٰؑ کے لیے تھے، فرق صرف اس قدر ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔"

(۲) "جس کا میں آقا ہوں علیؓ بھی اس کے آقا ہیں۔"

(۳) "یا اللہ جو اس سے (علیؓ سے) محبت کرے تو اس سے محبت کر اور جو اس سے دشمنی کرے تو بھی اس سے دشمنی کر۔"

جیسا کہ حدیث میں آیا ہے آپؐ نے حضرت علیؓ سے اور ان کے بارے میں یہ کلمات فرما کر ان کے حق میں اللہ تعالےٰ سے دُعائے خیر و برکت فرمائی۔

ایک روز جناب انسؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بریاں پرندہ پیش کیا تو آپ نے یہ دُعا فرمائی۔

"یا اللہ تو اس وقت اس شخص کو بھیج دے جسے میں تیرے بندوں میں سب سے زیادہ چاہتا ہوں تاکہ وہ یہ مرغا بیاں کھانے میں میرے ساتھ شریک ہوجائے۔" ابھی اس دُعا کا آخری لفظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ادا ہوا ہی تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کو دروازے میں

داخل ہوتے ہوئے آپ کو نظر آ گئے۔

جتنے فضائل اور خصائل حسنہ اللہ تعالیٰ کے بعض نیک بندوں کو تقدیم و تاخیر سے ملے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پاکیزہ شخصیت میں ایک جگہ جمع ہو گئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی وفات کے وقت تک اپنے صحابہ اور دیگر پیروان اسلام کے ظاہر و باطن کی خبر تھی اور آپ نے اس کا اظہار بھی فرمایا تھا، اس وقت تک آپ کے جملہ پیرو کلام الٰہی کی صداقت پر متفق اور باہم رشتۂ اخوت و محبت میں منسلک اور بہر نوع مربوط تھے لیکن آپ کی وفات کے بعد جب سلسلۂ وحی منقطع ہو گیا تو چند مخصوص افراد کے علاوہ جن میں پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وسلم کی قریب ترین شخصیت یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے اکثر و بیشتر لوگوں کا وہ یقین جو انہیں قرآن پاک پر آپ کی وفات تک حاصل تھا متزلزل ہوتا چلا گیا اور وہ قابل افسوس حادثات رونما ہوئے جو تاریخ کے اوراق پر ثبت ہو کر اہل اسلام کے لیے آج تک باعثِ ندامت بنے ہوئے ہیں۔

ہم نے ان تاریخی واقعات کو پوری تحقیق و تدقیق اور چھان بین کے بعد پچھلے صفحات میں جگہ دی ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

باب (۴۷)

ذکر خلافتِ حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما

کوفے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے دو روز بعد ماہ رمضان ۴۰ھ ہجری میں ان کے فرزند اکبر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت کی گئی۔ عبدالرحمٰن ابن ملجم کو جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں جناب حسن رضی اللہ عنہ نے قتل کر دیا تھا اور اپنے عامل مختلف اسلامی مقبوضات کو جن میں کوہستانی علاقے بھی شامل تھے روانہ کر دیے تھے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے صلح ہو جانے کے بعد ۴۱ھ ہجری میں جب کہ ماہ رمضان کے اختتام میں پانچ روز باقی تھے معاویہ کوفے میں داخل ہوئے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات اس وقت ہوئی جب آپ کی عمر پچپن سال تھی، آپ کو زہر دیا گیا تھا۔ آپ کو آپ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی قبر کے برابر بقیع میں دفن کیا گیا۔

حضرت حسنؓ کی سیرت اور کچھ حالات و کوائف

جعفر بن محمد نے اپنے والد اور دادا علی بن حسین بن علی بن ابی طالب کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ جناب حسن رضی اللہ عنہ جب انہیں زہر دیا گیا تو ان کے چچا کے پاس آئے کچھ دیر کھڑے رہے، پھر رفع حاجت کے لیے چلے گئے، اس کے بعد واپس آکر بولے: مجھے پہلے بھی کئی بار زہر دیا گیا ہے، لیکن ایسا کبھی نہیں دیا گیا، اب کے تو جگر کے ٹکڑے کٹ کٹ کر میرے ہاتھوں میں آرہے ہیں۔ یہ سن کر حسینؓ نے جو اس وقت وہاں موجود تھے پوچھا: بھائی

آپ کو کس نے زہر دیا ہے؟" جناب حسن نے ان سے پوچھا: "تمہارا اس سوال سے مقصد کیا ہے؟"
جناب حسین نے کہا:-

"جس پر میرا شک ہے اگر یہ اسی کا کام ہے تو پھر اسے میرے ہاتھ سے خدا ہی بچا سکتا ہے اور اگر اس کے علاوہ کوئی اور ہے تو بھی میں اسے ہرگز زندہ نہ چھوڑوں گا۔"

تین دن اسی درد و قدح میں گزر گئے لیکن جناب حسنؓ کسی کا پتہ بتائے یا نام لیے بغیر وفات پا گئے۔

بیان کیا گیا ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو ان کی بیوی جعدہ بنت اشعث بن قیس کندی نے زہر دیا تھا اور اسے معاویہ نے اس کام پر اکسایا تھا، معاویہ نے اس سے کہا تھا کہ اگر اس نے یہ کام کر دیا تو وہ اسے ایک لاکھ درہم دینے کے علاوہ اپنے بیٹے یزید سے اس کی شادی کر دیں گے جب جعدہ نے معاویہ کے حسب منشا جناب حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دے کر مار ڈالا تو معاویہ نے اسے حسب وعدہ ایک لاکھ درہم تو بھیج دیے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہلوایا:

"ہمیں یزید کی زندگی عزیز ہے، اگر اس کے ساتھ تیری شادی کر دی گئی تیرے ہاتھوں اس کی جان بھی جا سکتی ہے۔"

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے رحلت سے کچھ دیر قبل فرمایا تھا کہ انہیں شربت میں زہر دیا گیا تھا اور انہوں نے اسے بے جھجک پی لیا تھا کیونکہ انہیں اپنی بیوی کی وفا پر شک نہیں تھا۔ بہرکیف اگر اس نے کسی کے کچھ وعدہ کرنے پر یہ کام کیا ہے تو بخدا وہ شخص اپنا وعدہ پورا نہیں کرے گا اور وہ پچھتائے گی۔

جعدہ کے اس فعل قبیح کے بارے میں شاعر نجاشی نے جو شیعان علیؓ میں سے تھا ایک طویل نظم کہی ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور عرب شاعر نے بھی جعدہ کے اس فعل کے متعلق بہت سے اشعار کہے ہیں جن میں اس فعل مذموم کی مذمت کی گئی ہے۔

میں نے ابوالحسن علی بن محمد بن سلیمان نوفلی کی کتاب "الاخبار" میں مندرجہ ذیل باتیں پڑھی ہیں جو اس نے صالح بن علی بن عطیہ العصم کی زبانی سن کر لکھی ہیں، وہ لکھتا ہے:-

"ہم سے عبدالرحمن بن عباس ہاشمی نے جو کچھ بیان کیا وہ انہوں نے ابی عون صاحب الدولہ سے سنا تھا، ابی عون صاحب الدولہ نے بیان کیا کہ ان سے یہ باتیں محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس نے کہیں تھیں اور بتایا تھا کہ انہوں نے اپنے والد سے اور ان کے والد نے ان کے دادا سے

سُنا کہ ایک روز وہ یعنی عباس بن عبدالمطلب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ علی بن ابی طالب بھی وہاں آ گئے تو آپ ان کا چہرہ بڑے غور سے دیکھنے لگے۔ عباس بن عبدالمطلب نے بیان کیا ہے :۔

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا "آپ اس نوجوان کا چہرہ اس قدر غور سے کیوں دیکھ رہے ہیں ؟ تو آپ نے فرمایا "چچا جان ! میں اس نوجوان کو بہت زیادہ چاہتا ہوں ، یہ میرے بعد نبی تو نہیں ہو سکتا لیکن اس کے صُلب سے جو اولاد ہو گی درحقیقت میری اولاد ہو گی۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے تمام بندوں کو فرداً فرداً ان کی ماؤں کے ناموں سے پکارا جائے لیکن اس کی ذرّیات کو ایک ایک کر کے ان کے باپوں کے نام سے آواز دی جائے گی جس کی وجہ ان کی صُلبی صحت ہو گی ۔"

جناب حسن کی وفات پر محمّد حنفیہ کا مرثیہ

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی تدفین کے بعد آپ کے بھائی محمد حنفیہ نے ان کی قبر پر کھڑے ہو کر بطور مرثیہ یہ کہا : "آپ کی زندگی اور موت دونوں با وقار رہیں ، آپ کے کفن سے آپ کی پاک رُوح کی خوشبو آ رہی تھی اس لیے کہ وہ آپ کے طاہر جسم پر تھا ، ایسا کیوں نہ ہوتا جب کہ آپ با ہدایت اور ایک متقی باپ کے بیٹے تھے ، آپ اہل کِسا کے پانچویں فرد تھے آپ نے ہمیشہ اکل حلال پر گزر بسر کی بلکہ آپ کی رضاعت بھی ایمان ہی کا ایک جزو تھی ۔ درحقیقت آپ کی حیات کی طرح آپ کی موت بھی طیب و پاکیزہ ہوئی (یعنی جس طرح آپ زندگی کے ہر دور میں مسکراتے رہے اس طرح مسکراتے ہوئے اپنے مالک حقیقی سے جا ملے) لیکن اے ابا محمد ہمیں آپ کی جدائی ہمیشہ تڑپاتی رہے گی) اللہ آپ پر رحم فرمائے ۔"

اس کے بعد المسعودی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں :۔

" ابوالحسن علی بن محمد بن سلیمان نوفلی کی کتاب "الاخبار" کے مطالعے کے بعد اہل بیت کے بارے میں جو روایات میری نظر سے گزری ہیں ان کے مطابق محمد حنفیہ نے جناب حسن بن علی بن ابی طالب کی قبر پر کھڑے ہو کر جو الفاظ فرمائے تھے وہ درج ذیل ہیں :۔

" اے ابا محمد ! آپ کی زندگی پاکیزہ اور مسکراتے گزری لیکن آپ کی رحلت پر لوگ گریہ کناں ہیں کیونکہ آپ خامس اہل کِسا ، ابن محمد مصطفیٰ ، ابن علی مرتضیٰ رضؓ ، ابن فاطمہ زہرا اور ابن شجر طوبیٰ تھے ۔"

"اس کے بعد محمد حنفیہ نے جناب حسن رضی اللہ عنہ کی قبر پر کھڑے ہی کھڑے فی البدیہہ کچھ اشعار بھی پڑھے جن میں اُنھوں نے اپنے بھائی جناب حسن رضی اللہ عنہ کے فضائل بیان کرنے کے بعد ان کی وفات کو ایک بہت بڑا حادثہ اور اہل اسلام کے لیے ناقابل تلافی نقصان قرار دیا تھا۔"

"خلافتِ جناب حسن رضی اللہ عنہ اور صلح حسن و معاویہ کے سلسلے میں جو مصدقہ روایات میری نظر سے گزری ہیں ان سے دورِ خلافت راشدہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی کی بھی تصدیق ہوتی ہے، آپ نے فرمایا تھا؟ میرے بعد خلافت تیس سال رہے گی۔"

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ بالا ارشاد گرامی کی روشنی میں حساب لگایا جائے تو خلافت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے آغاز خلافت سے لے کر جناب حسن رضی اللہ عنہ کے اختتام خلافت تک کل تیس سال بنتے ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے:۔

۱۔ خلافت ابوبکر رضی اللہ عنہ	دو سال، تین مہینے، آٹھ دن
۲۔ خلافت عمر رضی اللہ عنہ	دس سال، چھ مہینے، چار راتیں
۳۔ خلافت عثمان رضی اللہ عنہ	گیارہ سال، گیارہ مہینے، تیرہ دن
۴۔ خلافت علی رضی اللہ عنہ	چار سال، سات مہینے، ایک دن
۵۔ خلافت حسن رضی اللہ عنہ	آٹھ مہینے، دس دن
	میزان کل .... تیس سال

"محمد بن جریر طبری، محمد بن حمید رازی، علی بن مجاہد، محمد بن اسحٰق اور فضل بن عباس بن ربیعہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:۔

"عبداللہ بن عباس جب معاویہ کے پاس وفد لے کر گئے تو پہلے مسجد میں تشریف لے گئے وہاں انھوں نے معاویہ کو اہل خضراء میں نعرۂ تکبیر بلند کرتے سنا، ان کے ساتھ اہل خضراء نے بھی نعرۂ تکبیر بلند کیا، جب ان لوگوں نے جو اس وقت مسجد میں موجود تھے اہل خضراء کو نعرۂ تکبیر بلند کرتے سنا تو ان کی تقلید میں نعرہ ہائے تکبیر بلند کرنے لگے۔ ابن عباس نے دیکھا کہ یہ نعرے سن کر فاختہ بنت قرظہ بن عمرو بن نوفل بن عبد مناف گھر سے باہر آئی اور اس نے معاویہ سے پوچھا: "یا امیر المومنین اللہ آپ کو خوش رکھے، آج ایسی کیا خبر آئی ہے جو آپ

اس قدر خوشی سے نعرے لگا رہے ہیں؟ فاختہ کے جواب میں معاویہ بولے، "حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی موت کی خبر آئی ہے۔" فاختہ نے جب یہ سُنا تو انا للہ وانا الیہ راجعون کہہ کر رونے لگی، پھر بولی: "آہ سید المسلمین، ابن بنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے!"

معاویہ نے کہا: "ہاں، یہ درست ہے لیکن تو اس طرح کیوں رو رہی ہے جیسے تیرا کوئی رشتے دار مر گیا ہو؟

جب ابن عباس کی آمد کی خبر معاویہ کو ملی تو وہ اور زیادہ خوش ہوئے اور جس وقت اول الذکر ان کے پاس پہنچے تو وہ ان سے بولے: "ابن عباس! میں نے سُنا ہے کہ حسنؓ وفات پا گئے۔"

ابن عباس نے کہا: "جی ہاں لیکن کیا آپ ان کی وفات کی خبر سُن کر خوشی سے نعرۂ تکبیر بلند کر رہے تھے؟"

معاویہ نے جواب دیا: "ہاں۔"

ابن عباس یہ سُن کر بولے: "ان کی موت سے آپ کی موت مؤخر نہیں ہو سکتی نہ ان کے زیر زمین جانے سے آپ کے زیر زمین جانے میں تاخیر ہو سکتی ہے۔ ہم پر ایک مصیبت اُس وقت آئی تھی جب سید المرسلین، امام المتقین، رسول رب العالمین صلے اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تھی، اس کے بعد سید الاوصیا رخصت ہوئے، ہم نے یہ سب مصائب رضائے الٰہی سمجھ کر جھیلے ہیں۔"

ابن عباسؓ کی زبان سے یہ سُن کر معاویہ بولے:۔

"ابن عباس! تمہارا بُرا ہو، میں نے کچھ ایسی بات تو نہیں کہی جس پر تم اتنا بگڑ رہے ہو۔"

ایک دوسری روایت یہ ہے کہ جب حسن رضی اللہ عنہ کی طرف سے صلح نامے کی منظوری کی خبر معاویہ کو پہنچی تو انہوں نے خوشی سے اُچھل کر نعرۂ تکبیر بلند کیا، ان کی دیکھا دیکھی اہل خضراء نے بھی وہی نعرہ لگایا تو اس وقت مسجد میں موجود نمازیوں نے بھی نعرے لگانے شروع کر دیے، ان نعروں کی آواز سُن کر فاختہ بنت قرظہ حیران ہوتی ہوئی گھر سے نکلی اور معاویہ سے کہا: "یا امیر المومنین! خدا آپ کو خوش رکھے ایسی کیا خبر آئی ہے جس پر آپ اس قدر مسرت کا اظہار فرما رہے ہیں؟" فاختہ کے سوال کا جواب معاویہ نے یہ دیا:۔

"حسن (رضی اللہ عنہ) نے ہم سے صلح کر لی ہے اور ہماری اطاعت پر راضی ہو

صلح کی شرائط (۱) آج کے بعد حضرت معاویہ خدا اور اس کے رسول احکامات کی پابندی کریں گے (۲) علیؑ کو نشانہ ستم نہ کیا جائے

اس سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ معاویہ خدا اور اس کے رسولؐ کے احکامات کی پابندی نہیں کرتا تھا اور علیؑ کو گالیاں دیا کرتا تھا جب ہی امام حسنؑ نے اس سے ان شرائط میں صلح کی تھی۔

گئے ہیں، یہ بہت بڑی خوش خبری ہے۔"

یہ سُن کر فاختہ بنت قرظہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث پڑھی کہ "میرا یہ بیٹا جو اہل جنت کا سردار ہے اللہ کے حکم سے دو حریفوں میں صلح کرائے گا" پھر بولی "الحمدللہ کہ اللہ تعالےٰ نے دو حریفوں میں سے ایک حریف کے ذریعے دو مخالف گروہوں میں صلح کرا دی ہے۔"

"ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب جناب حسن رضی اللہ عنہ نے معاویہ سے صلح کی تو معاویہ خود بھی کوفے میں موجود تھے، عمرو بن عاص نے ان سے کہا: "آپ حسن (رضی اللہ عنہ) سے فرمائیے کہ وہ لوگوں کو خطبہ دیں۔"

معاویہ بگڑ کر بولے: "کیا تم چاہتے ہو کہ میں آج بھی لوگوں کو مخاطب کرنے میں انہیں اولیت دوں؟"

عمرو بن عاص نے کہا: "میں یہ چاہتا ہوں کہ وہ آپ سے پہلے لوگوں کو مخاطب کر کے صلح کی وضاحت کریں اور انہیں بتائیں کہ انہوں نے (حسنؓ نے) آپ کی بیعت کر کے آپ کی اطاعت پر آمادگی کا اظہار کر دیا ہے۔"

معاویہ یہ سُن کر لوگوں سے مخاطب ہوئے جس کے بعد جناب حسن رضی اللہ عنہ کو آدمی بھیج کر بلوایا گیا، اس کے بعد معاویہ نے حسن رضی اللہ عنہ سے لوگوں کو مخاطب کرنے کی درخواست کی۔ جناب حسن رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ سے جو صلح کی وجہ سے آپ سے کشیدہ تھے حمد و ثنا کے بعد یوں فی البدیہہ خطاب فرمایا:۔

"لوگو! ہم میں سے پہلے فرد نے تمہارے لیے سامان ہدایت فراہم کیا اور آخری شخص نے تمہارے خون کا تحفظ کیا، حکومت عارضی ہوتی ہے اور دنیا آنی جانی ہے، اللہ تعالےٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا ہے (قُل اِن اَدرِی اقریب ام بعید ما توعدون انہ یعلم الجہر من القول ویعلم ما تکتمون، وان ادری لعلہ فتنۃ لکم ومتاع الی حین) قرآن کی یہ آیت تلاوت کرنے کے بعد آپ نے اہل کوفہ سے فرمایا: "اے اہل کوفہ! میں تم سے کبھی دست بردار نہ ہوتا لیکن تمہاری تین باتیں ایسی ہیں جن کی وجہ سے مجھے تم سے دست بردار ہونا پڑا ہے۔ ایک تو یہ کہ تم میرے والد کے قتل کا سبب بنے ہو، دوسری بات یہ ہے کہ تم مجھے بھی لوجہد سمجھ رہے ہو، تیسری اور

آخری بات یہ ہے کہ تم میرے پیچھے مجھے اچھے الفاظ سے یاد نہیں کرتے، لہٰذا میں نے معاویہ کی بیعت کر لی ہے۔ اب تم انہیں کی بات سُنو اور انہیں کی اطاعت کرو۔"

"جب اہل کوفہ کو جناب حسن رضی اللہ عنہ کی طرف سے معاویہ کے ساتھ صلح کا یقین ہو گیا تو کچھ لوگوں نے آپ کے خیمے میں شگاف کیا، اس میں سے گذر کر آپ کے بستر تک پہنچے اور ان میں سے ایک شخص نے آپ کے شکم میں خنجر گھونپ دیا (ہر چند کہ یہ زخم مہلک ثابت نہ ہوا لیکن فطرتِ اہل کوفہ کی قلعی کھل گئی۔)"

"جب حضرت علی رضی اللہ عنہ زخمی ہونے کی وجہ سے بستر سے اُٹھنے سے معذور تھے تو آپ نے جناب حسن رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ چنانچہ وہ مسجد تشریف لے گئے تھے اور منبر پر تشریف فرما ہو کر حمد و ثنا کے بعد نمازیوں سے یوں مخاطب ہوئے تھے: اللہ تعالیٰ نے کبھی کسی کو اپنا نبی نہیں بنایا جب تک اس کا کوئی نقیب، اس کے اپنے کچھ لوگ اور اس کا گھر منتخب نہ کر لیا۔ پس جب اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بحیثیت نبی مبعوث فرمایا تو وہ ہمیں جو آپؐ کے اہل بیت تھے ہمارے حق سے کس طرح محروم رکھتا الّا یہ ہم (نعوذ باللہ) اس کے کسی حکم سے سرتابی کرتے، ہمارے حصتے میں دُنیا کی دولت و حکومت نہیں آئی بلکہ اجرِ آخرت آیا ہے، لہٰذا ہمارے بارے میں آپ لوگ خود سوچ سمجھ سکتے ہیں۔"

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے مختصر دورِ خلافت میں جب بھی کہیں کوئی خطبہ دیا تو لوگوں سے اس کے دوران میں یہ ضرور فرمایا:-

"ہم حزب اللہ ہیں اور اس کی طرف سے انسانوں کی فلاح پر مامور ہیں۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عترت ہیں، آپؐ کے قریب ترین عزیز یعنی آپ کے طاہر و طیب اہل بیت ہیں، ہم ثقلین میں سے ایک ہیں جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وقتِ وفات چھوڑا ہے، دُوسری چیز ثقلین میں کتاب اللہ ہے جس میں وہ سب تفصیلات موجود ہیں جنہیں آپ کی دنیاوی زندگی میں کوئی باطل ٹھہرا سکا نہ آپ کی وفات کے بعد قیامت تک کوئی باطل ٹھہرا سکے گا۔ جو کچھ کتاب اللہ میں ہے ہم نے اسے سمجھنے میں کبھی غلطی نہیں کی بلکہ اس کے یقین کی دوسروں کو بھی اسی طرح ہدایت کی ہے جس طرح خود اس کا یقین کامل کیا ہے، پس تمہارے لیے ہماری اطاعت اسی طرح فرض ہے جس طرح تم پر حکم الٰہی کے تحت اللہ اور اللہ کے

رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اولوالامر کی اطاعت فرض ہے، واضح رہے کہ ہم الوالامر مفروضہ میں ہیں۔ قرآن کی اس آیت پر غور کرو۔

(فَاِن تنازعتم فِی شیءٍ فَرُدُّوْہُ الی اللّٰہِ وَالرَّسُوْل ... ولو رَدُّوہ الی الرَّسُوْل، والی الامر منھم لَعَلِمَہُ الذین یستنبطونہ منھم) شیطان کے دھوکے سے بچو کہ وہ تمہارا کھُلم کھُلا دشمن ہے، تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے دوست بن جاؤ جن کے متعلق آپؐ نے فرمایا ہے (لا غالب لکم الیوم من النّاس وانّی جاء لکم۔ ترجمہ) لیکن جب آپؐ نے اپنے بعد دو گروہوں کے باہمی تنازعات پر غور فرمایا تو ان سے ارشاد فرمایا (میں اس وقت کے لیے تم سے بری الذمہ ہوتا ہوں جو میرے آج بھی پیشِ نظر ہے لیکن تم اسے نہیں دیکھ رہے ہو۔ ترجمہ) آپؐ کا اشارہ اسی وقت کی طرف تھا جب نیزے بلند ہوں، تلواریں چمک رہی ہوں، عزائم نیک نہ ہوں بلکہ صرف تیر اندازی سے غرض ہو۔ یاد رکھو اس وقت کسی کا خالی خولی ایمان کام نہیں آئے گا جب تک ایمان پر کامل بھروسہ نہ ہوگا اور اسے صرف اکتساب خیر کے لیے کام میں نہ لایا جائے گا۔ واللہ اعلم۔

(ختم شد ترجمہ جلد دوم)

کوکب شادانی عفی عنہ

۸۶۳/۱۵، دستگیر کالونی، فیڈرل ایریا، کراچی ۳۸

اشاریہ (شخصیات)

مروج الذہب ومعاون الجوہر

حصہ اوّل

مرتبہ، مشرف احمد

اشاریہ (شخصیات)

مروج الذہب ومعاون الجواہر

مرتبہ: مشرف احمد

حصہ دوم

(ش)

اشاریہ (بلاد و امصار)

حصہ اوّل

اشاریہ (بلاد و امصار)
حصّہ دوم

تاریخ المسعودی

مروج الذہب و معاون الجواہر

حصہ دوم

تیسری اور چوتھی صدی ہجری کی بزرگ شخصیت اور نامور مورخ

امام المورخین ابوالحسن علی بن حسین بن علی المسعودی

کی شہرۂ آفاق تالیف

کا اردو ترجمہ

مترجم

پروفیسر کوکب شادانی

بی اے آنرز (علیگ)، ایم اے ایم او ایل (پنجاب)

ناشر

نفیس اکیڈمی

اسٹریچن روڈ۔ کراچی ۱